ابنِ صفی

نمبر
18

جاسوسی دنیا

56- پہلا شعلہ
57- دوسرا شعلہ
58- تیسرا شعلہ
59- جہنم کا شعلہ



پیشرس

ہر مصنف کا ایک شاہکار ہوتا ہے۔ ابن صفی کا شاہکار ان کے ناولوں کا سیٹ ''شعلے'' ہیں۔ یہ تمام ناول انفرادی طور پر بھی مکمل ناولٹ ہیں مگر سب کو ملا کر پڑھنے سے لطف دوبالا ہوجاتا ہے۔

ایڈونچر کے شائق حضرات اس میں اپنی پسند کی بہت سی چیزیں تلاش کرسکیں گے۔ ابن صفی کی ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر ذوق کی تسکین کا مواد فراہم کرتے ہیں اور کسی کو بھی مایوس نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں ایڈونچر، سیر و سیاحت، دھول دھپہ، سائنٹیفک جاسوسی ادب سب کچھ آپ کو مل جائے گا۔ بیشتر قارئین کی رائے میں یہ ابن صفی کا ماسٹر پیس سلسلہ ہے۔

ڈاکٹر سلمان، تاریہ، خانم اور ساحرہ جیسے ذہن سے چپک جانے والے کرداروں کو آپ کبھی فراموش نہیں کرسکیں گے۔ کردار نگاری اور ان کی نفسیات پر ابن صفی کو جو ملکہ حاصل ہے اس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

پبلشر

ڈاکٹر اوہان

زندگی کی یکسانیت کو مستقل طور پر برداشت کرتے رہنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ خصوصاً کیپٹن حمید جیسے سیلانی آدمیوں کے لئے تو یہ چیز موت سے بھی بدتر ثابت ہوتی ہے۔ تقریباً دو سال سے اس نے کوئی بھی چھٹی نہیں لی تھی اور اب اس بات پر اڑ گیا تھا کہ وہ دو ماہ کی چھٹی لے کر ہی رہے گا۔

چھٹی مل گئی...... لیکن فریدی نے چھٹی نہیں لی۔ ظاہر ہے کہ چھٹی اس لئے نہیں لی گئی تھی کہ وہ اسے شہر ہی میں رہ کر گذار دیتا۔ اپنے شہر سے تو اسے وحشت ہونے لگی تھی۔

گرمیوں کا موسم شروع ہو چکا تھا اس لئے اس نے رام گڈھ جانے کا پروگرام بنایا۔ مگر تنہا نہیں...... اس پروگرام میں گرانڈیل احمق قاسم بھی شریک تھا۔

وہ دونوں آج ہی رام گڈھ پہنچے تھے اور وہاں کے سب سے بڑے ہوٹل ''دلکشا'' میں ان کا قیام تھا...... مگر دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔ ان کے کمرے ایک ہی منزل اور ایک ہی راہداری میں تھے۔ لیکن ان کے درمیان تقریباً آٹھ یا دس کمروں کا فاصلہ تھا۔

یہاں آنے سے قبل دونوں نے ایک اسکیم بنائی تھی۔ اسکیم دراصل حمید ہی کی ذہنی اپج کا نتیجہ تھی اور اس اسکیم کی وجہ تھی زندگی کی یکسانیت سے اکتاہٹ۔

یہاں پہنچتے ہی حمید کو یقین ہوگیا تھا کہ اسکیم نہ صرف سو فیصدی کامیاب ہوگی بلکہ اس سے

بہتیرے دوسرے فوائد بھی حاصل ہوں گے۔

ہوٹل میں قیام کرنے والوں میں عورتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ حمید نے یہ بھی چیز چند ہی گھنٹوں میں محسوس کرلی۔

اُسے یہاں ملک کی مشہور ایکٹریس روحی نظر آئی اور اس کے تین کمرے اسی منزل اور اسی راہداری میں تھے جہاں حمید اور قاسم کا قیام تھا۔ اس نے روحی کو قریب سے دیکھا اور اس کی باچھیں کھل گئیں۔ دوسری طرف قاسم بھی اسے دیکھ دیکھ کر پلکیں جھپکاتا رہا۔ روحی بڑی حسین تھی۔ یعنی وہ گوشت و پوست میں اپنے عکس سے بھی زیادہ دلکش نظر آتی تھی۔

راہداری سے گذرتے وقت اس نے حمید کی طرف عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔ کیونکہ حمید کے جسم پر زرد رنگ کا ایک لمبا سا لبادہ تھا اور سر پر سفید سمور کی گول ٹوپی جو سر ہی کا ایک حصہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کی بناوٹ کچھ اس قسم کی تھی کہ پہلی نظر میں اس کے سفید اور لمبے بال سر ہی کے بال معلوم ہوتے تھے۔ پیروں میں لومڑی کی کھال کے جوتے تھے۔ حمید نے اس وقت اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

وہ شاید نیچے جارہی تھی۔ قاسم نے دور سے حمید کو آنکھ مارنے کی ناکام کوشش کی تھی...... ناکام یوں کہ وہ دونوں آنکھیں بیک وقت مار بیٹھتا تھا۔

اسی رات ڈائننگ ہال میں حمید کو سینکڑوں آنکھیں گھور رہی تھیں...... وہ اس وقت بھی زرد سلک کے لبادے میں تھا اور سر پر وہی سمور کی ٹوپی تھی لیکن اس وقت اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں اور یہ فریدی کے ایجاد کردہ ایک لوشن کے دو قطروں کا کرشمہ تھا۔ اگر ڈائننگ ہال ایئر کنڈیشنڈ نہ ہوتا تو حمید کی ساری شیخی دھری رہ جاتی۔ سلک کا لبادہ اس کے لئے وبال جان بن جاتا کیونکہ رام گڈھ کی راتیں ہمیشہ بہت سرد ہوتی ہیں اور پھر یہ مارچ ہی کا مہینہ تھا۔ پچھلے مہینے یہاں کثرت سے برف باری ہوتی رہی تھی۔

دوسری طرف قاسم اپنی میز پر تین آدمیوں سے کہہ رہا تھا۔ ''یہ عجیب آدمی ہے۔ ہم دونوں نے...... ایک ہی کمپارٹمنٹ میں فسر...... ارر...... سفر کیا تھا...... راستے میں ایک پولیس کپتان سے...... اس کا جھگڑا ہوگیا اس نے کہا کہ تم خواہ مخواہ مجھ سے الجھ پڑے ہو...... پپاگل......

پاگل ہوجاؤ گے...... بس...... جناب اگلے اسٹیشن تک پہنچتے پہنچتے وہ سچ مچ پاگل ہوگیا۔ کمپارٹمنٹ کے کئی آدمیوں کو زخمی کردیا...... لوگوں کو للکار للکار کر گالیاں دیتا رہا...... گاڑی کو دیر تک رکنا پڑا...... بدقت تمام ریلوے پولیس اسے تار کرلے گئی۔''

قاسم نے یہ باتیں اتنی بلند آواز میں کہی تھیں کہ قرب و جوار کی کئی میزوں کے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ عورتیں خصوصیت سے بڑی دلچسپی کا اظہار کررہی تھیں۔

''جی ہاں۔'' قاسم پھر بولا۔ ''میں نے خود اپنی آنکھوں سے اُسے پاگل ہوتے دیکھا ہے۔ بس ایک دم بندروں کی طرح دانت نکال نکال کر...... آنکھیں چپکانے لگا۔'' یہاں قاسم نے نہ صرف بندروں کی طرح دانت نکال دیئے بلکہ آنکھیں چپکانے کی کوشش بھی کی۔

کچھ لڑکیاں منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسیں اور قاسم بُری طرح بوکھلا گیا۔ پہلے اس نے دونوں گال پھلائے پھر زبان باہر نکل پڑی اور دوبارہ منہ کے اندر جاتے وقت دانتوں کے درمیان آکر کچل بھی گئی۔

قاسم نے دونوں آنکھیں بند کرلیں اور سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

''کہیں وہ پاگل ہوجانے والے آپ ہی تو نہیں تھے۔'' ایک آدمی نے آہستہ سے کہا۔

''جی......!'' قاسم سر اٹھا کر غرایا۔

''کچھ نہیں جناب......!'' وہ آدمی سہم کر بولا۔ ''میں نے یہ عرض کیا تھا کہ وہ یقیناً پاگل ہوگیا ہوگا۔''

''جی ہاں......!'' قاسم اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''آپ جھوٹ سمجھتے ہیں۔ کیا وہ سالا میرا باپ ہے کہ میں اس کے لئے جھوٹ بولوں گا۔''

''نہیں صاحب...... مجھے یقین ہے۔'' اس آدمی نے پیچھا چھڑانے کے لئے کہا۔

''آپ نے مجھے پاگل کہا تھا...... ہاں۔''

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے ہرگز نہیں کہا۔''

''تو پھر میں جھوٹا ہوں...... کیوں......!''

''آپ تو خواہ مخواہ...... لیجئے...... میں اٹھا جارہا ہوں۔'' اس نے میز چھوڑ دی اور بقیہ

دونوں ہنسنے لگے۔

''ہاں دیکھئے تو سہی۔'' قاسم ان کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''ابھی بھرتا بنا دیتا۔ سب بھول جاتے پاگل واگل......!''

اتنے میں اسٹیج پر موسیقی شروع ہوگئی اور دو تین لڑکیاں تھرکتی ہوئی ڈائننگ ہال میں آ گئیں۔ مشرقی اور مغربی ملا جلا رقص تھا۔ قاسم دانت نکال کر انہیں دیکھنے لگا۔

دوسری طرف حمید بُرا سا منہ بنا کر اپنی میز سے اٹھ گیا۔ پھر سینکڑوں نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

وہ دوسری منزل کے زینوں کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا کمرہ دوسری ہی منزل پر تھا...... اس کے بعد ہی دو تین عورتیں بھی اٹھ گئیں۔ قاسم نے انہیں بھی دوسری ہی منزل پر جاتے دیکھا تھا۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدل کر سوچا ''مار دیا سالے نے ہاتھ...... اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

لیکن شاید دوسرے ہی لمحے میں وہ ان سب کو جہنم میں جھونک کر پھر رقص دیکھنے میں محو ہوگیا۔ کبھی کبھی بے خیالی میں وہ خود بھی لچکنے لگتا۔

کچھ تعجب نہیں کہ آس پاس والوں کو اس کے پاگل پن کا یقین بھی ہوگیا ہو۔ کچھ بھی ہو۔ اس رات پورے ہوٹل میں حمید کے متعلق عجیب وغریب روایات مشہور ہوگئیں۔ قاسم نے اسکیم کے مطابق اپنا رول بخوبی انجام دیا تھا۔

لوگ حمید کے کمرے کے قریب منڈلانے لگے۔ وہ یونہی خواہ مخواہ...... راہداری کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتے اور پھر واپس آ جاتے۔ اکثر عورتیں بھی اسی خبط میں مبتلا دیکھی گئیں۔ ایک بار تو فلم ایکٹریس روحی بھی اپنے لمبے بالوں والی سیامی بلی کے متعلق دریافت کرنے کے لئے حمید کے کمرے کے سامنے رکی تھی۔ لیکن حمید نے کچھ ایسے خشک لہجے میں جواب دیا تھا کہ وہ یکلخت جانے کے لئے مڑی تھی۔

''ٹھہرو......!'' حمید لاپروائی سے بولا۔

وہ رک گئی مگر اس کی طرف مڑی نہیں۔

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آج کسی چیز کی پرواہ نہ کرو۔ جو چیز کھو جائے اسے بھی بھول جاؤ۔

اگر کسی کھوئی ہوئی چیز کو تلاش کرو گی تو اب سے بارہ بجے رات تک کسی وقت بھی تمہارے لئے وبال جان بن جائے گی۔''

''کیا میں اس پہیلی کا مطلب پوچھ سکتی ہوں۔'' روحی اس کی طرف مڑ کر مسکرائی۔

''آج تمہارے ستارے ایسے ہی ہیں۔''

''میں خود ستارہ ہوں...... کیا آپ نہیں جانتے؟''

''میں جانتا ہوں...... غروب ہو جانے کی بددعا بھی دے سکتا ہوں۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور پھر اسی چارٹ پر جھک گیا جو میز پر پھیلا ہوا تھا۔ اس میں عجیب طرح کی تصویریں، ستاروں کی شکلیں اور آڑی ترچھی لکیریں بنی ہوئی تھیں۔ روحی چند لمحے کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر لاپروائی کے اظہار میں اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر چلی گئی۔

شام ڈائننگ ہال میں وہ دونوں پھر ملے۔ روحی کچھ ایسے انداز میں مسکرائی جیسے وہ حمید کو احمق سمجھتی ہو۔ جواباً حمید بھی ایسے ہی انداز میں مسکرایا جیسے وہ سچ مچ نرا گاؤدی ہو۔

دونوں کے درمیان کئی میزوں کا فاصلہ تھا۔ روحی کی میز پر دو آدمی اور بھی تھے اور ان کا رکھ رکھاؤ بھی 'فلمیانہ' ہی سا تھا۔

اس وقت تک یہ بات بھی ہوٹل میں پھیل چکی تھی کہ اس پراسرار نوجوان نے روحی کو بلی کی تلاش سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ ویسے بلی ہوٹل کے کچن میں مل گئی تھی اور روحی اسے اس وقت اپنے کمرے میں چھوڑ کر آئی تھی۔

قاسم نے بھی سنا تھا کہ حمید نے روحی سے گفتگو کی تھی۔ ظاہر ہے کہ اسے اس پر کیوں نہ تاؤ آتا۔ اس کی دانست میں وہ خود تو مزے کر رہا تھا اور اسے الو بنا کر الگ چھوڑ دیا تھا۔ یعنی اس سے اپنا پروپیگنڈہ کرا کے الو سیدھا کر رہا تھا۔ ویسے قاسم اس وقت حقیقتاً الو سیدھا کرنے کے محاورے پر غور کر رہا تھا اور کافی پی رہا تھا۔ چار چار پیالیوں کی دو کوزیاں اس کی میز پر موجود تھیں اور وہ تنہا تھا۔

''الو سیدھا......!'' اس نے آہستہ سے بڑبڑا کر پہلو بدلا اور دور بیٹھی ہوئی روحی کو گھورنے لگا۔

اتنے میں ویٹر اس کے دوسرے آرڈر کی چیزیں لے کر آ گیا اور اس کی میز بھر گئی۔ قاسم کی بلا خوری دو ہی دنوں میں مشہور ہو گئی تھی۔

''الوسیدھا......'' قاسم بے خیالی میں ویٹر کو گھورتا ہو بڑبڑایا۔

''جی صاحب......!'' ویٹر بوکھلا گیا۔

''اوہ......ہی ہی......کچھ نہیں......وہ اس ایکٹرس کا نام حوری ہے نا۔''

''روحی جناب......!''

''ہاں......ہاں......روحی......وہ تمہیں بھی اچھی لگتی ہو گی۔''

''جی......اوے......ہی ہی۔''

پھر دونوں میں غیر ارادی طور پر ''ہی ہی'' کا تبادلہ شروع ہو گیا۔

سب سے پہلے ویٹر ہی کو اس حماقت کا احساس ہوا اور وہ جھینپ کر سر کھجاتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور قاسم میز کی صفائی پر تل گیا۔

آج رقص شروع ہوتے ہی روحی اٹھ گئی لیکن حمید بیٹھا رہا۔ پچھلی رات کی طرح آج اس نے ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

پھر ٹھیک ساڑھے نو بجے گویا ڈائننگ ہال میں زلزلہ سا آ گیا۔ دوسری منزل سے کئی لوگ بدحواسی کے عالم میں نیچے آتے ہوئے دکھائی دیئے تھے۔ انہوں نے کچھ کہا اور لوگ اٹھ کر اوپری منزل کے زینوں کی طرف دوڑنے لگے۔

رقص بند ہو گیا۔ حالانکہ شروع ہوئے دس منٹ بھی نہیں گذرے تھے۔ پورا ہال خالی ہو گیا حتیٰ کہ قاسم بھی اٹھ گیا تھا۔ مگر حمید چپ چاپ بیٹھا رہا۔ ہال میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

اچانک اسے منیجر نظر آیا، جو چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔

''یہ کیا ہوا جناب......!'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''جہاں آپ ہیں وہیں میں بھی ہوں۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

منیجر بھی مزید کچھ کہے بغیر زینوں کی طرف جھپٹا۔ لیکن اسے رک جانا پڑا کیونکہ اوپر سے ایک جلوس نیچے آ رہا تھا۔

سب سے آگے دو آدمی تھے جنہوں نے روحی کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ شاید وہ بیہوش تھی۔ وہ دونوں آدمی وہی تھے جنہیں کچھ دیر قبل روحی کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔ وہ دونوں حمید کو بُری طرح گھور رہے تھے۔

روحی کو ایک لمبی سی میز پر لٹا دیا گیا۔ اس کے ہاتھوں اور پیروں پر لمبی لمبی خراشیں تھیں جن سے خون بہہ رہا تھا......وہ بیہوش تھی......فوراً ہی ڈاکٹر کو فون کیا گیا اور میز کے قریب سے بھیڑ ہٹائی جانے لگی۔

حمید جہاں تھا وہیں رہا۔ لوگ لمبی میز کے قریب سے ہٹ کر حمید کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔

''آپ کی پیش گوئی صحیح نکلی۔'' کسی نے کہا۔ ''اس پر بلی نے حملہ کر دیا۔''

''اس کے باوجود بھی میری باتیں لغو سمجھی جاتی ہیں۔''

''نہیں جناب......میں ان میں سے نہیں ہوں۔'' اس نے عقیدت مندانہ لہجے میں کہا۔

''اس نے کس طرح حملہ کیا۔'' حمید نے پوچھا۔

''جیسے ہی اس نے کمرے کا دروازہ کھولا......بلی جھپٹ پڑی۔ وہ اسی کمرے میں تھی۔ اب بھی وہ اسی کمرے میں ہے اور وہاں اس نے خاصی توڑ پھوڑ مچائی ہے۔''

''ہو گا......!'' حمید نے لاپرواہی سے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ''براہ کرم آپ لوگ یہاں اس طرح میرے گرد بھیڑ نہ لگایئے۔ مجھے وحشت ہوتی ہے۔''

''جی ہاں اور کیا......!'' یک بیک قاسم سامنے آ کر بولا۔ ''آپ لوگ یہاں سے ہٹ جایئے۔'' اس نے لوگوں کو پیچھے ہٹانا شروع کر دیا۔

روحی کو ڈاکٹر کے آنے سے قبل ہی ہوش آ گیا اور وہ اس میز سے اٹھ کر تیر کی طرح حمید کی طرف آئی۔ قاسم حمید کی کرسی کے پیچھے اس طرح کھڑا تھا جیسے کسی بگھی کے پیچھے کوچوان، ایسی صورت میں جب کہ بگھی کا مالک خود ہی اسے ہانک رہا ہو۔

''میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔'' روحی کپکپاتی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''بیٹھ جایئے۔'' حمید نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور قاسم منہ چلانے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ بھی بیٹھ جائے یا اسی طرح کھڑا رہے۔

"کاش میں آپ کا کہنا مان لیتی۔"

"نہیں میں تو گدھا ہوں۔" حمید تلخ لہجے میں بولا۔

"کیا آپ مجھے معاف نہیں کریں گے۔" روحی غم ناک آواز میں بولی۔

قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا روحی کے دونوں ساتھیوں میں سے ایک بول پڑا۔ "ارے ختم بھی کرو...... یہ ایک اتفاق تھا۔"

"میں اتفاق کیسے سمجھوں جبکہ بلی تقریباً تین سال سے میرے ساتھ ہے۔ اس سے پہلے کبھی وہ مجھ پر غرائی بھی نہیں۔"

"تب یہ کسی قسم کا فراڈ ہے۔" اس نے کہا۔

"ہائیں......!" قاسم غرایا۔ "قیا تہا...... کہا...... فراڈ...... تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"میں آپ سے گفتگو نہیں کر رہا ہوں۔" روحی کے ساتھی نے غصیلے انداز میں کہا۔

"گفتگو کے بچے! تم ڈاکٹر صاحب کی توہین کر رہے ہو۔ گردن توڑ دوں گا۔"

"اجمل فضول باتیں نہ کرو۔" روحی اپنے ساتھی کی طرف مڑی۔

"اور کیا...... جی ہاں...... سمجھا لیجئے...... اجمل فضول کو...... ورنہ......!" قاسم خاموش ہو گیا۔ کیونکہ حمید بول پڑا تھا۔ وہ اجمل سے کہہ رہا تھا۔ "میں پکا فراڈ ہوں...... لیکن ایک ہفتے کے اندر اندر تمہارا ستارہ بھی گردش میں آجائے گا۔"

بات بڑھ جاتی لیکن حمید کے بے شمار حمایتی پیدا ہو گئے۔ ویسے قاسم ہی کیا کم تھا۔ اس وقت وہ ظالم بھی بڑے موڈ میں تھا۔ کسی قسم کا خیال کئے بغیر فرش پر بیٹھ کر حمید کے پیر دبانے لگا۔

"ارے ڈاکٹر صاحب! میں آپ کے قدموں پر جان دے دوں گا۔" وہ بڑبڑاتا جا رہا تھا۔

"نہیں...... نہیں مجھے اپنی خدمت سے محروم نہ کیجئے۔"

حمید خاموش بیٹھا رہا اور روحی کئی بار معافی مانگنے کے بعد وہاں سے اٹھ گئی۔ روحی کا ایک ساتھی نیچے ڈائننگ ہال میں رہا۔ شاید وہ وہاں ڈاکٹر کا انتظار کر رہا تھا۔

قاسم اب فرش سے اٹھ کر حمید کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن اس کا سر بڑے مودبانہ انداز میں جھکا ہوا تھا۔

ایک بار منیجر پھر حمید کی میز کے قریب نظر آیا۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

"کیا آپ براہِ کرم تھوڑی دیر کیلئے میرے آفس تک چل سکیں گے۔" اس کا لہجہ ملتجانہ تھا۔

"چلئے......!" حمید مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔ منیجر متوسط قد مگر ایک فربہ اندام آدمی تھا۔ چلتے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دباؤ پڑ کر اچھلنے والے ربڑ کا آدمی ہو۔ عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ چہرہ بھرا ہوا تھا اور روزانہ شیو کا عادی معلوم ہوتا تھا۔

اپنے آفس میں پہنچ کر اس نے بڑی احتیاط سے دروازہ بند کیا اور ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"تشریف رکھئے۔"

حمید بیٹھ گیا۔ لیکن اس کے چہرے پر بے چینی یا تشویش کے آثار نہیں تھے۔ گویا اسے اس کی پرواہ ہی نہیں تھی کہ وہ یہاں کیوں لایا گیا ہے۔

"آپ واقعی باکمال ہیں۔" منیجر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں مان گیا۔"

"مگر یہ بات آپ وہاں بھی کہہ سکتے تھے۔"

"کہہ تو سکتا تھا مگر وہاں اپنی درخواست کیسے پیش کرتا۔ اب اگر آپ مجھ پر توجہ فرمانے کا وعدہ کریں تو عرض کروں۔"

"کیا بات ہے۔"

"بات...... آپ مجھے نہ جانے کتنا ذلیل سمجھیں گے۔ مگر میں کیا کروں...... دل سے مجبور ہوں۔ آپ جانتے ہیں دل کا معاملہ۔"

"اچھی طرح جانتا ہوں......!" حمید مسکرایا۔

"تو پھر آپ مجھے بُرا نہیں سمجھیں گے۔"

"قطعی نہیں...... آدمی تو ستاروں کا کھلونا ہے۔ کوئی بات اس کے اپنے بس میں نہیں۔" منیجر نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "مجھے اپنے سالے کی بیوی سے عشق ہو گیا ہے۔"

حمید بڑی سنجیدگی سے اُسے دیکھتا رہا۔ منیجر نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا کمرے پر ایک بوجھل سا سکوت طاری ہو گیا تھا۔

تیزاب کی بوتل

تھوڑی دیر بعد حمید نے پوچھا۔ ''تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔''

''موت.....!'' منیجر گلوگیر آواز میں بولا۔

''یہ بھی آپ کے ستاروں پر منحصر ہے۔''

''پروفیسر صاحب۔''

''لوگ مجھے ڈاکٹر اوہان کہتے ہیں۔'' حمید نے اپنا اوپر ہونٹ بھینچ کر کہا۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ خود ہی سوچئے کہ موت کے علاوہ اور کیا چارہ ہے۔ مگر آپ یہ بتائیے کہ مجھے کامیابی ہوگی یا نہیں۔''

''عشق میں۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں..... آپ یہ بات اپنے ہی تک رکھئے گا۔''

''اوہو..... تو کیا تم مجھے کوئی گھٹیا آدمی سمجھتے ہو..... اور پھر تمہارے عشق کی اہمیت ہی کیا ہے کہ میں اسے شہرت دوں گا۔ تم ایڈورڈ ہشتم ہو۔''

''جی نہیں..... آپ خفا ہو گئے۔ میں معافی چاہتا ہوں۔''

''معاف کر دیا..... بیٹھ جاؤ..... اپنا ہاتھ مجھے دو۔''

حمید تھوڑی دیر تک اس کی ہتھیلی کی لکیریں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''عورت کا نام اور عمر۔''

منیجر نے نام اور عمر بتائے۔ پھر حمید نے بچوں کے متعلق پوچھا۔

''پانچ بچے ہیں۔''

''ہائیں..... عمر صرف بیس سال اور بچے پانچ۔''

''جی ہاں.....!'' منیجر نے شرما کر کہا۔ ''ہر سال ایک ہوتا ہے۔''

''ستارے..... ستارے۔'' حمید معنی خیز انداز میں سر ہلانے لگا۔

اس نے ایک کاغذ پر کچھ آڑی ترچھی لکیریں کھینچیں۔ کچھ ہندسے لکھے تھوڑی دیر تک

آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھا رہا پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ''کسی ایسی عورت سے عشق کرنا فضول ہے جس کے پانچ بچے ہوں۔ عمر صرف بیس سال ہو اور اوسط ایک عدد سالانہ...... فضول ہے۔''

''دل سے مجبور ہوں ڈاکٹر صاحب۔''

''اس عورت کے ستارے عشق کے خلاف ہیں۔''

''پھر کیا ہوگا جناب۔''

''مایوسی۔''

''پھر میں کیا کروں۔ اچھا ایک دوسری عورت کے متعلق دیکھئے۔''

''کیا کوئی اور بھی ہے۔''

''جی ہاں..... میرا دعویٰ ہے کہ وہ بھی مجھے چاہتی ہے۔''

''بس.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''تقریباً ایک ہفتہ عشق سے پرہیز کرو۔ ورنہ نتائج خراب نکلیں گے۔''

''یعنی.....!''

''آنے والا ہفتہ عاشقوں کے لئے سازگار نہیں ہے۔ اس ہفتے میں بے شمار عاشق محبوباؤں کے والدین، بھائیوں اور شوہروں کے ہاتھوں پٹیں گے۔ اگر کسی ملک کے فرمانروا نے عشق کرنے کی کوشش کی تو تیسری عالم گیر جنگ اس ہفتے شروع ہو سکتی ہے۔''

''آپ نے میرے خوابوں کو تباہ کر دیا۔'' منیجر آہستہ سے بڑبڑایا۔

''میں نے نہیں..... ستاروں نے۔'' حمید نے گونجیلی آواز میں کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

قاسم ہال میں اسی میز پر بیٹھا لڑکیوں کو گھور رہا تھا جس سے حمید اٹھ کر گیا تھا۔ اچانک دو عورتیں آ کر اسی میز پر بیٹھ گئیں اور قاسم بوکھلا گیا۔ اس نے اٹھنا چاہا لیکن ایک آہستہ سے بولی۔

''سنئے تو سہی۔''

''ج..... جی ہاں۔'' قاسم نے سہمی ہوئی نظروں سے زینوں کی طرف دیکھا۔ حمید دوسری منزل پر جا رہا تھا۔

"آپ انہیں جانتے ہیں۔" عورت نے پوچھا۔

"جی ہاں......جی ہاں۔"

"کیا نام ہے۔"

"ڈاکٹر......ہان......کوہان......!"

"کوہان......!" عورت نے حیرت سے دہرایا۔

"اوہان......میں بھول گیا تھا۔"

"آپ اتنے گھبرائے ہوئے سے کیوں ہیں۔" عورت مسکرائی۔ "ہمیں ان سے ملا دیجئے۔"

"مم......ملا......دوں......مشکل ہے۔"

"کیا وہ صرف روحی جیسی مالدار عورتوں کے مقدر کا حال بتاتے ہیں۔"

قریب تھا کہ قاسم کے منہ سے نکل جائے۔ "بنڈل ہے سالا" اس نے خود کو بڑی سختی سے روکا اور مسکرانے کی کوشش میں سارے دانت نکالتا ہوا بولا۔

"نہیں اس وقت نہیں......اس وقت یاد اللہ۔"

"کیا مطلب......؟"

"اب وہ یاد خدا کریں گے......یعنی کہ عبادت۔"

"کل ملا دیجئے گا۔"

"جی ہاں......جی ہاں۔"

عورتیں کچھ دیر بیٹھی اسے عجیب نظروں سے دیکھتی رہیں پھر اٹھ گئیں۔ قاسم نے ایک طویل سانس لیا اور بڑبڑایا۔ "اکیلے......اکیلے......اچھا بیٹا۔ دیکھ لوں گا۔"

ڈائننگ ہال کی رونق پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ اب یہاں بہت کم لوگ رہ گئے اور وہ بھی کچھ اکتائے اکتائے سے نظر آ رہے تھے۔

قاسم کراہ کر اٹھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے کسی عزیز کو دفن کر کے آ رہا ہو۔

"ذرا سنئے گا......!" وہ کسی کی آواز سن کر مڑا۔ یہ ہوٹل کا منیجر تھا۔

"کیا ہے۔" قاسم غرایا۔

"کیا ڈاکٹر صاحب اوپر تشریف لے گئے۔"

"کیا میں ڈاکٹر صاحب کی دم میں بندھا رہتا ہوں۔" قاسم نے کسی کھٹکنے کتے کی طرح دانت نکالے۔

"اوہ......معاف کیجئے گا۔ میں خود دیکھ لوں گا۔"

"ضرور دیکھ لیجئے۔" قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا اور دل ہی دل میں منیجر کو لاکھوں گالیاں دے ڈالیں اور پھر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جائے اور کیا کرے۔

دوسری طرف منیجر نے اوپر جا کر حمید کے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ......!" اندر سے آواز آئی۔

منیجر نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔

"اوہو......کیوں......کوئی خاص بات۔"

"میں بہت بے چین ہوں جناب۔"

"ہوں......بیٹھو......!" حمید نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ آدمی قاسم کا بھی چچا معلوم ہوتا ہے۔

"آپ یہ بتائیے اگر اس کے دل میں میرا خیال نہیں ہے تو پھر وہ مجھے خواب میں کیوں دکھائی دیتی ہے۔ کبھی وہ بادلوں سے جھانک کر مسکراتی ہے کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شفق کے رنگین لہریوں سے نکل کر میری طرف آ رہی ہو۔ خواب کی دھندلاہٹ سے عجیب سی خوشبوئیں پھوٹتی ہیں۔"

"آپ کی پلنگ میں کھٹمل تو نہیں ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی......کھٹمل......پتہ نہیں......کیوں......؟"

"ضرور ہوں گے۔"

"پھر اس سے کیا......؟"

"بہت کچھ......!" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "اول تو ایسی حالت میں نیند نہیں آتی اور اگر آ بھی گئی تو اسی طرح کے خواب آتے ہیں۔"

"اُوہو......آپ میرا مذاق اڑانے لگے۔" منیجر جھینپے ہوئے انداز میں بولا۔

"غلط سمجھے۔ میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ عشق کے لئے یہ ہفتہ موزوں نہیں ہے۔"

"نہیں جناب......آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔ میں بھی کیسا گدھا ہوں کہ آپ کے پاس پھر دوڑا آیا۔ روحی کے متعلق آپ نے جو کچھ بھی بتایا تھا وہ کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ یہ دن اس پر سخت ہیں۔"

"ساری دنیا کیسے جانتی ہے۔ ساری دنیا ستارہ تو نہیں ہے۔"

"ارے جناب کامن سنس بھی تو کوئی چیز ہے۔"

"نان سنس......!"

"جی......!"

"کچھ نہیں......ہاں دنیا کیا جانتی ہے۔"

"ایک بار کسی نے اس کے چہرے پر تیزاب پھینکنے کی کوشش کی تھی۔ کوئی اس کا چہرہ بگاڑ دینا چاہتا ہے اور اب تو اس کے امکانات اور زیادہ ہوگئے ہیں جب کہ ایکٹرسوں میں مقابلہ حسن کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔"

"روحی سب سے حسین سمجھی جاتی ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"کھلی ہوئی بات ہے......کوئی چاہتا ہے کہ وہ اس مقابلے میں شریک نہ ہو۔"

"تو آپ یہ سب کچھ مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔"

"بلی کے ساتھ یقیناً کوئی کاروائی کی گئی ہوگی تا کہ اس کا چہرہ اپنے نوکیلے پنجوں سے برباد کرے۔ سمجھ گئے جناب......اس میں آپ کے کمال کو دخل نہیں ہے۔"

"لیکن اس کی پیشین گوئی میں نے ہی کی تھی۔"

"کون جانے۔" منیجر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "آپ بھی انہیں میں سے ہوں۔"

"تم میری توہین کر رہے ہو۔" حمید گرج کر کھڑا ہوگیا۔ چند لمحے اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ "خدا نے چاہا تو......!"

"نہیں......نہیں......!" منیجر اس کی آگ اگلتی ہوئی آنکھوں کی تاب نہ لا کر چیخا۔ "کوئی

بد دعا نہ دیجئے گا۔"

حمید خاموش ہو کر اُسے گھورتا رہا۔ منیجر بُری طرح کانپ رہا تھا۔ اسے وہ افواہ یاد آ گئی تھی جس کے مطابق ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس ٹرین میں پاگل ہوگیا تھا۔

"جاؤ......چلے جاؤ......یہاں سے۔" حمید دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

منیجر نے چپ چاپ دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

اس کے بعد ہی قاسم دروازہ کھول کر اندر گھس آیا۔

"ہائیں تم......یہ کیا حرکت۔" حمید اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

"بس......بس......میں زیادہ اُلو نہیں بن سکتا۔"

"ارے آہستہ بولو بیٹا......ورنہ میرے ساتھ تمہاری بھی شامت آ جائے گی۔ ہوسکتا ہے کہ میں اپنے محکمے کی وجہ سے بچ جاؤں......لیکن تم......دوسری دنیا میں پہنچا دیئے جاؤ گے۔"

قاسم اسے خاموشی سے گھورتا رہا اور حمید بولا۔ "بس صرف دو تین دن اور ٹھہر جاؤ......اس کے بعد پھر اگر ہم ایک ہی کمرے میں رہیں تب بھی کوئی حرج نہیں ہوگا۔"

"تم اپنا اُلو سیدھا کر رہے ہو۔" قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اگر تمہارا الٹ گیا تو اسے بھی سیدھا کر دوں گا۔ فکر نہ کرو......بس میں جو کہتا رہوں کرتے رہو۔"

"ہاں......میں خوب سمجھتا ہوں۔ تم مجھ سے چائے منگواؤ گے۔ غسل کے تولئے صابن منگواؤ گے......مجھ سے کہو گے کہ میرے جوتوں میں پالش کر دو۔"

"ارے ارے! لاحول ولاقوۃ......تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

"ٹھیک باتیں کر رہا ہوں......ابھی نیچے ایک عورت مجھ سے پوچھ رہی تھی کیا تم ڈاکٹر اوہان کے ملازم ہو۔"

"تم نے کیا کہا۔"

"میں نے کہا ڈاکٹر اوہان سالے کی ایسی کی تیسی۔ اس جیسے سینکڑوں میرے نوکر ہیں۔"

"بس اب گڑبڑ کرنے لگے۔"

"ہاں تو میں کہہ دیتا کہ میں ڈاکٹر کوہان سالے کا نوکر ہو۔" قاسم جلے بھنے انداز میں ہاتھ نچا کر بولا۔ بعض اوقات اس کا انداز گفتگو بالکل عورتوں کا سا ہو جایا کرتا تھا۔

"نہیں...!" حمید نے کہا۔ "تم کہہ سکتے تھے کہ میں ڈاکٹر اوہان کے معتقدین میں سے ہوں۔"

"ارے بڑے آئے کہیں کے وہ...... ان کے معتقدین میں سے ہو۔ تم پکے چار سو بیس ہو۔ میں بھانڈا توڑ دوں گا۔"

"بھانڈہ پھوڑنا محاورہ ہے۔" حمید نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"محاورے کی ایسی کی تیسی۔"

"اچھا جاؤ...... جو تمہارا جی چاہے کرو۔ لیکن تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔ اگر مجھے غصہ آ گیا تو تم رام گڈھ میں بُری طرح ذلیل ہو گے۔ تمہاری جسمانی قوت میری ذہنی قوت کے سامنے کام نہ آ سکے گی۔"

قاسم اچانک کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

"میں تو مزاخ کر رہا تھا...... ہی...... ہی......!"

"میں سمجھتا تھا......!" حمید بھی ہنسنے لگا۔

"مگر یار...... بلی کا کیا معاملہ تھا۔" قاسم نے پوچھا۔

"دودھ میں تھوڑی سی برانڈی دے دی تھی۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

قاسم منہ بنا کر ہنسنے لگا۔ پھر احمقانہ انداز میں بولا۔ "اچھا روحی تمہاری رہے گی یا میری۔"

"سو فیصدی تمہاری۔" حمید نے اسکا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "مجھے وہ بالکل اچھی نہیں لگتی۔"

"ہی...... ہی......!" قاسم پلکیں جھپکاتا ہوا ہنسا۔

"کچھ دیر ہنستے رہنے کے بعد قاسم نے پوچھا۔ "اب کیا کرنا ہوگا مجھے۔"

"تفریح...... میری جان۔" حمید نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ "ہم تفریح کے لئے اپنے گھروں سے نکلے ہیں۔"

"مگر یار وہ جو روحی کے ساتھ رہتا ہے...... باریک مونچھوں والا...... وہ مجھے کوئی بدمعاش معلوم ہوتا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔"

"ہوگا...... ہوسکتا ہے......!" حمید نے کہا۔ "اچھا جاؤ...... اب تم آرام کرو۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔"

قاسم چپ چاپ باہر نکل گیا۔

حمید نے یہ حرکت محض اس لئے کی تھی کہ ہر وقت عورتوں اور لڑکیوں میں گھرا رہے لیکن اس نے اس کے دوررس نتائج پر غور نہیں کیا تھا۔

ساڑھے نو بجے روحی پر اس کی بلی نے حملہ کیا تھا اور گیارہ بجے تک یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی تھی۔

ٹھیک بارہ بج کر پندرہ منٹ پر پریس رپورٹروں کی فوج نے حمید کے کمرے پر حملہ کر دیا۔ منیجر نے انہیں اس سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا تھا۔ حمید کسی طرح ان سے پیچھا نہ چھڑا سکا۔ اس نے انہیں اپنے متعلق اوٹ پٹانگ باتیں بتائیں۔ لیکن تصویر کسی کو نہیں لینے دی۔

"اگر کسی اخبار نے......!" وہ کہہ رہا تھا۔ "میری تصویر چھاپی تو اس پر دعویٰ کر دوں گا۔ میں پیشہ ور نجومی نہیں ہوں اس لئے پبلسٹی کی خواہش بھی نہیں رکھتا۔ یہ میری تفریح ہے۔"

تقریباً ڈھائی بجے اس مصیبت سے نجات ملی اور وہ روشنی گل کر کے لیٹا ہی تھا کہ پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"خولو...... غمید بھائی۔" قاسم کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔ حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ جھلاہٹ کے عالم میں اس نے سوئچ آن کر دیا اور دروازہ کھول کر پیچھے ہٹ آیا۔

"کیا ہے......!"

"مم...... میرے...... کک...... کمرے کی کھڑکی غائب ہو گئی۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"الاقسم...... میں جھوٹ نہیں بولتا۔ تم دیکھ لو چل کر۔"

"یعنی...... کھڑکی چوکھٹ سمیت کوئی نکال لے گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں...... وہ غائب ہو گئی۔ دیوار میں کھڑکی نہیں ہے۔"

"جاؤ...... جاؤ......!" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "سو جاؤ...... شاید معمول سے زیادہ کھا گئے ہو۔"

"ارے یار...... خدا کے لئے تم دیکھو۔" قاسم سہمی ہوئی سی آواز میں بولا۔

"میں نے خواب نہیں دیکھا۔"

راہداری میں اندھیرا تھا۔ حمید نے ہاتھ بڑھا کر میز سے ٹارچ اٹھائی اور قاسم کے ساتھ چلنے لگا۔

چلتے چلتے اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے داہنی طرف کے ایک کمرے کے اندر دو آدمی لڑ پڑے ہوں۔ حمید رک گیا۔

یہ کمرہ روحی کے تین کمروں میں سے ایک تھا۔

"بب...... با......!" اندر سے آواز آئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے چیخنے کی کوشش کی ہو اور اس کا منہ دبا دیا گیا ہو۔

"کیا ہے...... یہاں کیا ہو رہا ہے۔" حمید نے جھپٹ کر دروازے پر ہاتھ مارا۔

ایک لمحے کے لئے سکوت طاری ہو گیا...... لیکن پھر ایک نسوانی چیخ کمرے میں گونجی۔

"قاسم دروازہ توڑ دو......!" حمید پلٹ کر بولا۔

قاسم نے دروازے پر اپنے داہنے شانے سے ٹکر ماری۔ مگر کچھ نہ ہوا۔ ساتھ ہی اندر سے کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے کوئی کرسی یا میز فرش پر گری ہو۔

قاسم دوسری ٹکر کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور روحی اس پر آ گری۔

"بچاؤ......!" وہ پھر چیخی اور بیہوش ہو کر فرش پر گر گئی۔ دوسرے کمروں کے دروازے بھی کھلنے شروع ہو گئے جس کمرے سے روحی نکلی تھی شاید وہ سونے کا کمرہ تھا...... وہاں مدھم نیلی روشنی تھی اور دو کرسیاں فرش پر الٹی پڑی تھیں۔ بستر آدھا فرش پر تھا اور آدھا مسہری پر۔

روحی بیہوش تھی...... اس کا ساتھی باریک مونچھوں والا بھی ایک کمرے سے نکل آیا۔

حمید اور قاسم کے گرد اچھی خاصی بھیڑ ہو گئی اور اب راہداری بھی تاریک نہیں تھی۔

"کیا معاملہ ہے۔" باریک مونچھوں والا حمید کو قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"میں خود نہیں سمجھ سکتا کہ کیا معاملہ ہے۔ میں ان کی چیخ سن کر جاگا تھا۔ میں ادھر آیا اور یہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آ گری۔"

"ہاں...... ہاں......!" وہ دہاڑا۔ "تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔ پھر دوسروں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اگر یہ شخص فرار ہو گیا تو پولیس آپ سب سے جواب طلب کرے گی۔"

"ابے...... کیا بک رہا ہے...... سالے۔" قاسم آستین چڑھاتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

"نہیں ٹھہرو......!" حمید نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "میں اسی راہداری میں ٹھہر کر پولیس کا انتظار کروں گا۔"

باریک مونچھوں والا روحی کو ہاتھوں پر اٹھا کر کمرے میں چلا گیا۔

باڈی گارڈ

حمید وہیں کھڑا رہا۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اپنے کمرے سے باہر کیوں آیا تھا۔

"کیا قصہ تھا جناب۔" کسی نے پوچھا۔

"اتنا ہی مجھے بھی معلوم ہے جتنا بتا چکا ہوں اس سے زیادہ نہیں جانتا۔"

"ڈاکٹر صاحب" قاسم ہکلایا۔ "مم...... میری...... کھڑ......!"

"ہوں...... ٹھیک ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔ "آپ اپنے کمرے میں جائیے۔"

"مم...... مگر...... ن...... نن...... نہیں...... میں آپ کی حفاظت کروں گا۔ یہیں ٹھہروں گا...... وہ سالا باریک مونچھوں والا...... سور......!"

"شکریہ......!" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "آپ میری فکر نہ کیجئے۔ میری کسی سے دشمنی نہیں۔"

"آپ دروازے پر ٹکریں مار رہے تھے جناب۔" ایک آدمی نے کہا۔ "میں نے دیکھا تھا۔"

"اچھا کیا تھا...... پھر کیا اسے اندر مر جانے دیتا۔"

"آپ اپنے کمرے میں جائیے۔" حمید نے ایک بار پھر قاسم سے کہا اور قاسم بڑبڑاتا ہوا

وہاں سے چلا گیا۔لیکن اپنے کمرے کے قریب پہنچ کر پھر پلٹ آیا۔

''کھڑکی آ گئی......آ گئی...... ہاں......!'' وہ حمید کے پاس پہنچ کر بولا۔

''کیا آپ نشے میں ہیں جناب......میں کہہ رہا ہوں اپنے کمرے میں جائیے۔''

''جی......جا رہا ہوں۔'' قاسم نے کہا اور سرپٹ اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

راہداری میں کافی لوگ اکٹھے ہو گئے تھے اور حمید سب کی نگاہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔اُن میں سے کچھ روحی کے کمرے میں بھی جھانکنے کی کوشش کر رہے تھے۔دفعتاً حمید نے بلند آواز میں کہا۔

''کیوں بھئی! تم کہاں گئے۔تمہاری پولیس کب آئے گی اور مجھے کب تک یہاں راہداری میں ٹھہرنا پڑے گا۔''

''کیا آپ اندر آنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے۔'' اندر سے روحی کی نحیف سی آواز آئی۔حمید نے چاروں طرف ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور کمرے میں چلا گیا۔اس کے پیچھے ہی پیچھے رات کے ڈیوٹی کلرک نے بھی اندر داخل ہونا چاہا لیکن دروازہ بند ہو چکا تھا۔

اس نے دروازے پر دستک دے کر کہا۔''یہاں جو کچھ بھی ہوا ہے اس کا میرے علم میں آنا ضروری ہے۔''

دروازہ پھر کھلا اور وہ بھی اندر چلا گیا۔

روحی ایک کرسی پر بیٹھی ہانپ رہی تھی۔باریک مونچھوں والا ایک طرف کھڑا اسے تشویش آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔حمید بھی ابھی بیٹھا نہیں تھا۔مسہری پر ایک بوتل پڑی تھی جس سے کوئی سیال چیز نکل کر بستر پر پھیل گئی تھی۔

''کیا بات تھی۔'' کلرک نے پوچھا۔

''میں سو رہی تھی......کسی نے مجھ پر تیزاب ڈالنے کی کوشش کی۔اس کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔بوتل بستر پر گر گئی۔میں اچھل کر دروازے کی طرف بھاگی......لیکن اس نے ٹانگ پھنسا کر مجھے گرا دیا۔وہ میرا گلا گھونٹ ہی رہا تھا کہ باہر سے کسی نے آواز دی۔پھر دروازہ توڑا جانے لگا اور وہ مجھے چھوڑ کر غسل خانے میں گھس گیا۔میں دروازہ کھول کر باہر بھاگی۔''

''کیا غسل خانے میں دوسری طرف بھی کوئی دروازہ ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''اوہ......ڈاکٹر صاحب۔'' روحی اس طرح چونک کر کھڑی ہو گئی جیسے اسے ابھی تک اس کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔''تشریف رکھئے۔''

''ٹھیک ہے......آپ بیٹھئے۔''

''وہ جو کوئی بھی رہا ہو......!'' باریک مونچھ والے نے کہا۔''دوسرے کمرے کا دروازہ کھول کر نکل گیا۔''

''اور تم اسی کمرے میں سو رہے تھے۔'' روحی جھلا کر اس کی طرف مڑی۔

''مجھے خود حیرت ہے کہ میری آنکھ کیوں نہیں کھلی۔'' باریک مونچھ والے نے کہا۔پھر حمید کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں بولا۔''حالانکہ آپ نے اپنے کمرے سے چیخ سنی تھی، جو کئی کمروں کے بعد ہے۔''

''نہیں......میں ٹھیک اسی کمرے کے سامنے تھا۔''

''پہلے آپ نے کیا کہا تھا۔'' باریک مونچھوں والے کی آواز بلند ہو گئی۔

''خاموش رہو۔'' روحی ہاتھ اٹھا کر بولی۔

''پہلے میں نے اس لئے جھوٹ کہا تھا کہ درجنوں آدمیوں کے سوالات کا بار سنبھالنا میرے بس سے باہر ہوتا۔''

''میں آپ کی مشکور ہوں۔'' روحی نے مضمحل آواز میں کہا۔''آپ کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔''

''تیزاب پھینکنے والا اسی راستے سے آیا بھی ہوگا......جس سے فرار ہوا تھا۔''

حمید نے باریک مونچھ والے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور اس نے حمید کے چہرے سے نظر ہٹا لی۔

''میں نہیں جانتا۔'' اس نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

''میں فرار کے راستے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔'' حمید نے روحی سے کہا۔

''ضرور دیکھئے۔''

''کیا آپ پولیس کو طلب کرنا چاہتی ہیں۔'' کلرک نے روحی سے پوچھا۔

"یقیناً......!" روحی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ پھر باریک مونچھ والے کی طرف دیکھ کر بولی۔ "تم ان کے ساتھ جا کر پولیس کو فون کرو۔"

اس کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی لیکن اسے کلرک کے ساتھ جانا ہی پڑا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ حضرت پولیس کو اطلاع دینے میں ہچکچا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اُسے ہچکچانا ہی چاہئے۔" روحی بولی۔

"کیوں......؟"

"ظاہر ہے کہ پولیس اپنے سوالات سے اسے پریشان کر دے گی۔ حملہ آور اسی کے کمرے کی طرف سے آیا اور اسی طرف سے فرار بھی ہوا۔ لیکن وہ سوتا رہا۔"

"آپ نے اسے صرف فرار ہوتے دیکھا تھا۔" حمید نے کہا۔

"آیا بھی ادھر ہی سے ہوگا۔ میں تو اپنا کمرہ اندر سے مقفل کر کے سوئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی کمرہ مقفل کر کے سویا ہو۔"

"لیکن تیسرے کمرے کی کھڑکی میں سلاخیں نہیں ہیں۔" روحی نے کہا۔

"اس باڈی گارڈ کے علاوہ بھی تو اور کوئی صاحب تھے آپ کے ساتھ۔"

"جی ہاں......لیکن وہ شہر میں رہتے ہیں۔ یہیں کے باشندے ہیں۔ میں ہر سال گرمیوں میں یہاں آتی ہوں۔ ہماری جان پہچان کئی سال پرانی ہے۔"

"آپ سے جان پہچان پیدا کرنے کے متمنی تو سینکڑوں رہتے ہوں گے۔ کیا اس جان پہچان کی کوئی خاص وجہ ہے۔"

"اوہو......!" روحی مسکرائی۔ "آپ تو کسی وکیل کی طرح جرح کر رہے ہیں۔"

"مجھے کرنا ہی چاہئے۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کیونکہ آپ کا باڈی گارڈ درجنوں آدمیوں کے سامنے مجھ پر شبہ ظاہر کر چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں پولیس بھی اس سے پیچھے نہ رہے گی۔"

"میں معافی چاہتی ہوں...... میں نے تو آپ کے متعلق ابھی تک کوئی بُری بات نہیں سوچی۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔"

"خیر......کیا آپ پولیس کے آنے سے قبل مجھے تینوں کمرے دکھا سکیں گی۔"

"آیئے...... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

حمید نے سب سے پہلے غسل خانے کا جائزہ لیا۔ یہ دونوں کمروں کا مشترکہ غسل خانہ تھا اور اس وقت بھی دوسری طرف کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ایک حصے میں غسل خانے کے فرش پر معمولی سی نمی تھی۔ بس ایسی کہ اس پر پڑا ہوا پیر کا نشان صاف نظر آ رہا تھا۔ لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ حملہ آور ہی کے پیر کا نشان رہا ہو۔ حمید آگے بڑھا۔ دوسرے کمرے پر گہری نظر ڈالتا ہوا وہ تیسرے کمرے میں آیا......روحی ساتھ تھی۔

"وہ دیکھئے......!" اس نے جلدی سے کہا۔ "کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔"

"ہوں......!" حمید نے اسے بھی اچھی طرح دیکھا بھالا اور پھر روحی کی طرف مڑ کر بولا۔ "یہ تیسرا کمرہ آپ نے کیوں لیا ہے۔"

"اٹھنے بیٹھنے کیلئے......آپ جانتے ہیں کہ بے شمار لوگ مجھ سے ملنے کیلئے آتے ہیں اور پھر ویسے بھی دو ایک کمروں میں الجھن ہوتی ہے۔ میں تو اور بھی لینا چاہتی تھی مگر مل نہیں سکے۔"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "یہ ساری مصیبت اس بلی کی وجہ سے آئی۔ آپ نے صبح میرا مذاق دیا تھا۔ اگر آپ اسے کھو جانے دیتیں یا مل جانے کے باوجود بھی اسے پھنکوا دیا ہوتا تو یہ رات سکون سے گذرتی۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ دوسرے واقعہ سے بلی کا کیا تعلق۔"

"حملہ آور اسی دوران میں آپ کی خواب گاہ میں داخل ہوا ہوگا جب آپ بیہوش ہو جانے کے بعد پیچھے لے جائی گئی تھیں۔"

"یہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔"

"میرے خیال میں یہی ہوا ہے۔" حمید کچھ سوچنے لگا۔ "کیا آپ پریس رپورٹروں سے اسی کمرے میں ملی تھیں۔"

"جی ہاں۔"

"ان کے چلے جانے کے بعد آپ نے دروازہ مقفل کیا ہوگا۔"

"جی ہاں...... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"اور کھڑکی...... اس کا تو خاص طور پر خیال رکھا ہوگا۔ کیونکہ اس میں سلاخیں نہیں ہیں۔"

"جی ہاں...... میں نے اسے قابل اطمینان حد تک آزما لیا تھا۔ دونوں چٹخنیاں لگا دی تھیں۔"

"پھر بتایئے کہ وہ کدھر سے آیا۔ اب یا تو اسے تسلیم کیجئے کہ وہ پہلے ہی سے ان کمروں میں موجود تھا یا پھر اپنے باڈی گارڈ پر شبہ کیجئے۔"

"باڈی گارڈ پر شبہ نہیں کر سکتی کیونکہ وہ میرا چچازاد بھائی بھی ہے۔"

"تب پھر وہ انہیں کمروں میں تھا اور ان تینوں کمروں میں صرف ایک جگہ ایسی ہے جہاں کوئی بھی نہایت آسانی سے چھپ سکتا ہے۔"

"کون سی جگہ۔"

"آپ کی مسہری کے نیچے۔"

"نہیں......!" روحی خوفزدہ نظر آنے لگی۔

"اس کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ مسہری پر پڑی ہوئی چادر چاروں طرف سے فرش پر لٹکی ہوئی ہے۔ چھپنے کے لئے بہترین جگہ۔"

روحی کانپ گئی۔ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بار بار پلکیں جھپکا رہی تھی۔

"آیئے ...... میں آپ کو دکھاؤں...... ہو سکتا ہے کہ وہ وہاں اپنی موجودگی کے کچھ ثبوت نادانستگی میں چھوڑ گیا ہو۔"

"اوہ...... آپ...... آپ تو بالکل...... سراغ رسانوں کی سی باتیں کر رہے ہیں۔"

"ہاں...... آیئے...... مجھے دنیا کی بہتیری چیزوں سے دلچسپی ہے۔"

حمید اس وقت سو فیصدی فریدی کی نقل کر رہا تھا۔ گفتگو کا انداز چلنے کا انداز، سوچنے کی ایکٹنگ، کسی میں بھی سرمو فرق نہیں تھا۔

وہ پھر خواب گاہ میں واپس آ گئے۔

حمید نے مسہری کے نیچے جھولتی ہوئی چادر پلٹ دی اور کافی دیر تک ٹارچ کی روشنی میں

فرش کا جائزہ لیتا رہا۔ لیکن اسے کسی قسم کے نشانات نہیں مل سکے۔

"حیرت انگیز......!" اس نے سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"جی......!"

"اب مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ حملہ آور کی پیدائش ہی اسی کمرے میں ہوئی تھی۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"یعنی یہ کہ یہاں بھی کسی قسم کے نشانات نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ تیزاب کی بوتل پر اس کی انگلیوں کے نشانات مل ہی جائیں۔ اب ایسی صورت میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ آپ خود سوچئے۔"

"نہیں میں شاہد کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی کہ اس حرکت میں اس کا ہاتھ ہوگا۔"

"شاہد...... یعنی باڈی گارڈ......!"

"جی ہاں...... میں اس سے اچھی طرح واقف...... اوہ...... مگر وہ اب تک واپس کیوں نہیں آیا۔"

حمید عجیب انداز میں مسکرایا پھر بولا۔ "آپ کی سیامی بلی کہاں گئی۔"

"اوہ...... اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ وہ کہاں گئی۔" روحی حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

"وہ بھی گئی۔" حمید نے مایوسی سے کہا۔

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" وہ ایک آرام کرسی میں گرتی ہوئی بولی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ بلی کی بجائے اپنے باڈی گارڈ کے متعلق سوچئے۔"

"کیوں؟" روحی بے ساختہ چونک پڑی۔

"وہ ابھی تک واپس نہیں آیا...... حالانکہ پولیس کو فون کرنے کے بعد اسے قدرتی طور پر یہاں واپس آنے میں جلدی کرنی چاہئے تھی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" اس نے آہستہ سے تشویش کن لہجے میں کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر روحی بولی۔ "میں تنہا نیچے نہیں جا سکتی۔ حقیقتاً اسے واپس

آجانا چاہئے تھا۔"

"چلئے......میں دیکھتا ہوں۔"

"اوہ......بہت بہت شکریہ۔" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔"میں حقیقتاً آپ سے بہت نادم ہوں۔ صبح میں نے کافی گستاخی کی تھی۔"

"کوئی بات نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور اس کے ساتھ راہداری میں نکل آیا۔

پھر اچانک اسے قاسم کی بکواس کا خیال آیا اور وہ چلتے چلتے رک گیا۔

"ٹھہریئے......!" اس نے روحی سے کہا۔"ذرا میں اس کھڑکی کو باہر سے بھی دیکھ لوں......میرا خیال ہے کہ......نہیں......خیر جانے دیجئے۔ ہمیں پہلے نیچے ہی چلنا چاہئے۔"

"کیوں......؟ کوئی خاص بات۔"

"نہیں......آیئے۔"

وہ نیچے آئے۔ کلرک اپنی کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا اور ڈائننگ ہال میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"شاہد کہاں گیا۔" روحی مضطربانہ انداز میں بولی۔

ان کی آہٹ پر کلرک چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگا۔ پھر کھڑا ہو گیا۔

"وہ صاحب کہاں ہیں، جو فون کرنے آئے تھے۔"

"وہ تو اسی وقت واپس چلے گئے تھے۔"

"باہر......!"

"جی نہیں......اوپر......!"

"کیا تم نے انہیں زینوں پر چڑھتے دیکھا تھا۔"

"جی ہاں......کیوں؟"

حمید "کیوں" کا جواب دینے کے بجائے روحی کی طرف مڑا جس کے چہرے پر ایک بار پھر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"اب کیا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"میں کیا بتاؤں......میرا سر تو بُری طرح چکرا رہا ہے۔"

"کیا وہ اوپر نہیں ہیں۔" کلرک نے پوچھا۔

"نہیں......!" حمید نے کہا اور روحی کی طرف دیکھنے لگا۔

"بتایئے میں کیا کروں۔" روحی بولی۔

"کچھ نہیں۔" حمید نے کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر کلرک کے قریب جا کر بولا۔

"کیا اس نے پولیس کو فون کیا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"تمہیں یقین ہے۔"

"یقین کیوں نہ ہو جناب جبکہ نمبر میں نے ہی ڈائیل کئے تھے۔"

"اس نے کیا کہا تھا۔"

"یہ تو مجھے یاد نہیں۔"

"سوچ کر بھی نہیں بتا سکتے۔"

"میں دراصل اس وقت یہاں نہیں تھا۔ نمبر ڈائیل کر کے کچن میں چلا گیا تھا۔"

"لیکن......!" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔"تم تو کہہ رہے تھے کہ تم نے انہیں اوپر جاتے دیکھا تھا۔"

"جی ہاں......میں اس وقت کچن سے واپس آ گیا تھا۔"

"کیا تمہارے علم میں آئے بغیر بھی لوگ اس وقت باہر جا سکتے ہیں۔"

"جی نہیں......بل کیپٹن اس وقت کسی کو باہر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا تاوقتیکہ یہ بات میرے علم میں نہ آ جائے۔"

حمید کچھ اور بولنے والا تھا کہ بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ ایک سب انسپکٹر تین کانسٹیبلوں کے ساتھ ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔ معاملہ چونکہ ایک مشہور فلم اسٹار کا تھا اس لئے ذرا ہی سی دیر میں سب انسپکٹر نے سارے ہوٹل کو میدان حشر میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔ مزید کانسٹیبل طلب کر لئے گئے اور باڈی گارڈ کی تلاش میں ہوٹل کا گوشہ گوشہ چھان مارا گیا لیکن وہ کہیں نہ ملا۔

اسی دوران میں سب انسپکٹر کو حمید کے متعلق بھی معلوم ہوا اور وہ اسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے وہ کسی کی جیب کاٹ کر بھاگا ہو۔

''کیوں جناب......!'' اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔ ''اس وقت آپ کے ستاروں کا کیا حال ہے۔''

''بہت شاندار ہیں۔'' حمید نے ایسی سنجیدگی سے کہا جس میں دھمکانے کا انداز تھا۔

''کیا رام گڈھ میں کچھ ایسے آدمی بھی مل سکیں گے، جو آپ کی ضمانت دے سکیں۔''

''کیا مطلب......!''

''مطلب یہ کہ میں آپ کو بعض شبہات کی بناء پر حراست میں بھی لے سکتا ہوں۔''

''آپ تو آسمان میں سوراخ کر سکتے ہیں۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ وہ بھی اب ڈائننگ ہال میں آ گیا تھا۔

''آپ کون ہیں۔'' سب انسپکٹر قاسم کی طرف مڑا وہ قریب ہی کھڑا تھا اور سب انسپکٹر کو اس کی شکل دیکھنے کے لئے اپنا سر کا نچلا حصہ قریب قریب پشت سے لگا دینا پڑا۔

''میں...... میں ہوں۔ آپ ڈاکٹر اوہان کی توہین کر رہے ہیں۔ میں ان کی ضمانت دے سکتا ہوں۔''

''میں نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں۔'' سب انسپکٹر کچھ مرعوب سا ہو گیا تھا۔

''اگر میں خود کو پچوانا چاہوں......!''

''اوہ قاسم صاحب۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''آپ خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔''

آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

''یہاں میری کوئی ضمانت نہیں دے سکے گا۔'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''آپ مجھے یقیناً حراست میں لے لیجئے۔''

دفعتاً قاسم کو یاد آ گیا کہ حمید محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر ہے اور وہ بیساختہ ہنس پڑا پھر بولا۔ ''ضرور حراست میں لے لو یار......مزہ آ جائے گا......''

سب انسپکٹر اُسے متحیرانہ انداز میں دیکھنے لگا۔

کمرے میں دھواں

بعض اوقات اتفاقات بھی آدمی کا بہت ساتھ دیتے ہیں اور کچھ اس طرح اس کے جھوٹ کا بھرم قائم رہتا ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

سب انسپکٹر نے حمید کو گویا باندھ ہی لیا تھا۔ نہ صرف روحی بلکہ ہوٹل کے بہتیرے آدمیوں نے اس کی حرکت کے خلاف احتجاج کیا لیکن سب انسپکٹر اسے کوتوالی ہی لے جانے پر تل گیا تھا۔

تقریباً ساڑھے چار بج گئے تھے۔ رام گڈھ کی پہاڑیاں سکوت میں نہائی ہوئی کھڑی تھیں لیکن سڑکیں اب ویران نہیں تھیں۔ ان پر بار بردار خچر گاڑیوں کی قطاریں نظر آنے لگی تھیں۔ ننداسے گاڑی بان طرح طرح کی آوازیں نکال کر خچروں کو ہانک رہے تھے۔

اچانک پولیس کار ایک خچر سے جا ٹکرائی۔ خود سب انسپکٹر ہی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ شاید وہ ڈرائیونگ کے معاملے میں اناڑی بھی تھا اور محض شوقیہ ڈرائیو کر رہا تھا۔ ڈرائیور اس کے قریب اگلی سیٹ ہی پر موجود تھا۔ اگر فوراً ہی احتیاطی تدابیر نہ اختیار کرتا تو شائد کار خچر گاڑی سے ٹکرانے کے بعد سڑک کی بائیں جانب والی کھڈ میں جا گری ہوتی۔ گاڑی بان کے معمولی چوٹیں آئی تھیں مگر ایک خچر بُری طرح زخمی تھا۔ بہر حال وہ دوبارہ نہیں اٹھ سکا۔

کار میں جتنے بھی آدمی تھے نیچے اتر آئے۔ سب انسپکٹر بُری طرح بدحواس نظر آتا تھا۔

''اسے ہسپتال پہنچانا بھی آپ ہی کے فرائض میں سے ہے۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

سب انسپکٹر خاموش ہی رہا۔ پولیس کی دوسری گاڑی بھی رک گئی تھی۔ زخمی گاڑی بان کو ایک دوسری گاڑی میں ڈال کر ہسپتال بھیج دیا گیا۔ اب ساڑھے پانچ بج گئے تھے اور حمید کو بُری طرح غصہ آنے لگا تھا۔

''آپ لوگوں کو نہ جانے کس مسخرے نے ان عہدوں پر رکھا ہے۔'' حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آپ بیکار باتیں نہ کیجئے۔'' سب انسپکٹر بھی جھلا گیا۔

"ابھی ہوش نہیں آیا۔" حمید سرد لہجے میں بولا۔ "اچھا اب کسی دوسرے حادثے کیلئے تیار ہو جائیے۔ کوتوالی ابھی بہت دور ہے۔"

"آپ خواہ مخواہ اپنی روحانی قوتوں کا رعب ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن پولیس اُسی وقت پیچھا چھوڑتی ہے جب روح سے خالی ہو جائیے۔"

"خیر...... چلئے...... میں دیکھوں گا کہ میری روح میرا جسم چھوڑتی ہے یا آپ کا جسم وردی سے محروم ہوتا ہے۔"

"مجھے زیادہ غصہ نہ دلائیے۔"

"میں آپ کو زیادہ سے زیادہ غصہ دلانے کی کوشش کروں گا۔"

اس جملے سے سب انسپکٹر کی کھوپڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی اور وہ کچھ دیر پہلے کا حادثہ بھی بھول گیا۔ بات ہی ایسی تھی شاید ہی کبھی ایسے بے باک آدمی سے واسطہ پڑا ہو۔ اُسے پولیس کا وقار خطرے میں نظر آنے لگا اور وہ گرج کر بولا۔

"معلوم ہو گیا کہ آپ کے ساتھ شرافت کا برتاؤ فضول ہے۔"

"کیا آپ سے کوئی قانونی فعل سرزد ہوا ہے جس کی مضبوطی کی بناء پر آپ مجھے دھمکا رہے ہیں۔" حمید نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"کیا مطلب......!"

"جس کا معاملہ ہے اس نے مجھ پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا تھا۔" حمید بولا۔

"ایک ضعیف الاعتقاد عورت ہونے کی بناء پر ڈرتی ہے۔"

"اور ایک راسخ الاعتقاد مرد ہونے کی وجہ سے اس بار آپ اس کار کو کسی کھڈ میں گرائیں گے لہٰذا براہِ کرم مجھے کسی دوسری کار میں بٹھا دیجئے۔"

سب انسپکٹر اندھیرے میں اُسے گھورنے لگا لیکن کچھ بولا نہیں۔

کار بدستور چلتی رہی۔ اس بار اُسے سب انسپکٹر خود نہیں ڈرائیو کر رہا تھا۔ کوتوالی پہنچتے پہنچتے چھ بج گئے۔ ادھر سے شائد روحی بار بار یہاں ڈاکٹر اوہان کے لئے فون کرتی رہی تھی۔ کیونکہ وہاں کئی لوگ اس پراسرار آدمی ڈاکٹر اوہان کے منتظر تھے۔ ان میں رام گڈھ کا ایس۔ پی کیپٹن

ماتھر بھی تھا۔ جیسے ہی حمید پر اس کی نظر پڑی اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

اور حمید جلدی سے بولا۔ "آہا...... کپتان صاحب۔ اپنے قدیم خیر خواہ ڈاکٹر اوہان سے ایک بار پھر ملئے۔ لیکن اس بار اس کی حیثیت ایک مجرم کی سی ہے۔"

ماتھر گڑبڑا کر رہ گیا پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔ "اوہان...... پچھلی بار ہم ملے تھے وہاں...... اوہ...... ڈاکٹر...... بیٹھئے بیٹھئے...... روحی تقریباً چار بجے سے مجھے برابر فون کرتی رہی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں نے آپ کو خواہ مخواہ تکلیف دی۔" پھر اس نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اب گھر ہی چلئے۔ آپ بڑے موقعے سے مل گئے۔ میں آج کل شدت سے آپ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

سب انسپکٹر جو حمید کو اپنے ساتھ لایا تھا بہت زیادہ بدحواس نظر آنے لگا تھا۔ لیکن اب حمید نے اسکی طرف دھیان تک نہ دیا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے وہ کوئی بہت ہی کم رتبہ آدمی ہو۔

کیپٹن ماتھر کا بنگلہ کوتوالی کی حدود میں تھا۔ وہ دونوں باہر نکل کر بنگلے کی طرف چل پڑے۔

"کیا چکر ہے میاں حمید۔" ماتھر نے مسکرا کر پوچھا۔

"کوئی خاص چکر نہیں تھا...... مگر اب چکر ہو گیا ہے۔"

"فریدی کہاں ہے۔"

"میں تنہا آیا ہوں۔"

ماتھر اور فریدی طالب علمی کے زمانے میں بھی گہرے دوست اور ہم جماعت تھے۔

"اور میں چھٹی پر ہوں۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

وہ دونوں بنگلے میں پہنچ گئے تھے۔ ماتھر بولا۔ "نام تبدیل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔"

"یونہی تفریحاً...... میں اپنی زندگی کی یکسانیت سے اکتا گیا ہوں حتیٰ کہ مجھے اپنا نام بھی گراں گذرنے لگا ہے۔ میرا بس چلے تو اپنا نام عبدالغفور ہدہد بھائی رکھ لوں۔"

"تم روحی کے پیچھے آئے ہو...... بیکار باتیں نہ کرو۔" ماتھر مسکرایا۔

"روحی سے یہیں دلکشا میں ملاقات ہوئی ہے۔ لیکن اب میں روحی سے زیادہ دلکشا کی عمارت میں دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"کیوں......؟ بیٹھو بیٹھو۔" ماتھر نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"روحی کا باڈی گارڈ پراسرار طور پر غائب ہوگیا۔ حالانکہ اس کے باہر نکل جانے کے امکانات نہیں تھے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ خود ہی ان واقعات کا ذمہ دار ہو۔"

"ہوسکتا ہے مگر ہوٹل سے اس کا غائب ہوجانا کیا معنی رکھتا ہے۔"

"اسے غائب ہوجانے دو۔" ماتھر حمید کی طرف سگریٹ کا ڈبہ بڑھاتا ہوا بولا۔ "میں پہلے چائے پیوں گا ماتھر صاحب! سگریٹ نہیں۔"

"اوہ...... یار معاف کرنا...... ٹھہرو...... میرا خیال ہے کہ دس پندرہ منٹ بعد ہمیں ناشتہ مل جائے گا۔"

"اور آپ کیا کہنے جارہے تھے۔ میرا خیال ہے کوئی اہم بات تھی۔"

"ہاں...... بہت ہی اہم...... مگر فی الحال تم روحی کے چکر میں نہ پڑو تو بتاؤں۔"

"روحی نہیں...... دلکشا کا چکر کہیے۔"

"وہ کچھ بھی ہو...... روحی پر اس سے پہلے بھی کئی بار حملے ہوچکے ہیں اور میں اُسے ذرہ برابر بھی اہمیت نہیں دیتا۔ وہ ایک مشہور فلم اسٹار ہے اس کے حریف بھی ہوسکتے ہیں مگر وہ ان وارداتوں کے سلسلے میں کسی خاص آدمی پر شبہہ نہیں ظاہر کرتی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں کیا ہوسکتا ہے۔"

"خیر...... خیر! آپ اپنی بات کہیے۔"

"یہاں ایک ادارہ ہے جس نے مجھے الجھن میں ڈال رکھا ہے۔ ادارہ کیا...... اس کی ایک شاخ ہے جس کا دعویٰ ہے کہ اس ادارہ کی شاخیں سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ بہرحال یہ ادارہ عجیب ہے اور اس کے اشتہارات عجیب ترین۔ مگر میری چھٹی حس کہتی ہے کہ اس ادارے کے تحت جرائم ہورہے ہیں۔"

"ادارے کی نوعیت۔" حمید نے پوچھا۔

"اوہ...... میں بھی کتنا احمق ہوں گویا ادھار کھائے بیٹھا ہوں۔" ماتھر نے خجالت آمیز

مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "کہ جب بھی تم ملو اس کا تذکرہ لے بیٹھوں۔"

"پرواہ مت کیجیے...... بتائیے تو سہی۔"

"نہیں ناشتے کے بعد اور پھر ہوسکتا ہے کہ میرا شبہہ بے بنیاد ہو۔"

"پھر کیا ناشتے کے انتظار میں ہم خاموش بیٹھے رہیں گے۔"

"نہیں بھئی۔" ماتھر نے ہنس کر کہا۔ "کچھ اور باتیں کرو۔"

"دوسری باتوں میں آج کل صرف روحی میرا موضوع ہے۔"

"مجھے تو نفرت ہے فلم اسٹاروں سے۔"

"نفرت کی وجہ نہیں پوچھوں گا۔ کیونکہ آپ کرنل فریدی کے دوستوں میں سے ہیں۔"

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور ماتھر نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو...... اوہ...... ہاں...... ڈاکٹر اوہاں...... فی الحال میرے مہمان ہیں۔ میں انہیں بہت دنوں سے جانتا ہوں۔ سب انسپکٹر کو اس کا علم نہیں تھا...... سب ٹھیک...... ہاں...... اچھا۔"

ماتھر نے ریسیور حمید کی طرف بڑھادیا۔ دوسری طرف سے بولنے والی روحی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" حمید نے کہا۔ "فی الحال ماتھر کے ساتھ ہوں۔ شاید دس بجے تک میری واپسی ہو...... اچھا...... اچھا...... نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بہت پہلے سے جانتے تھے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ ماتھر صاحب رام گڈھ ہی میں ہیں...... اچھا۔" حمید نے ریسیور رکھ دیا۔

"وہ تم سے بہت زیادہ متاثر معلوم ہوتی ہے۔" ماتھر مسکرا کر بولا۔

"کیوں نہ معلوم ہو...... میرا نام حمید ہے۔"

"مگر ابھی تو تم نے اس نام سے بیزاری ظاہر کی تھی۔" ماتھر نے ہنس کر کہا۔

"میرا نام ڈونگرے کا بال امرت ہے۔"

کچھ دیر بعد چائے آگئی۔ ماتھر کچھ فکرمند سا نظر آنے لگا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"تم روحی کے معاملات میں ضرور ٹانگ اڑاؤ گے۔"

"کیا آپ نہیں چاہتے کہ ایسا ہو۔"

"اس چکر میں پڑنا وقت کی بربادی ہی ہوگی۔ ذرا یہ تو سوچو کہ اس پر آج تک کوئی حملہ کامیاب کیوں نہیں ہوا اور ہر بار تیزاب ہی کا قصہ سننے میں آیا ہے۔ روحی کا بیان ہے کہ وہ سو رہی تھی کسی نے اس پر تیزاب پھینکنے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے بھی دو بار سرا ہے اس کے چہرے پر تیزاب پھینکنے کی کوشش کی گئی تھی۔"

"ہاں...... مجھے معلوم ہے۔"

"میں کہتا ہوں آخر پچھلی رات والی کوشش کیسے ناکام رہی۔ وہ سو رہی تھی۔ اگر جاگ بھی پڑی تھی تب بھی اس کے چہرے پر تیزاب تو ڈالا جاسکتا تھا۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"عنقریب ایکٹرسوں میں مقابلہ حسن ہونے والا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح روحی ججوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کے مقابلہ میں صرف دو ایکٹریسیں آئیں گی اور وہ بھی اس سے کسی طرح کم نہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا گمشدہ باڈی گارڈ دراصل اس کا کزن تھا۔"

"پھر کیوں اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔ مطلب صاف ہے شائد روحی کو بھی اس آخری حرکت کے بعد ہی اس کے غیر فطری ہونے کا احساس ہوگیا تھا۔ اس لئے اُس نے باڈی گارڈ ہی کو بھگا دیا تاکہ اس کی اس مضحکہ خیز حرکت کو حقیقت کا رنگ دے دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ایک معمولی ذہانت کا آدمی بھی ایسی صورت میں یہی سوچے گا کہ باڈی گارڈ کا ہاتھ سازش میں ضرور تھا ورنہ وہ اس طرح بھاگ کیوں جاتا۔"

"یہ سب کچھ ممکن ہے ماتھر صاحب۔"

"پھر......؟"

"پھر کچھ نہیں...... میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ میں روحی سے زیادہ دلکشا عمارت میں دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"اونہہ...... ہوگا یار ختم کرو۔ میں اکتا گیا ہوں ان تذکروں سے...... اب تفریحی باتیں کرو۔ صبح سے شام تک بس وہی جرائم کی باتیں۔ میں بھی اپنی زندگی کی یکسانیت سے تنگ آگیا

ہوں۔"

"آہا...... تو پھر آپ مجھے اُس ادارے کے متعلق بتایئے۔ ہوسکتا ہے اسی میں کوئی تفریحی پہلو نکل آئے۔"

"تم نہیں باز آؤ گے۔"

"آپ کو مجھ سے تذکرہ ہی نہ کرنا چاہئے تھا۔"

"تم اپنی شادی کب کر رہے ہو۔" ماتھر نے پوچھا۔

"مرنے سے صرف ایک گھنٹہ قبل تاکہ قبر میں اولاد کا سکھ نصیب ہو۔ بات اڑانے کی کوشش نہ کیجئے۔ مجھے اس ادارہ کے متعلق بتایئے۔"

"بھئی ہوسکتا ہے میں اس سلسلے میں غلطی پر ہوں۔"

"خیر میں سمجھا۔" حمید نے ایک طویل سانس لی اور پھر کہا۔ "آپ مطمئن رہئے۔ میں اب نہیں پوچھوں گا۔ ویسے میں اتنا احمق بھی نہیں کہ آپ کے معاملات میں خواہ مخواہ دخل دوں۔"

"تم غلط سمجھے۔ خیر سنو۔ یہاں ایک ادارہ ہے جو خود کو روابط عامہ کا ادارہ کہتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس کی شاخیں سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ٹھہرو...... میں تمہیں اس کا ایک کاروباری اشتہار دکھاتا ہوں۔ اس سے سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔"

ماتھر نے اٹھ کر ایک میز کی دراز کھولی اور اس میں سے ایک اشتہار نکال کر حمید کے سامنے پھیلا دیا۔

جلی حروف میں سرخی تھی۔

"دشمن کو زیر کرنے کے لئے ہماری خدمات حاصل کیجئے۔"

"خوب......!" حمید سر ہلا کر بولا اور نیچے کا مضمون پڑھنے لگا۔

"اگر آپ اپنے کسی دشمن سے تنگ آگئے ہوں اور اس کا کچھ بگاڑ بھی نہ سکتے ہوں تو ہم سے رجوع کیجئے۔ ہم مناسب معاوضے پر آپ کی طرف سے نپٹ لیں گے اور آپ قانون یا اخلاقی نقطہ نظر سے مورد الزام بھی نہیں ہوں گے۔ تفصیل کے لئے ہمارا مطبوعہ طریق کار مفت طلب فرمایئے۔"

"کیا مسخرہ پن ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"مگر اس کا دفتر بڑا شاندار ہے۔ تقریباً تیس یا چالیس کلرک کام کرتے ہیں۔"

"محض بکواس ہے۔"

"پھر بھی۔"

"اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ہم وہ نفسیاتی طریقے اختیار کرتے ہیں کہ دشمن اپنی دشمنی بھول جاتا ہے۔ مصالحت کے لئے خود ہی ہاتھ بڑھاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"اب تک کوئی ایسا ملا بھی جس کا کوئی دشمن زیر ہوا ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں شروع میں میں نے تفتیش کرائی تھی۔ نتیجے کے طور پر تین ایسے آدمی ملے جنہوں نے اس ادارے کی خدمات حاصل کی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس ادارہ کا دعویٰ غلط نہیں ہے۔ ان کے دشمن اب غلام بے دام ہیں۔ انہوں نے ان تینوں دشمنوں کے پتے بھی بتائے۔ ان دشمنوں میں ایک سب انسپکٹر پولیس بھی نکلا۔ میں نے اس سلسلے میں اُس سے سوالات کئے اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس نے ایک ایسے شخص کو معاف کر دیا جس نے اس کی بھانجی کو اغواء کیا تھا۔ سب انسپکٹر کو اس کا بھی علم ہے کہ اس نے اس کے خیالات بدلنے کیلئے ادارہ کی خدمات حاصل کی تھیں۔ بہر حال اب وہ بھی اس ادارہ کی کارکردگی کا مداح ہے۔ وہاں کوئی شخص ہے ڈاکٹر سلمان...... اسی نے سب انسپکٹر کے خیالات بدلے تھے۔ اس کے متعلق سنا جاتا ہے کہ وہ ماہر نفسیات ہے۔"

ماتھر خاموش ہو گیا۔ پھر حمید بولا۔ "کیا اس ادارہ کا وجود غیر قانونی ہے۔"

"قطعی نہیں۔"

"پھر آپ کو کیوں پریشانی ہے۔"

"مجھے پریشانی نہیں ہے۔ لیکن مجھے یہ ادارہ بُری طرح کھٹکتا ہے اور ذہن اس کے فراڈ ہونے میں کوئی شبہ نہیں رکھتا۔"

"بعض اوقات ہماری چھٹی حس ہمیں دھوکا بھی دے جاتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"بھئی ختم کرو یہ تذکرہ، مجھے وحشت ہوتی ہے۔ میں صرف آفس ہی میں سپرنٹنڈنٹ ہوتا ہوں۔"

"تو پھر آیئے...... روحی کی باتیں کریں۔"

"نہیں...... مجھے فریدی کے متعلق کچھ بتاؤ۔ میں نے اُسے کافی عرصہ سے نہیں دیکھا۔"

"فریدی صاحب کا یہ حال ہے کہ پاس پڑوس میں ایک بھی عورت نہیں دکھائی دیتی۔ لوگوں نے اپنی بیویوں کو وہاں سے ہٹا دیا ہے۔"

"کیا مطلب......!"

"محض اس خیال سے کہ فریدی صاحب کی دل آزاری نہ ہو۔ ہمارے پڑوسی نہایت شریف ہیں۔"

"اوہ......!" ماتھر ہنسنے لگا۔ "اب غالباً حمید بول رہا ہے۔ کیوں بھئی...... یہ دل آزاری کس قسم کی ہے۔ میں بالکل نہیں سمجھا۔"

"عورتوں کو دیکھ کر ان کی دل آزاری ہوتی ہے۔ ان کا بس چلے تو شہر کی ساری عورتوں کے لئے ایک بہت بڑا کانجی ہاؤس بنوا دیں۔"

ماتھر پھر ہنسنے لگا اور کچھ دیر بعد بولا۔ "تمہاری کیسی نبھ رہی ہے۔"

"ہا...... ماتھر صاحب۔ آپ تو ایسے انداز میں پوچھ رہے ہیں جیسے فریدی صاحب میرے شوہر ہوں۔"

"ہمیشہ الٹی کھوپڑی والی باتیں کرتے ہو۔"

قبل اسکے کہ حمید کچھ کہتا فون کی گھنٹی بجی۔ ماتھر نے ریسیور اٹھا کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

دوسری طرف سے قاسم چیخ رہا تھا۔ "ڈاکٹر اوہان...... ڈاکٹر اوہان۔"

"ہاں جناب ڈاکٹر اوہان بول رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"ابے ڈاکٹر اوہان...... تمہارے کمرے میں دھواں بھرا ہوا ہے۔ اب دروازہ توڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"

"کیوں؟ وہاں باہر ہک پر کنجی موجود ہوگی۔"

"نہیں...... وہ بھی غائب ہو گئی ہے۔ تم جلدی آؤ...... روحی صاحبہ بھی یہی کہہ رہی ہیں۔"

"اچھا میں آ رہا ہوں۔" حمید نے کہا اور ریسیور کریڈل میں ڈال دیا۔

پھر اس نے بہت جلدی میں یہ اطلاع ماتھر کو دی اور وہاں سے ہوٹل دلکشا کیلئے روانہ ہو گیا۔

کمرہ خالی کرو

حمید اس وقت وہاں پہنچا جب اس کا کمرہ ایک اچھے خاصے کباڑ خانے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ دروازے توڑ دیئے گئے تھے لیکن وہاں اسے اپنی ایک بھی چیز ایسی نہ ملی جو کسی طرح بھی ضائع ہوئی ہو۔ البتہ کمرے میں بدنظمی اور بے ترتیبی ضرور نظر آ رہی تھی۔

دروازے پر قاسم کسی خون خوار چوکیدار کی طرح جما کھڑا تھا۔

''ڈاکٹر اوہان......گھپلا......'' قاسم نے اپنے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

''دھوئیں کا علم کیونکر ہوا تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''ارے پورے کمرے میں گہرا دھواں بھرا ہوا تھا......اوپر روشندان سے نکل رہا تھا۔''

''مگر یہاں کوئی چیز ضائع نہیں ہوئی حتیٰ کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں آگ بھی رہی ہے۔''

''تب پھر میں ہی دھواں چھوڑ رہا ہوں گا۔'' قاسم نے بُرا مان کر کہا۔

اتنے میں روحی آ گئی۔

''یہاں بڑی عجیب باتیں ہو رہی ہیں ڈاکٹر۔'' اس نے کہا۔ ''میں نے بھی روشندان سے دھوئیں کے بادل نکلتے دیکھے تھے لیکن جب دروازہ توڑا گیا تو اندر صرف دھواں ہی دھواں تھا۔ آگ کا نشان بھی نہیں تھا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔

''کیا آپ مجھ سے خفا ہیں۔'' روحی نے اس کے قریب آ کر پوچھا۔

''میں آپ کو نہیں پہچانتا۔'' حمید نے بے رخی سے کہا اور زینوں کی طرف مڑ گیا۔

ڈائننگ ہال میں پہنچ کر اس نے ایک ویٹر سے منیجر کے متعلق پوچھا۔

منیجر اپنے کمرے میں موجود تھا۔ حمید سیدھا وہیں چلا گیا۔

''اوہ......ڈاکٹر صاحب۔'' منیجر اٹھتا ہوا بولا۔ ''جناب......میں تو پاگل ہو جاؤں گا۔ خدارا مجھے معاف کر دیجئے۔ پچھلی رات میں نے آپ کی شان میں گستاخیاں کی تھیں۔''

''کمرے کا دروازہ کس کی اجازت سے توڑا گیا ہے۔''

''اوہ دیکھئے......ایسی صورت میں جب کہ دروازہ کھولنے کے سارے ذرائع ختم ہو چکے تھے میں کیا کرتا۔ مگر......میں پاگل ہو جاؤں گا۔ وہاں آگ تو تھی ہی نہیں......صرف دھواں تھا۔''

''اگر میری کوئی چیز ضائع ہوئی ہوگی تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟''

''ارے صاحب کوئی کمرے کے اندر قدم ہی نہیں رکھ سکا۔ وہ دیوزاد دروازے پر اڑ گیا تھا۔ مجھے بڑی تشویش تھی جناب! وہ لوگ آپ کو کوتوالی لے گئے تھے۔ پولیس والے دوسروں کی پوزیشن کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں رکھتے۔''

''آپ مطمئن رہیئے جناب......میری پوزیشن مضبوط اور محفوظ ہے۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

''لیکن جناب......اگر آپ اجازت دیں......!'' منیجر خاموش ہو گیا۔

حمید خاموشی سے مستفسرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو ایک درخواست کروں۔''

''کیا بات ہے۔''

''اگر آپ یہاں سے کہیں اور تشریف لے جائیں تو میں زندگی بھر احسان مانوں گا۔''

''کیا بکواس ہے۔'' حمید بگڑ گیا۔

''میرا بزنس تباہ ہو جائے گا جناب۔'' منیجر گڑگڑایا۔

''کیوں......!''

''دوسروں کا خیال ہے کہ آپ کے ساتھ کوئی شیطانی طاقت ہے۔''

حمید ہنسنے لگا۔ پھر اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے۔''

''مم......میرا......پھر بتایئے آپ کے کمرے میں وہ دھواں کیسا تھا۔''

''آپ مجھے یہ بتایئے کہ روحی کا باڈی گارڈ کہاں گیا۔''

''جہنم میں۔'' منیجر دفعتاً جھلا کر کھڑا ہوگیا۔ ''آپ کو کمرہ چھوڑنا پڑے گا...... آج اور ابھی...... میں بہت خراب آدمی ہوں۔''

''صورت ہی سے ظاہر ہے۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''لیکن کمرہ تمہارے فرشتے بھی نہیں خالی کراسکتے اور پچھلی رات تم نے مجھے عشق کی جو داستان سنائی تھی بالکل بنڈل تھی۔ تم روزانہ زندگی میں خود کو بیوقوف ظاہر کرنا چاہتے ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ تم انتہائی خطرناک آدمی ہو۔''

''ہاں میں خطرناک بھی ہوسکتا ہوں۔'' منیجر اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ چند لمحے اپنی چکنی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرتا رہا پھر کہنے لگا۔ ''میں اس کے لئے پولیس کی مدد نہیں طلب کروں گا۔ لیکن تمہیں یہاں سے جانا پڑے گا۔''

''تم اسی طرح رو رو کر کہتے رہو۔ ہوسکتا ہے مجھے تم پر رحم آ ہی جائے۔'' حمید نے مسکرا کر کہا اور کمرے سے نکل آیا۔

ڈائننگ ہال سے گذر کر وہ زینوں کی طرف جا ہی رہا تھا کہ کاؤنٹر کلرک نے اسے رکنے کا اشارہ کر کے کہا۔ ''آپ کی کال تھی جناب میں نے ان صاحب کے نمبر لکھ لئے ہیں۔ کوئی ضروری معاملہ تھا۔'' حمید نے اس کے بتائے ہوئے نمبروں پر رنگ کیا۔ دوسری طرف سے ایس۔ پی ماتھر کی آواز آئی۔ وہ اس سے اس کے کمرے کی آگ کے متعلق پوچھ رہا تھا۔

''حیرت انگیز......!'' حمید نے جواب دیا۔ ''لوگوں کا بیان ہے کہ کمرہ دھوئیں سے بھرا ہوا تھا لیکن وہاں آگ کا نشان تک نہیں ملا۔ ساری چیزیں بے ترتیبی سے بکھری پڑی ہیں۔ کسی نے میرے سامان کی تلاشی لی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی چیز ضائع نہیں ہوئی۔''

''اچھا میں آرہا ہوں۔''

''ضروری نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''مطلب یہ کہ جو کچھ آپ نے کہا ہے اُسے میں ضروری نہیں سمجھتا۔''

''اوہ...... سمجھا...... خیر...... اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو مجھے مطلع کرنا۔''

''بہتر ہے...... شکریہ۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوجانے پر حمید نے ریسیور رکھ دیا۔

اور پھر جب وہ اوپر جانے کے لئے زینے طے کر رہا تھا اس نے اپنے عقب میں قدموں کی آوازیں سنیں اور پھر دو آدمی اس کے ساتھ ہی ساتھ زینے طے کرنے لگے۔ حمید ان کے درمیان میں تھا۔

''آپ ابھی کمرہ خالی کریں گے۔'' ایک نے کہا۔

''نہیں تو بے عزتی ہوگی۔'' دوسرا بولا۔ لیکن حمید چپ چاپ زینے طے کرتا رہا۔

وہ اوپر پہنچ گئے۔ قاسم اب بھی کمرے کے سامنے موجود تھا اور خلاف توقع بہت اچھے موڈ میں نظر آرہا تھا۔ شاید روحی نے دیر تک اس سے گفتگو کی تھی۔

ان دونوں آدمیوں میں سے ایک نے پھر کہا۔ ''کمرہ ابھی خالی ہونا چاہئے ورنہ ہم سامان نکال کر باہر پھینک دیں گے۔''

''کیا......؟'' قاسم آنکھیں نکال کر دہاڑا۔

''یہ مجھے اس کمرے سے نکالنے آئے ہیں۔ منیجر کے غنڈے ہیں۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

''آپ زبان سنبھال کر بات کیجئے۔'' دوسرے نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''ہائیں! تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''کمرہ خالی کرنا پڑے گا۔''

''ابے جاؤ...... تمہارے باپ بھی خالی نہیں کراسکتے۔'' قاسم نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔

دونوں نے ایک ساتھ قاسم پر حملہ کر دیا۔ قاسم کے ہاتھی جیسے ڈیل پر دو چار گھونسے پڑے اور پھر وہ کسی ہاتھی ہی کی طرح بے زنجیر ہوگیا۔ اُس نے ان دونوں کی گردنیں دبوچیں اور اس طرح ان کے سر ٹکرانے لگا جیسے وہ آدمی نہیں مٹی کے کھلونے ہوں۔ وہ اس کی گرفت سے نکلنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے لیکن یہ آسان کام نہیں تھا۔ ان کی گردنیں ایک ایسے آدمی کے ہاتھوں

میں تھیں جو لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں موڑ دیتا تھا۔ موٹر سائیکل کو سوار سمیت اٹھا کر سڑک کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر رکھ دیتا تھا۔

شور سن کر لوگ اپنے کمروں سے نکل آئے۔ ان میں روحی بھی تھی اور حمید چپ چاپ کھڑا نہایت سنجیدگی سے ان دونوں کی بے بسی کا منظر دیکھ رہا تھا۔

قاسم انہیں گھسیٹتا ہوا زینے کی طرف لے گیا اور دھکا دیتا ہوا بولا۔ ”جاؤ اس سالے سے کہہ دینا کہ کمرہ خالی کرانے کے لئے کم از کم پچاس آدمی بھیجے۔“

ادھر حمید بلند آواز میں بڑبڑا رہا تھا۔ ”یہ ہوٹل بدمعاشوں کا مرکز ہے۔ یہاں شریفوں کی عزت کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ وہ مجھ سے اس طرح کمرہ خالی کرانا چاہتا ہے۔“

”کیا بات ہے ڈاکٹر صاحب۔“ روحی نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

”منیجر......کہتا ہے کہ میں کمرہ خالی کردوں۔ کیونکہ میرے قبضے میں شیطانی قوتیں ہیں۔ میں بھوت ہوں اس کے دوسرے گاہکوں سے چمٹ جاؤں گا۔“

”یہ تو بیہودگی ہے۔“ روحی نے کہا۔

”اس نے یہ دو غنڈے بھیجے تھے جنہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میرا سامان کمرے سے نکال کر باہر پھینک دیا جائے گا۔“

”یہ بڑا کمینہ پن ہے۔“ روحی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ایک لحظہ خاموش رہی پھر بولی۔ ”پھر آپ کا کیا ارادہ ہے......ذرا ادھر آیئے......میرے ساتھ۔“

حمید قاسم کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کرتا ہوا روحی کے ساتھ اس کے کمرے میں چلا گیا۔

”ان حالات میں۔“ روحی نے آہستہ سے کہا۔ ”یہاں آپ کا قیام کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔“

”پھر......کیا آپ بھی یہی چاہتی ہیں کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔“ حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”صرف آپ ہی نہیں بلکہ میں بھی، اس سلسلے میں ایک تجویز پیش کرنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ مجھ سے اتفاق کریں۔“

”کیا تجویز ہے۔“

”ہم لوگ جہاں بھی رہیں اکٹھے رہیں۔“

”کیوں......؟“

”اس سوال کا جواب دے سکتی ہوں لیکن ممکن ہے آپ اسے اپنی توہین خیال کریں۔“

”میں بہت جلدی میں ہوں۔ اگر آپ کم سے کم الفاظ میں مفہوم سمجھا دیں تو بہتر ہے۔“

”نہ جانے کیوں! میں محسوس کرتی ہوں کہ آپ کی موجودگی میں مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ یہاں رام گڈھ میں میری کوٹھی بھی موجود ہے اور میں ہر سال گرمیاں یہیں گذارتی ہوں۔“

”کوٹھی کرائے پر اٹھا دی ہوگی۔“

”اس کے صرف دو کمرے کرائے پر دیئے گئے ہیں۔ چھ کمرے میں اپنے لئے خالی رکھتی ہوں۔“

”پھر یہاں دلکشا ہوٹل میں قیام کرنے کی کیا وجہ تھی۔“ حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

”اس کی وجہ محض خوف سمجھ لیجئے۔ خیال تھا کہ ممکن ہے ہوٹل میں محفوظ رہ سکوں۔ لیکن یہ تو آپ نے دیکھ ہی لیا کہ میرے دشمن کتنے دلیر ہیں۔“

”ہاں......آں......اچھا فی الحال مجھے اجازت دیجئے۔ میں سوچوں گا......اس موضوع پر۔ ویسے یہ بھی میرے لئے بڑی توہین کی بات ہوگی کہ منیجر کے غنڈوں سے مرعوب ہو کر یہاں سے چلا جاؤں۔ جب کہ میری اتنی زندگی ہی کشت وخون میں گذری ہے۔“

”کشت وخون۔“ روحی نے حیرت سے دہرایا۔

”اوہ......ہاں۔“ حمید فوراً سنبھل گیا۔ ”میری زندگی کا بیشتر حصہ افریقہ کی نیم وحشی اقوام میں گذرا ہے۔ میں ایسی جگہوں پر بھی رہا ہوں جہاں دوسرے منٹ کے لئے یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ خیریت سے گذرے گا۔“

حمید نے شاید ابھی اپنی بات ختم نہیں کی تھی کہ راہداری سے شور کی آواز آئی۔ وہ جھپٹ کر باہر نکلا۔

اس بار ان غنڈوں کی تعداد پانچ تھی اور وہ بیک وقت قاسم پر ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ لوگ جو

کچھ دیر قبل تماشائیوں کی حیثیت میں وہاں اکٹھے ہوگئے تھے ان میں سے ایک بھی راہداری میں
نہیں دکھائی دیا۔ وہ سب خائف ہوکر اپنے کمروں میں جا گھسے تھے۔

قاسم پر دھڑا دھڑ گھونسے پڑ رہے تھے۔ لیکن اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے
کچھ معصوم بچے اس سے خوش فعلیاں کر رہے تھے۔

حمید کے وہاں پہنچتے ہی اچانک ایک نے بڑا سا چاقو نکال لیا لیکن جیسے ہی اس نے قاسم پر
حملہ کیا حمید نے اس کا اٹھا ہوا ہاتھ پکڑ کر اُسے پیچھے کھینچ لیا اور ناک پر پڑنے والے بھرپور گھونسے
نے تو اسے تحت الثریٰ کی سیر کرادی۔

ذرا ہی سی دیر میں دو وہیں بیہوش پڑے تھے اور تین بھاگ نکلے تھے۔

''میں اب یہاں ......نہیں رہوں گا۔'' قاسم ہانپتا ہوا بولا۔

''کیوں......؟'' حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

''وہ ادھر والی سالیاں۔'' قاسم نے ایک طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''مجھے دیکھ کر اس طرح
ہنستی ہیں جیسے میں اُلو کا پٹھا ہوں۔''

حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ وہ تو سمجھا تھا کہ شاید قاسم ان ہنگاموں سے ڈر گیا ہے۔
لیکن اب اسے کیا کہا جائے کہ ہنگامے کے دوران میں بھی اسے وہ لڑکیاں یاد تھیں، جو اُسے دیکھ
کر بیوقوف بنانے والے انداز میں ہنسا کرتی تھیں۔

''ہم یہاں نہیں رہیں گے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

روحی پھر اس کے پاس پہنچ گئی۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

اچانک زینوں سے بھاری قدموں کی آوازیں آنے لگیں اور دوسرے ہی لمحے میں منیجر دو
ڈیوٹی کانسٹیبلوں کے ساتھ دکھائی دیا۔

''آؤ......آؤ......بیٹا منیجر صاحب۔'' قاسم اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر بولا۔

''دیکھا آپ نے۔'' منیجر کانسٹیبلوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ''ایسے خطرناک ہیں یہ لوگ اور یہ
دونوں بیچارے جو بیہوش پڑے ہیں پتہ نہیں کون ہیں۔''

''ایک تمہارا خالو ہے اور دوسرا میرا بھتیجا ہے۔'' قاسم نے کانسٹیبلوں کو آنکھ مارنے کی

کوشش کرتے ہوئے کہا لیکن کانسٹیبل روحی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے بیہوش آدمیوں
کی طرف دھیان بھی نہ دیا۔ آج انہیں اس ایکٹریس کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا جسے انہوں
نے بار بار پردہ سیمیں پر دیکھا تھا۔

''یہ دونوں کمبخت......!'' روحی نے بیہوش غنڈوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''اپنے کئی
آدمیوں سمیت یہاں گھس آئے تھے اور مجھے پریشان کر رہے تھے۔ اگر یہ شریف آدمی نہ ہوتے۔''

''پپ...... پریشان کر رہے تھے۔'' ایک کانسٹیبل نے احمقوں کی طرح دہرایا۔

''ہاں......ان شریف آدمیوں نے انہیں منع کیا اور بات بڑھ گئی۔

''ارے......جان سے مار دینا تھا سالوں کو۔'' دوسرے کانسٹیبل نے کہا۔

منیجر بوکھلا گیا۔ وہ شائد انہیں حمید اور قاسم کی زیادتیاں دکھانے کے لئے لایا تھا۔ بہرحال
اس نے اس بات کا اعتراف نہیں کیا کہ وہ غنڈے اسی کے بھیجے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں
پہچاننے سے بھی انکار کردیا۔

''بہرحال یہ ہوٹل شریفوں کے رہنے کی جگہ نہیں۔'' روحی منیجر کو گھورتی ہوئی بولی۔ ''ہم لوگ
ابھی یہاں سے چلے جائیں گے۔''

''مگر جانے سے پہلے۔'' قاسم منیجر کو گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔ ''تم سے اپنے وہ دس ہزار روپے
وصول کرلیں گے۔ کیوں ڈاکٹر صاحب......؟ جو اس کمرے کا دروازہ توڑ کر نکالے گئے ہیں۔''

''یہ جھوٹ ہے۔'' منیجر گڑبڑا کر بولا۔

''میری عدم موجودگی میں دروازہ کیوں توڑا گیا۔'' حمید دہاڑ کر بولا۔

''دھواں......!''

''اگر کوئی چیز ہو تو مجھے دکھاؤ......کہاں کا دھواں......کیسا دھواں۔ میری بعض قیمتی چیزیں
غائب ہوگئیں۔''

''اور دس ہزار کے نوٹ......!'' قاسم نے گرہ لگائی۔

''میں تمہاری اس حرکت کے خلاف رپورٹ درج کرانے جا رہا ہوں۔'' حمید نے غصیلے
لہجے میں کہا۔

"کیا قصہ ہے جناب۔" ایک کانسٹیبل نے پوچھا۔

"انہوں نے میری عدم موجودگی میں میرے کمرے کے دروازے توڑ دیئے۔"

"سینکڑوں آدمیوں نے اندر دھواں دیکھا تھا۔" منیجر نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"ذرا آپ لوگ بھی دیکھ لیجئے۔" حمید نے کانسٹیبلوں سے کہا۔ "کیا اس کمرے میں آگ لگی تھی۔"

کانسٹیبل اس کے دوبارہ کہنے پر کمرے کے اندر چلے گئے اور جلد ہی باہر نکل آئے۔

"کیا خیال ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"آگ کا تو نشان بھی نہیں ہے۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی تھی۔" حمید نے منیجر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں سینکڑوں آدمی موجود تھے۔"

"ختم کیجئے ڈاکٹر صاحب۔" روحی آگے بڑھ کر بولی۔ "ہمیں یہاں سے چلا جانا چاہئے۔"

"پولیس کو باقاعدہ اطلاع دیئے بغیر نہیں جائیں گے۔"

کانسٹیبلوں نے اس رائے سے اتفاق کیا اور منیجر ہکلا ہکلا کر حمید کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

دونوں بیہوش غنڈے ہوش میں آ گئے تھے۔

"کہاں چلے بے تم دونوں۔" قاسم انہیں کھسکنے کا ارادہ کرتے ہوئے دیکھ کر دہاڑا۔

"جانے دو۔" حمید نے کہا۔ "وہ اس کا اعتراف ہی نہ کریں گے کہ انہیں منیجر نے بھیجا تھا۔"

"آپ خواہ مخواہ اتہام لگا رہے ہیں۔" منیجر بولا۔

"یہ ہمارے ساتھ جائیں گے۔" ایک کانسٹیبل نے کہا۔ "آپ تھانے میں رپورٹ کر دیجئے۔"

پھر اس نے اس انداز میں روحی کی طرف دیکھا جیسے کوئی کتا کسی چوہے کا شکار کرنے کے بعد اپنے مالک سے داد طلب کرے۔

قاسم کا اغوا

روحی کی کوٹھی بڑی شاندار تھی۔ حمید اور قاسم دونوں اپنے سامان سمیت اس کے ساتھ یہیں آ گئے تھے۔ قاسم بہت خوش تھا اور اس کا خیال تھا کہ اب اس کی محنت وصول ہوئی ہے۔ خوشی اس بات کی نہیں تھی کہ روحی جیسی مشہور اداکارہ کے ساتھ اس کا قیام تھا بلکہ اس اتفاق پر سرور تھا کہ روحی کی کرایہ دار ایک لحیم شحیم عورت تھی۔ کوٹھی کے دو کمرے اس کے تصرف میں تھے۔ لیکن وہ اس طرح ان میں آ کر گھل مل بیٹھی جیسے وہ روحی کے خاندان کی ایک فرد ہو۔

اس کا نام نوشابہ تھا۔ رام گڈھ کے ایک گرلز ہائی سکول میں ہیڈ مسٹریس تھی لیکن اس کی طالبات اسے عموماً ہیڈ مونسٹریس کہتی تھیں۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ جسم کی بناوٹ ایسی تھی جسے قاسم کے علاوہ شاید ہی کوئی پسند کر سکتا۔ اس کا چہرہ اس کے جسم میں صرف ایک اضافہ معلوم ہوتا تھا اور کچھ نہیں۔ ناک واضح ترین تھی اور نچلا ہونٹ اپنے پھیلاؤ کی بناء پر نہ جانے کیوں کسی اداس خچر کا تصور پیش کرتا تھا۔ حالانکہ نوشابہ کے متعلق یہ سوچا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ کبھی اداس بھی ہوتی ہوگی۔ اس میں سب سے زیادہ نمایاں چیز اس کی آواز تھی۔ آواز یقیناً ایسی تھی کہ حمید اس کی شکل دیکھے بغیر ہی اس پر بھی فریفتہ ہو جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ مگر جب وہ سامنے آئی تو حمید کے بجائے قاسم کی باچھیں کھل گئیں اور اس نے حمید کو الگ لے جا کر کہا۔

"دیکھو حمید بھائی! میں تمہاری عزت کروں گا اور تم میری عزت کرنا۔"

"لیکن ......ڈفر......تم حماقتوں پر نہیں اتر آؤ گے۔" حمید بولا۔

"کیسی حماقتیں۔"

"تم اپنا مداری پن نہیں دکھاؤ گے۔"

"ارے......وہ......تو......میں روحی کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں منہ سے لوہے کے گولے نکال سکتا تھا۔ سلاخیں موڑ سکتا ہوں۔ پیٹ پر پتھر تڑوا سکتا ہوں۔"

"تم گدھے ہو۔"

"اگر تم بھی جملہ کسی دوسرے کے سامنے دہراؤ گے تو میں تمہاری گردن مروڑ دوں گا۔ حمید بھائی...... ہاں۔"

حمید نے بات آگے نہیں بڑھائی۔ اس پر سراغ رسانی کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ فریدی کی موجودگی میں شاید وہ اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کرتا لیکن اس کے کمرے میں دھوئیں والی روایت روحی پر ہونے والے حملے سے زیادہ سنسنی خیز تھی۔ کیا دلکشا کا منیجر ہی اس کا ذمہ دار تھا۔ اسے قاسم کی بوکھلاہٹ بھی یاد تھی جب اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی غائب ہو جانے کا تذکرہ کیا تھا۔ ٹھیک اسی وقت روحی پر حملہ بھی ہوا تھا لیکن اب وہ روحی کے معاملے کو اس کی گفتگو کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا، جو اس کے اور ماتھر کے درمیان میں ہوئی تھی۔ ماتھر کا خیال ہے کہ ان حملوں کی ذمہ دار خود روحی ہے۔

پہلے تو حمید اسے واقعات کا صرف ایک امکانی پہلو سمجھا تھا مگر اب اسے روحی کا رویہ یاد آ رہا تھا۔ ان حالات میں اس کا رویہ یقینی طور پر قطعی خلاف فطرت تھا۔ یعنی اسے اپنے چچا زاد بھائی اور باڈی گارڈ کی اچانک گمشدگی پر ذرہ برابر بھی تشویش نہیں تھی۔ اس کے دو ہی معنی ہو سکتے تھے یا تو باڈی گارڈ ہی اس حملے کا ذمہ دار تھا یا پھر روحی نے سچ مچ کسی قسم کا ڈھونگ رچا رکھا تھا۔

حمید سوچتا رہا لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔

ویسے شام کی چائے پر اس نے ایک بار پھر وہی تذکرے چھیڑ دیئے۔

"جی ہاں۔" روحی بولی۔ "میرے لئے یہ بہت مشکل ہے کہ میں کسی خاص آدمی کے خلاف اپنا شبہ ظاہر کروں۔ ویسے میرا چہرہ بگاڑ دینے کی کوشش کئی بار کی جا چکی ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ آپ اس سلسلے میں کسی خاص آدمی کا نام نہیں بتا سکتیں۔"

"ناممکن ہے...... جب تک شبہات حقیقت کی سرحدوں کو نہ چھونے لگیں میں کسی کا بھی نام نہیں لے سکتی۔ آپ سمجھتے ہیں نا میرا مطلب۔"

"جی ہاں...... میں سمجھتا ہوں۔" حمید نے کہا اور پھر ایک لحظہ خاموش رہ کر بولا۔

"آپ کو اپنے باڈی گارڈ کی گمشدگی پر تشویش نہیں ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مجھے تشویش نہیں ہے۔ لیکن میں تشویش کر کے کروں گی کیا۔"

"آہا...... تب تو یہ حرکت اسی کی ہو گی۔"

"میں وثوق کے ساتھ یہ بھی نہیں کہہ سکتی۔"

"آپ مجھے اپنے ساتھ کیوں لائی ہیں۔"

"اس سوال کا جواب مشکل ہے۔" روحی مسکرا کر بولی۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ میری ہی طرح آپ بھی کچھ نامعلوم دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔"

"نہیں میرے دشمن ایسے نہیں جنہیں نامعلوم کہا جا سکے۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"وہ غنڈے منیجر ہی کے بھیجے ہوئے تھے لیکن یہ تو بتائیے کہ سارا الزام آپ نے اپنے سر کیوں لے لیا تھا۔"

"یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں جس کے لئے آپ الجھن میں مبتلا ہوں۔"

"ارے...... ہپ......!" قاسم کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

اس کے بعد چائے خاموشی ہی سے ختم ہوگئی۔ پھر جب وہ باہر پائیں باغ میں آئے تو وہاں نوشابہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ پہلے وہ انہیں دیکھ کر ہنسی اور پھر الفاظ کا بحر ذخار موجیں مارنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بیک وقت کئی عورتیں بول رہی ہوں۔ گفتگو کے ساتھ ہی ساتھ وہ ہنسنے کی بھی عادی تھی اس طرح باتیں کرتے وقت کئی قسم کی آوازوں کا احساس ہوتا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ قاسم اور نوشابہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے خود کو پوز کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

نوشابہ میں اس کی صلاحیت تھی لیکن قاسم...... وہ حد درجہ مضحکہ خیز نظر آنے لگا تھا۔ پہلے اس نے فوجیوں کے سے انداز میں کھڑے ہونے کی کوشش کی پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ خود بھی کوئی خامی محسوس کر رہا ہو۔

ان کا تعارف تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ لیکن ان دونوں نے براہِ راست ایک بار بھی گفتگو نہیں کی تھی۔

نوشابہ بے تحاشہ باتیں کر رہی تھی۔ رام گڈھ کے موسم کی باتیں۔ بہار میں پھولنے والے درختوں کی باتیں، درختوں سے جست لگا کر دنیا کے جغرافیہ کی باتیں پھر وہ جغرافیہ سے بیک وقت محکمہ تعلیم کی نالائقیوں پر اتر آئی...... بہرحال یہ گفتگو اس کے اپنے موٹاپے کی پیدا کردہ

مصیبتوں پر ختم ہوگئی۔

''ہی ہی......!'' دفعتاً قاسم ہنسا۔ ''موٹا ہونا تو بڑی......اچھی بات ہے۔''

''کیا اچھی بات ہے......آدمی کسی کام کا نہیں رہتا۔'' نوشابہ نے کہا۔

''واہ رہتا کیوں نہیں......کیا میں کسی سے کم موٹا ہوں۔ لیکن میں کیا نہیں کرسکتا۔ لو ہے
موٹی موٹی......اُوپ......!''

دفعتاً اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اسے یاد آ گیا تھا کہ حمید نے اُسے اپنے مداری
کے اظہار سے باز رہنے کی تاکید کی تھی۔

''ہوگا جناب......آپ کرسکتے ہوں گے۔ لیکن مجھ سے کچھ نہیں ہوسکتا۔''

''ہی......ہی......ہی......!'' قاسم احمقوں کی طرح ہنس کر خاموش ہوگیا۔

حمید اور روحی خاموش تھے۔

سورج دور کی پہاڑیوں میں غروب ہورہا تھا اور رات سکوت کے پرچم اڑاتی ہوئی مغرب
افق میں پرواز کررہی تھی۔

''مس روحی آپ نے بہت اچھا کیا کہ یہاں چلی آئیں۔'' نوشابہ نے کہا۔

''اوہ......وہ......!'' روحی بڑبڑائی۔ وہ سڑک کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اچانک اس نے حمید سے کہا۔ ''ڈاکٹر......وہ شائد کوئی کار ادھر ہی آ رہی ہے۔''

سڑک بلندی پر تھی اور یہاں سے کار صاف نظر آ رہی تھی۔ مگر روحی کی یہ توقع غلط ثابت
ہوئی کہ کار اس کی کوٹھی ہی کی طرف آ رہی ہے۔ تھوڑی دیر چہل قدمی کرنے کے بعد وہ برآمدے
میں آ بیٹھے۔

اب قاسم بھی اچھی طرح چہکنے لگا تھا۔ لیکن اُسے حیرت تھی کہ آخر اتنی خوبصورت عورت کی
موجودگی میں بھی حمید پر سنجیدگی کیوں طاری ہے۔

نوشابہ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی گئی۔ اس دوران میں روحی حمید کو بہت غور سے دیکھتی رہی تھی
اور حمید کا مرکز نگاہ قاسم تھا۔

نوشابہ کے جاتے ہی وہ روحی کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''میں نے آپ کو یہاں لا کر آپ کے ساتھ زیادتی تو نہیں کی۔'' روحی نے کہا۔

''فی الحال اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔'' حمید معنی خیز انداز میں مسکرایا اور روحی جلدی سے
بولی۔ ''نہ جانے کیوں میں محسوس کرتی ہوں کہ آپ کے ساتھ میں محفوظ رہوں گی۔ اب آپ
اسے خودغرضی ہی کہہ لیجئے کہ میں اس کے لئے آپ کو ہوٹل کی تفریحات سے نکال لائی۔''

''اگر آپ یہ محسوس کرتی ہیں تو میں آپ کا دل نہیں توڑوں گا۔ مگر ایک شرط کے
ساتھ......نہ آپ مجھے میرے کسی شغل پر ٹوکیں گی اور نہ میرے دوست مسٹر قاسم کو......ہوسکتا
ہے کہ انہیں آپ کی کرایہ دار سے عشق ہوجائے۔''

''ار......ام......'' قاسم غصیلے لہجے میں ہکلایا۔ ''مم......مذاخ نہیں پاسند کرتا۔''

''میں مجبور ہوں قاسم صاحب......آپ کے ستارے......!''

''ستارے کہہ رہے ہیں۔'' قاسم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

روحی بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ کیونکہ قاسم نے شرما کر سر جھکا لیا تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہورہا تھا
جیسے کوئی ہاتھی دوہرا ہوگیا ہو۔

''آپ کے کیا مشاغل ہوں گے ڈاکٹر اوہان۔'' روحی نے مسکرا کر پوچھا۔

''ارے......ان کے مشاغل......ہی ہی ہی......!'' قاسم بے تحاشہ ہنسنے لگا اور حمید کی
روح فنا ہوگئی۔ کہیں موڈ میں آ کر سب کچھ اگل نہ دے......مگر ایسا نہیں ہوا۔ قاسم کی ہنسی گہری
سنجیدگی پر ختم ہوگئی۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی موٹر کا انجن اسٹارٹ ہوکر یک بیک رک جائے۔

حمید نے اطمینان کی سانس کے ساتھ ہی ساتھ دو چار فالتو قسم کی سانس بھی لیں اور اپنے
پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

''آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' روحی نے کہا۔

''میرے مشاغل کا انحصار مواقع پر ہے۔''

''میں مبہم جواب نہیں چاہتی۔''

''آپ مبہم جواب نہیں چاہتیں۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا کسی سانپ کی طرح
پھنکارا۔ ''میرے مشاغل ستاروں کی چال پر منحصر ہیں۔ آپ خود ہی دیکھ لیں گی۔''

"آپ تو ڈرا رہے ہیں...... مجھے......اس طرح نہ دیکھئے میری طرف۔"

"کسی دوسری طرف دیکھئے۔" قاسم نے مخلصانہ انداز میں مشورہ دیا۔

پھر قاسم کچھ بے چین سا نظر آنے لگا اور اس کی وجہ بھی حمید کی سمجھ میں آ گئی۔

نوشابہ قریب ہی کے کمرے میں گنگنا رہی تھی۔ دفعتاً روحی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ذرا علیحدگی میں......کیا آپ میری ایک بات سن لیں گے۔"

"ضرور......یقیناً......!" حمید بھی اٹھ گیا۔

قاسم وہیں بیٹھا رہا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے ان کے اٹھ جانے کی ذرا برابر بھی پرواہ نہ ہو۔

روحی حمید کو ایک کمرے میں لائی۔ یہاں مختلف قسم کے ساز ادھر اُدھر بکھرے نظر آ رہے تھے۔ نیچے قالین کا فرش تھا۔ یہاں فرنیچر نہیں تھا۔ روحی چند لمحے حمید کو عجیب انداز میں دیکھتی رہی پھر مسکرا کر بولی۔

"اگر آپ پہچان لئے گئے ہوں تو۔"

"میں نہیں سمجھا......!" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ......!"

"کیا جانتی ہیں کہ میں......!" حمید بھی اسی لہجے میں کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"کیا آپ کا تعلق ادارہ روابط عامہ سے نہیں ہے؟" روحی کی مسکراہٹ کا انداز فاتحانہ تھا۔

حمید اس نام پر چونک پڑا کیونکہ آج ہی ماتھر نے اس سے اس ادارے کا تذکرہ کیا تھا۔ یہ سوال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں کوند گیا۔ کیا روحی نے بھی اپنے دشمنوں پر قابو پانے کے لئے اس ادارے سے مدد طلب کی ہے؟

"کیوں؟ کیا آپ میری بات کا جواب نہیں دیں گے۔ میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ میں نے دلکشا سے یہاں آنے میں غلطی تو نہیں کی۔"

حمید نے قالین سے ایک وائلن اٹھا لیا اور روحی کی بات کا جواب دینے کی بجائے اس کے تار ہلانے لگا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ بہر حال اس نے جلد ہی اس کا

فیصلہ کر لیا۔

"آپ ان جھگڑوں میں نہ پڑیئے۔" اس نے تاروں پر قوس پھیرتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو یہاں لا کر آپ کی اسکیم میں خلل انداز تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں......!" حمید کا مختصر سا جواب تھا۔

اس نے وائلن پر ایک گت چھیڑ دی تھی۔

"اوہ......آپ تو بہت اچھا بجاتے ہیں۔" روحی نے کہا اور حمید نے وائلن کو قالین پر ڈال دیا۔

"بجایئے نا......!" روحی جلدی سے بولی۔

"آپ کو کچھ اور بھی پوچھنا ہے۔"

"بس اتنا ہی کہ آپ کو سچ مچ نجوم میں دخل ہے یا وہ بھی محض حکمت عملی تھی۔"

"اگر دخل نہ ہوتا تو میں آپ کو بلی کے متعلق کیسے بتا سکتا۔"

"مجھے اس کے غائب ہو جانے کا بے حد افسوس ہے۔"

"آپ نے ادارہ کو اپنے دشمنوں کے نام کیوں نہیں بتائے۔" حمید نے پوچھا۔

"نام میں جانتی ہی نہیں۔ میں صحیح اندازہ نہیں کر پائی کہ میرا دشمن کون ہو سکتا ہے۔ رام گڈھ والے دفتر کے انچارج ڈاکٹر سلمان نے کہا تھا وہ خود ہی دشمنوں کو تلاش بھی کر لیں گے۔"

پھر حمید یہ پوچھتے پوچھتے رک گیا کہ اس کے لئے معاوضہ طے ہوا تھا۔ اس نے ایک بار پھر گمشدہ باڈی گارڈ کا تذکرہ چھیڑنا چاہا لیکن دور اندیشی نے اس کی بھی اجازت نہ دی۔ روحی کی نظروں میں اب اس کی حیثیت یکسر بدل چکی تھی۔ لہٰذا اب بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی۔

روحی آہستہ سے بولی۔ "ایک حملہ آپ کی موجودگی میں بھی ہوا ہے لیکن کیا آپ مجھے میرے دشمن کا نشان پتہ بتا سکیں گے۔"

"نہیں......!"

"بتانا نہیں چاہتے یا آپ کو علم ہی نہیں ہو سکا۔"

"میں نہیں جانتا کہ حملہ آور کون تھا۔ ویسے شبہ ہے کہ وہ آپ کا باڈی گارڈ بھی ہو سکتا ہے۔"

"خدا جانے۔"

"ڈاکٹر سلمان سے آپ کی کیا گفتگو ہوئی تھی۔"

"اوہ......!" روحی چونک کر اُسے گھورنے لگی اور حمید کو فوراً ہی احساس ہوگیا کہ اس کا یہ سوال قطعی بے محل تھا۔

وہ جلدی سے بولا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے آپ کو جو احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کو کہا تھا آپ نے اس پر کہاں تک عمل کیا ہے۔"

"میں ابھی تک ان کے مشوروں کی پابند رہی ہوں۔"

"یہی پوچھنا تھا۔" حمید نے کہا اور بیٹھ کر طبلہ بجانے لگا۔

"آپ کو موسیقی سے بہت زیادہ دلچسپی ہے شائد۔"

"بہت......!" حمید ہاتھ روک کر بولا۔ "طالب علمی کے زمانے میں کالج کے ڈراموں میں ڈانس ڈائریکٹ کیا کرتا تھا۔ آج میرے پاس ناچوں کی ایسی گتیں ہیں جن کا جواب شائد ہی کہیں مل سکے۔"

"اوہو......!" روحی مسکرائی۔ "دعویٰ کر رہے ہیں آپ۔"

"ہاں...... یہ میرا دعویٰ ہے...... خصوصاً رقص نجوم...... ستاروں کا ناچ۔"

"شائد آپ ستارے پکا کر کھاتے بھی ہوں۔" روحی ہنس پڑی۔

"پرواہ نہیں...... اگر آپ اسے بکواس سمجھتی ہیں تو میں آپ کو چیلنج کرتا ہوں...... خیر...... نہیں...... جانے دیجئے۔"

حمید کے چہرے پر شدید ترین غصے کے آثار نظر آنے لگے اور اس نے گرج کر کہا۔ "آپ کی تباہی نزدیک ہے۔ میرا تعلق کسی ادارے سے نہیں یہ اتنی گفتگو میں نے محض اس لئے کی تھی کہ معلوم کرسکوں کہ آپ کس قسم کے جال میں پھنسی ہوئی ہیں۔"

روحی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"کیسے جال میں پھنسی ہوئی ہوں۔" اس نے خالی خالی آواز میں پوچھا۔

"میں بہت کچھ بتا سکتا ہوں...... بشرطیکہ آپ مجھ سے کچھ نہ چھپائیں۔"

روحی تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "آپ کا تعلق ادارہ روابط عامہ سے نہیں ہے۔"

"نہیں...... مجھے اس ادارے سے دلچسپی ضرور ہے کیونکہ یہ ادارہ ساری دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔"

"پھر آپ نے کیوں کہا تھا کہ آپ کا تعلق اسی ادارہ سے ہے۔"

"یہ میں نے نہیں آپ نے کہا تھا۔" حمید بولا۔ "بس میں نے تھوڑی دیر کے لئے فرض کرلیا تھا کہ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

روحی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے اس کے پاس الفاظ ہی نہ ہوں۔ پھر وہ کچھ کہنے والی تھی کہ اچانک انہوں نے کسی کی چیخیں سنی۔ حمید اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹا کیونکہ وہ چیخیں قاسم کے علاوہ کسی کی نہیں ہوسکتی تھیں۔

راہداری میں نوشابہ ملی۔ جو بدحواسی میں اسی طرف دوڑی آرہی تھی۔

"باہر...... پپ...... پائیں باغ میں۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

حمید بے تحاشہ دوڑ رہا تھا۔ اس نے اس کا جملہ پورا ہونے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ اس وقت وہ خاکی پتلون اور کتھئی رنگ کے جیکٹ میں تھا اور اس کی جیب میں ریوالور بھی موجود تھا۔ جیکٹ کے نیچے کارتوسوں کی پیٹی تھی۔ ہوٹل سے چلتے وقت ہی اسے احساس ہوگیا تھا کہ وہ عنقریب انجانے خطرات میں گھر جائے گا ورنہ اسکے کمرے میں دھوئیں کا کیا مطلب تھا۔ پائیں باغ میں اسے کوئی نظر نہیں آیا لیکن سامنے سڑک پر ایک ٹرک کھڑا ہوا دکھائی دیا اور پھر وہ فوراً ہی چل پڑا۔

ایک بار پھر حمید نے قاسم کی دہاڑ سنی۔ یہ آواز اسی ٹرک سے آئی تھی۔ حمید سڑک تک دوڑتا چلا گیا۔ مگر ٹرک اس سے پہلے ہی اگلے موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

فادر آگیا

وہ پھر اسی طرح دوڑتا ہوا پائیں باغ میں واپس آیا۔ روحی اور نوشابہ وہاں موجود تھیں۔

نوشابہ اپنے مخصوص لہجے میں چنگھاڑ رہی تھی۔ شاید وہ روحی کو قاسم کے متعلق کچھ بتا رہی تھی۔

"کوئی گاڑی ہے یہاں۔" حمید نے تیزی سے پوچھا۔ وہ بُری طرح بے چین نظر آرہا تھا۔

"ہے گیراج میں......ایک اسٹیشن ویگن۔"

"گیراج کدھر ہے۔"

روحی تقریباً دوڑتی ہوئی اس کے ساتھ گیراج کی طرف جارہی تھی۔

اسٹیشن ویگن حالانکہ بہت دنوں سے استعمال میں نہیں تھی لیکن آرڈر میں تھی۔

"بیٹھو......!" حمید نے روحی کو اسٹیشن ویگن میں دھکیلتے ہوئے کہا۔

"میں......میں......!" روحی ہکلائی۔

"ہاں......میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔"

"کیوں......!" روحی نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"راستے میں بتاؤں گا۔"

حمید نے انجن اسٹارٹ کیا۔ گاڑی گیراج سے باہر نکلی اور پائیں باغ سے گذر کر سڑک پر آگئی۔

"میرا خیال ہے کہ وہ اس سڑک پر کوئی بڑا ٹرک تیزی سے نہ چلاسکیں گے۔" حمید نے کہا اور روحی بولی۔ "لیکن آپ مجھے اس خطرناک مہم پر کیوں لے جارہے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ اس میں بھی ان لوگوں کی کوئی چال ہو۔ مجھے اس بہانے سے باہر نکال کر تم پر ہاتھ ڈالنا چاہتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد تم اور نوشابہ وہاں تنہا رہ جاتیں۔ ابھی تمہارے نوکر بھی وہاں نہیں پہنچے۔ شام کی چائے تم نے ہی بنائی تھی۔"

"مگر اب اندھیرا پھیلتا جارہا ہے اور آپ تنہا ہیں۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔" حمید نے کہا۔ "ہاں نوشابہ نے کیا بتایا تھا۔"

"قاسم صاحب پائیں باغ میں تھے۔ نوشابہ بھی وہیں تھی اچانک رسی کا ایک پھندا قاسم صاحب کی گردن میں آپھنسا اور وہ زمین میں گر پڑے۔ پھر پانچ چھ آدمی ان پر آگرے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتی۔ یہ دیکھنے کے لئے وہ وہاں رکی ہی نہیں کہ وہ انہیں کہاں لے گئے۔

ویسے اس نے اس واقعے سے کچھ دیر قبل سڑک پر ایک ٹرک رکتے ضرور دیکھی تھی۔ کہیں یہ لوگ انہیں غنڈوں کے ساتھی نہ ہوں جن کی مرمت آپ لوگوں نے دلکشا میں کی تھی۔"

"ہوسکتا ہے۔"

اسٹیشن ویگن پہاڑی سڑک پر چکراتی رہی۔

"اگر وہ سب ہم پر آپڑے تو آپ کیا کریں گے۔" روحی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"پیٹی کا آخری کارتوس بھی پھونک دوں گا اس کے بعد جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"کارتوس......کیا آپ کے پاس ریوالور بھی ہے۔"

"ڈرو نہیں......اس کا لائسنس بھی ہے۔" حمید نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"اب کافی اندھیرا پھیل گیا تھا......حمید کو ہیڈ لائیٹس روشن کردینی پڑیں۔"

"کیا نوشابہ بھی تنہا رہتی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ارے انتہائی درجہ کنجوس ہے۔ ایک نوکر بھی نہیں رکھ سکتی۔ کھانا خود پکاتی ہے۔ ویسے کپڑے اتنے شاندار پہنتی ہے کہ بس دیکھتے ہی رہ جایئے۔ دن میں کئی بار لباس تبدیل کرتی ہے۔"

"اوہو......ہم تو شہر کے قریب آپہنچے۔" حمید نے کہا...... "لیکن مگر ٹھہرو مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں اس دوسری سڑک کو شہر والی سڑک سمجھا تھا۔ نہیں وہ قاسم کو ایسی حالت میں شہر کی طرف لانے کی ہمت نہیں کریں گے۔"

"کیوں......؟"

"اوہو......اس آدمی کو دیر تک قابو میں رکھنا آسان کام نہیں ہے۔ خیر اب ادھر آئے ہیں تو اس واقعہ کی رپورٹ پولیس کو بھی دیتے چلیں۔"

روحی کچھ نہ بولی۔ بہرحال اب اس کے چہرے پر خوف یا الجھن کے آثار نہیں تھے۔ ہوسکتا ہے وہ ان نامعلوم آدمیوں اور حمید کے ٹکراؤ سے ڈرتی رہی ہو اور اب اس کے امکانات نہ دیکھ کر مطمئن ہوگئی ہو۔

کوتوالی میں رپورٹ درج کرانے کے بعد حمید روحی سمیت کیپٹن ماتھر کے بنگلے کی طرف روانہ ہوگیا۔

ماتھر سے ملاقات نہ ہو سکی۔ وہ موجود نہیں تھا...... لیکن کوتوالی میں روحی کی آمد ایسی نہیں تھی کہ وہاں کی فضا پرسکون رہ جاتی۔ لوگ اپنے کام چھوڑ چھوڑ کر اسے دیکھنے کے لئے اکٹھا ہو گئے۔

یہ حالت دیکھ کر حمید کو ماتھر کے بنگلے ہی میں پناہ لینی پڑی۔

لیکن یہ ایک زبردست غلطی تھی۔ اسے کم از کم ماتھر کی عدم موجودگی میں اس کے بنگلے میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا۔

ماتھر کے گھر والے اسے اچھی طرح پہچانتے تھے۔ انہوں نے جب اس کے ساتھ روحی کو دیکھا تو سارے کے سارے ڈرائینگ روم میں اکٹھا ہو گئے۔ ادھر ادھر کی باتیں چھڑ گئیں اور روحی حیرت سے ان کی گفتگو سنتی رہی۔ ماتھر کی بیوی بار بار اسے کیپٹن حمید کے نام سے مخاطب کر رہی تھی اور حمید کا یہ عالم تھا جیسے اسے بھرے بازار میں ننگا کر دیا گیا ہو۔

اس دوران میں کرنل فریدی کے تذکرے بھی ہوتے رہے۔ روحی کبھی حیرت سے حمید کی طرف دیکھتی اور کبھی ان لوگوں کی طرف۔

دفعتاً حمید نے اس سے کہا۔ "آپ نوشابہ کو فون کر دیجئے کہ آپ صبح سے پہلے واپس نہیں آئیں گی۔"

"کیوں......!"

"ماتھر صاحب کے آ جانے پر میں فورس لے کر قاسم کی تلاش میں جاؤں گا اور آپ یہیں رہیں گی۔"

"اوہ...... ہمیں بڑی خوشی ہوگی۔" ماتھر کی سالی نے کہا۔

"نہیں میں اتنی تکلیف نہیں دے سکتی۔ حرج کیا ہے۔ میں واپس چلی جاؤں گی۔"

"میں اس کا مشورہ ہرگز نہیں دوں گا۔"

روحی خاموش ہو گئی اور پھر تجویز کے مطابق اس نے نوشابہ کو فون کر دیا۔ نوشابہ بہت فکرمند تھی مگر اتنی خائف بھی نہیں تھی کہ تنہا رات نہ گذار سکتی۔

آدھے گھنٹے بعد ماتھر واپس آ گیا۔ روحی اس کی سالیوں کے ساتھ اندر چلی گئی۔

"تم کیا کرتے پھر رہے ہو کپتان صاحب۔" ماتھر نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا

اس پر اُس نے سارے واقعات دہراتے ہوئے کہا۔ "میں قاسم کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ کم از کم پانچ مسلح کانسٹیبل ہونے چاہئیں۔"

"لے جاؤ...... کہو تو میں بھی ساتھ چلوں۔ ویسے مجھے امید نہیں ہے کہ قاسم کو پا سکو...... وہ ایک موٹی مرغی ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"رام گڈھ آج کل لاقانونیت کا مرکز بن گیا ہے۔ میرا خیال ہے یہ اُسی گروہ کا کام ہے جس کا سراغ پانے میں ہم ابھی تک ناکام رہے ہیں۔ اس گروہ کا طریق کار ہے کہ شہر کے متمول ترین آدمیوں کو اغواء کیا جاتا ہے پھر ان کے ورثاء سے بھاری رقموں کے مطالبے کئے جاتے ہیں۔ جب تک رقم وصول نہیں ہو جاتی وہ اغواء کئے ہوئے آدمی کو چھوڑتے نہیں۔ بعض اوقات تو رقمیں وصول ہو جانے کے بعد بھی نہیں چھوڑتے اور مزید رقم کا مطالبہ کر بیٹھتے ہیں۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "تب تو وہ یقیناً ایک موٹی مرغی ہے۔ آپ نے خان بہادر عاصم کا نام تو سنا ہی ہوگا۔"

"ہاں...... کیوں نہیں۔"

"قاسم انہیں کا لڑکا ہے۔"

"آہا...... تب تو اس کی طرف سے مایوس ہو جاؤ۔"

"مگر یہ ناممکن ہے کہ میں صبر کر کے بیٹھ جاؤں۔"

"اچھا ہے بیٹھو...... یہ تو بہت اچھا ہوا کہ تمہارا ایک دوست ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا جن سے رام گڈھ کی پولیس تنگ آ گئی ہے۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ اُس نے دس مسلح کانسٹیبلوں کے ساتھ سارا علاقہ چھان مارا جہاں سے قاسم کی بازیابی کے امکانات ہو سکتے تھے لیکن دو بجے رات تک بھٹکتے رہنے کے باوجود بھی اس کا سراغ نہ ملا اور حمید تھک ہار کر واپس آ گیا۔

رات ماتھر کے ہاں بسر کی اور صبح کو وہ دونوں کوٹھی کیلئے روانہ ہو گئے۔ روحی خاموش تھی۔

"کیوں کیا تم اب مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتیں؟"

"میری ایک بہت بڑی الجھن رفع ہوگئی۔" روحی دلآویز انداز میں مسکرائی۔ چند لِ
خاموش رہی پھر بولی۔ "یہ حقیقت ہے کہ میں ابھی تک آپ کی طرف سے مطمئن نہیں تھی۔"

"کیا سمجھتی تھیں۔"

"کوئی بہت بڑا فراڈ......!"

"وہ تو میں اب بھی ہوں۔ چونکہ میں قانون کی حفاظت کے لئے فراڈ کرتا ہوں۔ اس لِ
اس فراڈ کو حکمت عملی کہیں گے۔ اگر کوئی عام آدمی مقصد براری کے لئے یہی طریقہ اختیار کرے
وہ قانون کی نظر میں فراڈ ہوگا۔"

"اب آپ قاسم صاحب کے لئے کیا کریں گے۔"

"دیکھا جائے گا۔" ان کا مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ وہ اسکے باپ سے ایک لمبی رقم وصول کریں۔"

"قاسم صاحب کون ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہارا حسن اس کا شرمندہ احسان بھی ہے۔"

"کیا مطلب......میں نہیں سمجھی۔"

"تمہارے جسم پر اس وقت اسی کے ملوں کے کپڑے ہیں۔ سارے ملک میں اس کے
ملوں سے بہتر کپڑے کوئی دوسرا مل نہیں نکال رہا ہے۔"

"کون سے مل۔"

"عاصم ٹیکسٹائل۔"

"اوہو......!" روحی حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گئی۔

کچھ دیر خاموش رہی پھر روحی نے کہا۔ "آپ نے ڈاکٹر اوہان کا بہروپ کیوں بنایا تھا۔"

"ہمارے محکمے کے لوگ پبلک زندگی میں اپنی اصلیت کے ساتھ کبھی نہیں آتے۔"

"مگر آپ کا یہ روپ بے مقصد نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ صاف ظاہر ہے کہ آپ اس طرح
دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر بلی والا معاملہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔"

"اوہ میری ستارہ شناسی بہرحال اپنی جگہ پر اٹل ہے۔"

روحی کچھ نہیں بولی۔ نہ جانے کیوں وہ پھر کچھ فکر مند سی نظر آنے لگی تھی۔

وہ کوٹھی پہنچ گئے۔ نوشابہ موجود تھی لیکن اس کا چہرہ بالکل زرد تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ برسوں سے خوف کی حالت میں زندگی گذار رہی ہو۔ اس نے ایک بے جان سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔

"اوہو......آپ لوگ آ گئے۔ پچھلی رات میں بوڑھی ہوگئی۔"

"کیا بات ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اندر چلئے......اطمینان سے بتاؤں گی۔"

روحی بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ نوشابہ نے ان کے بیٹھنے کا انتظار نہیں کیا۔

"آپ کا فون آنے سے پہلے مجھے صرف تشویش تھی۔" اس نے روحی سے کہا۔ "لیکن آپ کے متعلق معلوم ہوجانے کے بعد ہی سے پریشانی شروع ہوگئی۔ آپ جانتی ہیں کہ میں ہمیشہ یہاں تنہا رہی ہوں اور کبھی میرا وزن ایک اونس بھی کم نہیں ہوا۔ لیکن میرا دعویٰ ہے......!"

وہ خاموش ہوکر مسکرائی اور پھر بولی۔ "میرا دعویٰ ہے کہ رات سے اب تک کم از کم دس پونڈ ضرور کم ہوگئی ہوں گی۔"

"ایک افسوس ناک خسارہ۔" حمید روحی کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔ لیکن نوشابہ اس ریمارک سے بے پرواہ بولتی رہی۔ "میں نے خود اپنی آنکھوں سے ان لوگوں کو دیکھا ہے۔ وہ کچھ تلاش کررہے تھے۔ ان کا ایک آدمی میرے سر پر مسلط تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ پھر جب وہ چلے گئے تو میں نے پوری کوٹھی کا چکر لگایا۔ انہوں نے صرف ڈاکٹر اوہان اور ان کے دوست کا سامان الٹ پلٹ ڈالا تھا۔ اس کے علاوہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے کسی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ اب آپ خود سوچئے کہ باقی رات کس طرح گذاری ہوگی میں نے......وہ تعداد میں پانچ تھے اور انہوں نے اپنے چہرے نقابوں سے چھپا رکھے تھے۔"

"ڈاکٹر اوہان کا ستارہ گردش میں ہے۔" حمید بڑبڑایا اور اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ حقیقتاً ایک بار پھر ہوٹل ہی کی طرح اس کا سامان بکھرا ہوا نظر آیا۔ یعنی شاید دوسری بار کسی نے اس کے سامان کی تلاشی لی تھی۔ لیکن سامان کی تلاشی سے حمید کی شخصیت کے متعلق اندازہ کرلینا ناممکنات میں سے تھا۔ اس نے اپنے پاس کوئی ایسی چیز رکھی ہی نہیں تھی جس سے اس کی

اصلیت پر روشنی پڑ سکتی۔ لیکن قاسم کے سامان کے متعلق حمید کو علم نہیں ہو سکتا تھا کہ تلاشی لینے والوں نے قاسم کے متعلق معلومات حاصل ہی کر لی ہوں۔ ویسے خود اس کی زبان سے کچھ اگلوالینا آسان کام نہیں تھا۔

وہ اپنی چیزیں ترتیب سے لگانے لگا۔ اتنے میں روحی بھی وہاں پہنچ کر اس کا ہاتھ بٹانے لگی۔

''مگر......!'' حمید بڑبڑایا۔ ''اب مجھے یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے۔''

''کیا...... یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔'' روحی نے کہا۔ ''آپ مجھے اس مصیبت میں چھوڑ کر کہیں اور نہیں جا سکتے۔''

''میرا فادر بڑا خطرناک آدمی ہے۔'' حمید بولا۔ ''اگر اُسے معلوم ہو گیا کہ میں ایک خوبصورت سی فلم اسٹار کے ساتھ مقیم ہوں تو وہ میری آئندہ نسلوں کو یتیم کر دے گا۔''

''جی نہیں...... میں انہیں سمجھا لوں گی۔''

''تم سمجھا لو گی...... کرنل ہارڈ اسٹون کو...... ہاہا...... کیا بات کہی ہے۔''

''کرنل ہارڈ سٹون...... آپ کے باپ...... میں نہیں سمجھی۔ یہ نام تو کسی انگریز یا عیسائی کا ہو سکتا ہے۔''

''یہ نام نہیں صفت ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ کو یہیں قیام کرنا ہوگا۔''

''اور اگر کسی نے تمہارے دھوکے میں مجھ پر تیزاب ڈال دیا تو میں کیا کروں گا۔ پھر ہو سکے گی میری شادی۔''

''خیر آپ کی شادی تو ویسے بھی نہ ہو گی۔''

''کیوں......؟''

''آپ صورت سے شوہر کبھی نہ معلوم ہوں گے...... مجھے یقین ہے۔''

''لیکن چند بچوں کا فادر ضرور معلوم ہوں گا۔''

''میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی...... لیکن آپ مجھے اس طرح چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔''

''پھر جس طرح کہو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔''

دفعتاً باہر سے کسی نے دستک دی۔

''ہام......کون ہے۔'' حمید نے کہا۔

''میں آ جاؤں۔'' نوشابہ کی آواز آئی۔

''آیئے......!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور کچھ اس طرح منہ بنایا کہ روحی بیساختہ ہنس پڑی۔

''وہ کوئی صاحب فون پر مسخرہ پن فرما رہے ہیں۔'' نوشابہ نے کہا۔

''کیا بات ہے۔''

''پتہ نہیں کون ہے...... کہتا ہے کہ یہاں کوئی کیپٹن حمید ہے۔ اُسے فون پر بلا دیا جائے۔''

''وہ کہاں سے بول رہا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''یہ نہیں بتایا۔''

''میں دیکھتا ہوں۔'' حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ فون پر اُسے جس کی بھی آواز سنائی دی ہو لیکن روحی یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی کہ حمید کچھ بوکھلا سا گیا ہے۔

''جی ہاں......!'' وہ ماؤتھ پیس میں کہہ رہا تھا۔ ''میں یہیں ہوں۔ آپ نے ٹھیک سنا ہے۔ ارے باپ رے...... مگر سنیئے تو سہی...... وہ محض مذاق تھا...... محض تفریح...... لیکن آپ کیوں اور کیسے آ گئے...... میں بڑی مشکل میں ہوں...... یہ ناممکن ہے...... وہ اس پر تیار نہیں ہے...... ارے باپ رے...... پھر بتایئے میں کیا کروں...... آپ قسم لے لیجیے...... مر گیا...... اچھا میں ابھی آؤں گا...... مگر تنہا نہیں...... آپ سنیئے تو سہی...... جی ہاں...... جی ہاں۔''

حمید ریسیور رکھ کر دھڑام سے دوسری طرف الٹ گیا۔ روحی اور نوشابہ گھبرا کر اس کی طرف جھپٹیں لیکن وہ پھر اٹھ کر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ لیکن شاید دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ لیکن حمید ماؤتھ پیس میں ''فادر فادر'' چیختا رہا پھر ریسیور رکھ کر پیشانی رگڑنے لگا۔

''کیا بات ہے۔'' روحی نے حیرت سے پوچھا۔

''فادر آ گیا ہے۔'' حمید نے پھٹی پھٹی سی آواز میں کہا۔ ''اب میں یہاں نہ رک سکوں گا۔''

روحی اور نوشابہ نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور حمید بکتا رہا۔ ''اس فادر

کے بچے کو بھی چین نہیں ہے۔ کبھی یہاں کبھی وہاں...... میرے ستارے۔''

کوئلے کا مجسمہ

روحی پر یہ بات بہت دیر بعد واضح ہوئی کہ حمید کا ''فادر'' کرنل فریدی ہے۔ اور پھر وہ کرنل فریدی سے ملنے کے لئے بُری طرح بے چین نظر آنے لگی۔

''تم کیوں ملنا چاہتی ہو۔'' حمید نے پوچھا۔

''لوگ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔'' روحی نے سوال کیا۔

''کیونکہ تم ایک خوبصورت عورت ہو۔''

''یعنی میں لوگوں کے لئے کشش رکھتی ہوں۔''

''قطعی......!''

''بس اسی طرح کرنل فریدی بلکہ صرف یہ نام میرے لئے اپنے اندر بڑی کشش رکھتا ہے۔ میں اس آدمی کو قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں جس سے بعض اوقات معجزے سرزد ہوتے ہیں۔''

حمید اپنی کھوپڑی سہلانے کے بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''ستارے! خیر...... ہاں...... مگر وہ تم سے نہیں مل سکیں گے۔''

''کیوں......؟''

''تمہارا نام ہی سن کر وہ اس قابل نہ رہ جائیں گے کہ تمہیں دیکھ سکیں۔''

''آپ مذاق بہت اچھا کر لیتے ہیں۔'' روحی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''لیکن میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

فون کی گھنٹی بجی اور حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو......!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''کون ہے!''

''وہی نالائق......!'' حمید نے جواب دیا۔ ''آپ بتاتے کیوں نہیں کہ یک بیک یہاں

کیسے پہنچ گئے۔''

''کل دوپہر کو ماتھر نے میرے لئے ٹرنک کال کی تھی...... ڈاکٹر داوہان کے بچے میں تمہاری اچھی طرح خبر لوں گا...... روحی سے پوچھو کہ اس نے ادارہ روابط عامہ سے کب مدد لی تھی۔ پہلے حملے سے قبل یا بعد میں۔''

حمید نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر روحی سے فریدی کا سوال دہرایا۔

''کون ہے۔'' روحی نے پوچھا۔

''فادر ولیم......!''

''اوہ...... کرنل فریدی ان سے کہہ دیجئے کہ پہلے حملے کے بعد ہی میں نے اس ادارے سے مدد طلب کی تھی مگر انہیں کیسے معلوم ہوا۔''

''رات میں نے ماتھر سے اس کا تذکرہ کیا تھا۔'' حمید نے کہا اور فریدی تک روحی کا جواب پہنچا دیا۔

''کیا وہ خود ہی وہاں گئی تھی یا کسی نے اُسے مشورہ دیا تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

حمید نے پھر روحی سے پوچھ کر اُسے جواب دیا۔ ''ایک دوست نے مشورہ دیا تھا۔''

''مجھے اس دوست کا نام اور پتہ چاہئے۔'' فریدی نے کہا۔

''آخر آپ آتے ہی روحی میں کیوں اتنی دلچسپی لینے لگے۔''

''یہ قاسم کا کیس ہے، جو محض تمہاری حماقتوں کی بناء پر مصیبت میں پھنس گیا ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہیں۔'' روحی نے لپک کر پوچھا۔

''تمہارے سلسلے سے وہ قاسم تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تمہارے کیس سے انہیں ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں۔ ویسے ہوسکتا ہے کہ لگے ہاتھوں تمہاری مقصد براری بھی ہو جائے اسلئے اپنے اس دوست کا نام اور پتہ بتاؤ جس نے تمہیں ادارہ سے گفت وشنید کرنے کا مشورہ دیا تھا۔''

''اتنی دیر......!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''جلدی کرو۔''

''بس فوراً'' حمید نے ماؤتھ پیس میں کہا اور روحی کی طرف دیکھنے لگا جواب کچھ پریشان نظر آرہی تھی۔

"وہی آدمی جسے آپ نے دلکشا کے ڈائننگ ہال میں باڈی گارڈ کے ساتھ دیکھا تھا یہاں کا ایک سربرآوردہ آدمی ہے۔"

"فادر ولیم...... سربرآوردہ آدمیوں کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کرتے۔ فادر ولیم کئی بڑے سرمایہ داروں کے گالوں پر تھپڑ تک رسید کر چکے ہیں۔"

روحی نے اسے اس آدمی کے متعلق تفصیل سے بتایا اور حمید نے ماؤتھ پیس میں کہا

"سردار شکوہ نام ہے۔ پتہ ایک سو گیارہ کٹل بالا...... یہاں کے سربرآوردہ آدمیوں میں سے ہے...... مگر فادر...... میں بہت اداس ہوں۔"

"تمہاری اداسی دور ہونے کی صرف ایک ہی صورت ہے۔"

"فرمایئے۔"

"اس وقت تک تم پر مار پڑتی رہے جب تک کہ کھال نہ گر جائے۔"

"میں اپنی کھال کھنچوا کر آپ کو روانہ کردوں گا۔ مگر آپ مجھے یہیں رہنے دیجئے ورنہ روحی کا ہارٹ فیل ہوجائے گا...... اور...... ملک ایک بہت بڑی فنکارہ سے محروم ہوجائے گا۔"

حمید اور نہ جانے کیا کیا بکتا رہا لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوگیا۔

"یہ سب کیوں کہہ رہے تھے آپ۔" روحی نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"فادر سے کوئی بات چھپانا شامت کو دعوت دینے سے کم نہیں۔"

"مجھے ملایئے کرنل سے...... مگر ٹھہریئے۔ آخر آپ لوگ ادارہ روابط عامہ کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔"

"ادارہ روابط عامہ فراڈ ہے۔ اگر اب بھی اس کی حرکت آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو آپ کو کسی گزیٹیڈ آفیسر سے شادی کرلینی چاہئے۔"

"کیسی حرکت...... !"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ پر اب تک جتنے بھی حملے ہوئے ہیں ان میں اسی ادارہ کا ہاتھ رہا ہو۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ خواہ مخواہ تہمت تراشی کر رہے ہیں۔"

"پہلے آپ مجھے یہ بتایئے کہ آپ اب تک اس ادارہ کو کتنی رقم دے چکی ہیں۔"

"پچیس ہزار...... !"

"گڈ گاڈ...... اور اس کے باوجود بھی آپ کی اپر چیمبر اب تک مقفل ہے۔"

فون کی گھنٹی نے اس گفتگو کو آگے نہیں بڑھنے دیا۔

اس بار روحی نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو...... !"

"کون روحی صاحبہ۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں روحی ہوں۔"

"میں سلمان بول رہا ہوں...... ادارہ روابط عامہ سے۔"

"اوہ...... ڈاکٹر سلمان...... کہیئے۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ آپ اجنبیوں پر اعتماد کرلیں۔"

"اوہ...... وہ دیکھئے...... میرا خیال ہے کہ آپ ڈاکٹر اوہان کے متعلق کچھ کہہ رہے ہیں۔"

"ٹھیک سمجھیں آپ...... کیا آپ اس آدمی کو پہلے سے جانتی ہیں۔"

روحی ہچکچائی لیکن حمید جلدی سے بولا "تم اُسے بتادو کہ میں کون ہوں۔"

لیکن روحی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "میں ڈاکٹر اوہان کو پہلے سے جانتی ہوں۔"

"آپ غلط بیانی سے کام لے رہی ہیں مس روحی۔ آپ اس دن اس سے واقف ہوئی تھیں جس رات آپ کی بلی نے آپ پر حملہ کیا تھا۔"

"ہوسکتا ہے یہی بات ہو ڈاکٹر سلمان۔" روحی جھنجھلا گئی۔

"اس لئے ادارہ روابط عامہ آپ کی خدمت سے قاصر ہے۔"

"ادارہ روابط عامہ نے اب تک کون سا کارنامہ انجام دیا ہے میرے لئے۔"

"محترمہ روحی! ڈاکٹر سلمان کی روحانی قوت ہی تھی جس نے آج تک کوئی حملہ کامیاب نہ ہونے دیا۔ اگر مجھے آپکے دشمن کی صحیح شخصیت کا علم ہوتا تو وہ کب کا آپ کے قدموں پر آ گرا ہوتا۔"

"خیر اسے جانے دیجئے۔" روحی نے کہا۔ "کیا آپ کو علم ہے کہ میرا باڈی گارڈ حملے والی

رات سے غائب ہو گیا تھا۔"

"مجھے علم ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ قطعی بے قصور ہے۔ اسے اغواء کیا گیا تھا محض اس لئے کہ اس حملے کا الزام اس کے سر آئے۔"

"تب تو آپ اغواء کرنے والوں کو بھی جانتے ہوں گے۔"

"نہیں...... میں صرف آدمی ہوں۔ کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں۔ آپ کے باڈی گارڈ شاہد کو اس بات کا علم تھا کہ آپ نے ہم سے مدد طلب کی ہے اور ہم آپ کے لئے کام کر رہے ہیں۔ لہٰذا شاہد نے ہمارے پاس آ کر ساری روداد بیان کی ہے۔ لیکن چونکہ آپ اس کی طرف سے غیر مطمئن ہوں گی اس لئے وہ آپ سے نہیں ملا۔ اغواء کرنے والے اسے ایک کار میں ڈال کر رام گڑھ سے دس میل کے فاصلے پر چھوڑ آئے ہیں۔ اس غریب کو وہاں سے پیدل آنا پڑا اور اس مضحکہ خیز اغواء کا مطلب بھی اس کی سمجھ میں آ گیا۔ لہٰذا وہ آپ کے پاس آنے کی ہمت نہیں کر سکا اور خود پولیس کی نظروں سے بھی چھپ رہا ہے۔ میں نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ اس واقعہ کی رپورٹ باقاعدہ طور پر درج کرائے لیکن اس کی ہمت ہی نہیں پڑی۔"

"وہ کہاں ہے۔" روحی نے پوچھا۔

"ضروری نہیں کہ وہ اب بھی وہیں ہو جہاں پہلے تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ہم سے رجوع کرنے کے بعد اس نے اپنی وہ قیام گاہ چھوڑ دی ہو۔ یقیناً چھوڑ دی ہو گی۔ جبکہ وہ اتنا ڈرپوک ہے۔"

"پھر بھی وہ پہلے کہاں تھا۔"

"کٹل بالا کے ایک چھوٹے سے ہوٹل اٹالیانو میں۔"

"شکریہ......! میں دیکھوں گی کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"محترمہ روحی! آپ تباہی کی طرف جا رہی ہیں۔ بغیر سمجھے بوجھے اجنبیوں پر اعتماد نہ کیجئے۔"

"آپ یہاں کے سپرنٹنڈنٹ پولیس کیپٹن ماتھر کو جانتے ہیں۔" روحی نے پوچھا۔

"انہیں کون نہ جانے گا۔"

"کیپٹن ماتھر کا خیال ہے کہ ڈاکٹر اوہان سرکاری طور پر کیپٹن حمید کہلاتے ہیں اور مرکزی سی آئی ڈی کے ایک ذمہ دار آفیسر ہیں۔"

"اوہو...... کیپٹن حمید...... شاید میں یہ نام پہلے بھی سن چکا ہوں...... ہاں...... اچھا...... یہ کرنل فریدی کے اسسٹنٹ تو نہیں ہیں۔"

"آپ ٹھیک سمجھے۔"

"تب تو محترمہ روحی آپ کی عقلمندی کی داد دوں گا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "اس بار آپ نے صحیح آدمی کا انتخاب کیا ہے۔"

"شکریہ...... اور اب اسی لئے میں آپ کو مزید تکلیف نہیں دینا چاہتی۔"

"کوئی بات نہیں مس روحی...... اس صورت میں آپ کی آدھی رقم واپس ہو سکتی ہے...... یعنی ساڑھے بارہ ہزار۔"

"رقم کی مجھے پرواہ نہیں ہے۔ خواہ آپ واپس کریں خواہ نہ واپس کریں۔"

"آپ بڑی دریا دل ہیں محترمہ روحی...... مگر یہ ساڑھے بارہ ہزار تو آپ کو واپس کئے ہی جائیں گے...... یہی ہمارا اصول ہے۔"

"آپ کی مرضی......!" روحی نے لاپروائی سے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

"ڈاکٹر سلمان......!" حمید نے ایک طویل سانس لی اور روحی کو غور سے دیکھنے لگا۔

روحی نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

"بڑے شریف لوگ ہیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "ساڑھے بارہ ہزار واپس کر دیں گے۔"

اس کے بعد اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ روحی کے ملازمین آ گئے تھے اور وہ کوٹھی کو رہائش کے قابل بنانے کے لئے روحی کی ہدایات کے مطابق ادھر اُدھر مصروف تھے۔

وہ دونوں باہر برآمدے میں بیٹھ گئے۔

آسمان میں سفید بادل صبح ہی سے منڈلا رہے تھے۔ اب اس وقت ہلکا سا ترشح بھی شروع ہو گیا تھا۔

"روحی......!" حمید نے اُسے بڑے پیار سے مخاطب کیا۔

"فرمائیے۔" روحی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"میری آخری خواہش پوری کرو...... اس کے بعد پھر پتہ نہیں میں کہاں ہوں۔"

"یعنی......!" روحی نے اسے غصیلی نظروں سے دیکھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو۔" حمید اسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں وائلن پر ایک گیت چھیڑوں اور تمہارے پیروں میں گھونگھرو ہوں۔ یہ ہے میری آخری خواہش اور یقین رکھو کہ رقص ختم ہونے سے پہلے ہی میں مر جاؤں گا۔"

"اور پھر پولیس تحقیقات شروع کر دے گی......کیوں؟" روحی مسکرائی۔

اچانک حمید نے اپنی کرسی سے چھلانگ لگائی اور بے تحاشہ اندر کی طرف بھاگا۔

ظاہر ہے کہ روحی بھی اس کی حرکت پر بوکھلا گئی ہوگی۔ اس نے بھی اس کا ساتھ دیا لیکن ساتھ ہی ہسٹریائی انداز میں چیخ چیخ کر پوچھتی بھی جا رہی تھی۔ "کیا ہوا......کیا ہوا۔"

"فادر آ گیا......؟" دفعتاً حمید نے اس کی طرف مڑ کر کہا اور اپنے کمرے میں گھس گیا۔

روحی جہاں تھی بُرا سا منہ بنائے ہوئے وہیں رک گئی۔ وہ حمید کے کمرے میں جانے کی بجائے پھر باہر جانے کے لئے دوسری طرف مڑ گئی۔

برآمدے میں پہنچتے ہی اس کی نظر پولیس کار پر پڑی جس سے ایک ایسا آدمی اُتر رہا تھا جو کم از کم اس عمر کا تو ہرگز نہیں تھا کہ حمید اسے فادر کہہ سکتا۔

روحی صرف ایک ہی بار اس سے نظر ملا سکی......دوسری بار اس کے چہرے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں پڑی۔ وہ ایسا ہی باوقار اور پُر رعب چہرہ تھا......خصوصاً آنکھیں تو بجلیوں کا خزانہ معلوم ہو رہی تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا برآمدے کی طرف آیا۔

"مس روحی آپ ہیں۔" اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"جج......جی ہاں......!" روحی ہکلائی۔

"کیپٹن حمید کہاں ہے۔"

"وہ......اندر ہیں۔"

"براہِ کرم بلوا دیجئے۔"

"ان......اندر تشریف لے چلئے......آپ بھی۔"

"ہو سکتا ہے آپ کسی غلط آدمی کو مدعو کر رہی ہوں۔" اس نے کہا۔

"مم......میں جانتی ہوں......آپ......فف......فریدی صاحب ہیں۔"

فریدی نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ "میں یہیں ہوں آپ اسے بلوا دیجئے۔"

روحی اندر چلی گئی......حمید اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

"آپ کے فادر آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔" روحی نے مسکرا کر کہا۔

"میں جانتا ہوں لہٰذا جانے سے پہلے تمہیں ایک وصیت کروں گا۔ میری لاش کے ساتھ ایک وائلن اور اپنے گھونگھروؤں کی ایک جوڑی دفن کر دینا۔ کیونکہ تم نے میری آخری خواہش پوری نہیں کی اس وقت میرے ستارے شائد حقہ پی رہے ہیں۔"

"جلدی کیجئے......وہ شائد زیادہ غصے میں ہیں۔"

"غصے میں ہیں تو شائد کفن مہیا کرنے کی بھی مہلت نہ ملے۔ لہٰذا مجھے اپنی کسی پھٹی پرانی ساری میں لپیٹ کر دفن کر دینا۔"

"کیا بیکار باتیں کر رہے ہیں......آپ چلئے۔" روحی اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔

برآمدے میں پہنچنے سے پہلے ہی حمید نے اس سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ یہاں فریدی نوشابہ سے قاسم کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔

نوشابہ بھی کچھ بوکھلائی ہوئی سی نظر آ رہی تھی اور اس کی قینچی کی طرح چلنے والی زبان ایک ایک لفظ پر لڑکھڑا رہی تھی۔ ویسے گفتگو میں ہنسنے کا سا انداز اب بھی شامل تھا۔

فریدی نے اس سے بہتیرے سوالات کئے۔ لیکن کسی بات پر تبصرہ نہیں کیا۔

پھر وہ پولیس کار کی طرف اشارہ کر کے حمید سے بولا۔ "چلو......!"

"اور سامان......!" حمید نے پوچھا۔

"اُسے یہیں رہنے دو۔"

"آپ چائے پئیں گے یا کافی۔" روحی نے پوچھا۔

"میری چائے یا کافی آپ پر اُدھار رہی۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "پھر سہی۔"

حمید چپ چاپ جا کر کار میں بیٹھ گیا۔ اگلی سیٹ پر ڈرائیور موجود تھا پھر فریدی بھی بیٹھ گیا اور کار پائیں باغ سے سڑک پر نکل آئی۔ حمید خاموش ہی رہا۔ فریدی بھی کچھ نہیں بولا...... کار چلتی رہی۔

کچھ دیر بعد وہ شہر میں پہنچ گئے۔ لیکن کار ان راستوں کو چھوڑتی جا رہی تھی جو کوتوالی کی طرف جاتے تھے۔

پھر وہ ایک عظیم الشان عمارت کے سامنے رک گئے۔ پھاٹک پر کھڑے ہوئے دو مسلح پہرے داروں نے ان کا استقبال کیا۔

اور پھر عمارت کے ڈرائینگ روم میں ایک سوگوار سی عورت انہیں ملی اس کی عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ چہرہ صحت مند لیکن غم کے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ آنکھیں کچھ ایسی ویران سی تھیں جیسے روتے روتے خشک ہوگئی ہوں۔

"کرنل......!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں آپ کی مشکور ہوں کہ آپ نے کیپٹن ماتھر کی درخواست پر تکلیف کی۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو تو اسے اپنی توہین نہ سمجھئے گا۔ تین دن سے...... پورے تین دن گذرے...... میں نہیں سمجھ سکتی کہ میرا جسم برف ہے یا پتھر۔ میرے ساتھ آیئے میں آپ کو زیادہ تکلیف نہیں دوں گی۔"

وہ دوسرے کمرے میں جانے کے لئے مڑی۔ فریدی خاموشی سے اس کے پیچھے ہولیا اور حمید شاید الجھن کے باوجود بھی اس کے ساتھ چلتا رہا۔ ایک طویل راہداری سے گذرنے کے بعد وہ ایک کمرے کے بند دروازے پر رک گئے۔

عورت فریدی کی طرف مڑ کر بولی۔ "اب مجھ میں اتنی سکت نہیں رہ گئی کہ اسے بار بار دیکھ سکوں۔ آپ اندر تشریف لے جایئے۔"

فریدی نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔ اس کے ساتھ ہی حمید بھی کمرے میں داخل ہوا۔ فریدی دروازے کے قریب ہی رک کر سیاہ رنگ کے ایک مجسمے کو دیکھنے لگا جو دروازے سے ڈیڑھ گز کے فاصلے پر دیوار سے ٹکا کھڑا تھا۔ وہ کسی برہنہ عورت کا مجسمہ تھا لیکن اُسے تراشنے والے نے سر پر بال نہ بنا کر اس کا سارا حسن ختم کر دیا تھا۔ فریدی اس کے بازو پر اپنی انگلی رگڑ کر

دیکھنے لگا۔ اس کی انگلی میں سیاہی چھوٹ آئی تھی۔

شعلہ لپکا تھا

حمید حیرت سے اس مجسمے کو دیکھ رہا تھا اس نے آج تک اتنا مکمل مجسمہ نہیں دیکھا تھا۔ ایسا مجسمہ جسے تراش کر منظر عام پر رکھنے کی ہمت کوئی بھی نہ کر سکتا۔ اچانک فریدی نے جیب سے قلم تراش چاقو نکالا اور اُسے کھول کر بعض جگہوں پر اس کی سطح کھرچنے لگا۔

"ہائیں......!" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "یہ تو کوئلے کا معلوم ہوتا ہے۔"

"ذرا صبر کرو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "شور نہ مچاؤ۔"

حمید نے پھر اُسے غور سے دیکھا۔ مجسمے کے پیروں میں سفید سویٹ کے سینڈل تھے۔ بیداغ سینڈل جیسے وہ الگ سے پہنائے گئے ہوں۔ پھر اس نے فریدی کو مجسمے کے پیروں کے پاس بیٹھے دیکھا۔ وہ بھی اس کے سفید سینڈلوں کو ٹٹول رہا تھا۔

پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر مخالف سمت کی دیوار کے روشندان کی طرف دیکھنے لگا جس کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"کیا یہ مجسمہ اپنی عریانیت کی بناء پر قانون کی گرفت میں نہیں آتا۔" حمید نے کہا۔

"نہیں......!" فریدی نے کہا اور سامنے والی میز کی طرف چلا گیا۔ یہ لکھنے پڑھنے کی میز تھی۔ اس کی داہنی جانب ایک شلف میں کتابیں لگی ہوئی تھیں۔ فریدی حمید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر نکل آیا۔

راہداری کے دوسرے سرے پر وہی سوگوار عورت موجود تھی، جو انہیں یہاں تک لائی تھی۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانک رکھا تھا۔

"آپ نے دیکھ لیا۔" ان کے قریب پہنچنے پر اس نے آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں......!" فریدی نے ایک طویل سانس لی۔

عورت خاموشی سے چلنے لگی۔ وہ دونوں اس کے ساتھ ہی چل پڑے۔ حمید کا دم گھٹ رہا تھا۔ اُسے محسوس ہورہا تھا جیسے وہ ہزار ہا سال پرانے کسی مقبرے میں چل رہا ہو۔

وہ پھر ڈرائینگ روم میں آ گئے۔ عورت انہیں بیٹھنے کو کہے بغیر خود ایک صوفے پر گر گئی۔ اس کی حالت عجیب تھی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے خواب میں حرکت کررہی ہو۔ اپنے گردوپیش سے بے خبر جو بول تو سکتی ہو لیکن سوچنے کی صلاحیت کھو بیٹھی ہو۔

فریدی خود ہی بیٹھ گیا اور اس نے حمید کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''بارات باہر موجود ہے۔'' عورت ان کی طرف دیکھے بغیر بڑبڑائی۔ ''اب کون ہے اب کس پر بجلی گرے گی۔''

''کیا آپ میرے چند سوالات کا جواب دیں گی۔'' فریدی بولا اور وہ اس طرح چونک پڑی جیسے اب تک ان کی موجودگی سے بے خبر رہی ہو۔

''ضرور جواب دوں گی۔'' اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

''کیا...... آپ کے اعزہ میں سے کوئی اور بھی امیدوار تھا۔''

''میں نہیں جانتی۔ اگر رہا بھی ہو تو میرے علم میں نہیں تھا۔''

''صاحبزادی کو یہ رشتہ منظور تھا۔''

''جہاں تک میرے علم میں ہے اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔''

''اسکی سہیلی کے متعلق آپ کیسے خیالات رکھتی ہیں۔ جو اس وقت کمرے میں موجود تھی۔''

''بہت اچھے خیالات۔ میں اسے اس وقت سے جانتی ہوں جب وہ آٹھ برس کی تھی۔''

''میں صاحب زادی کے مرد دوستوں کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔''

''یہی کہ کوئی ایسا بھی تھا جس کا شمار گہرے دوستوں میں کیا جاسکے۔''

''اس کا کوئی مرد دوست تھا ہی نہیں۔''

''یہ آپ کس بناء پر کہہ سکتی ہیں۔''

''میں نے اُسے آج تک کسی مرد کے ساتھ نہیں دیکھا۔''

''اعزہ میں بھی کوئی ایسا نہیں تھا۔''

''نہیں...... کوئی اس کا ہمسن ایسا نہیں تھا۔''

''پھر......!'' فریدی نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''پھر میں کیا بتاؤں...... ماتھر صاحب نے آپ کا نام لیا تھا کہ اس سلسلے میں کچھ کرسکیں گے۔ بتائیے آپ کیا کرسکتے ہیں۔''

''ابھی میں کچھ بھی نہیں کرسکتا محترمہ......!''

''پھر آپ کو ماتھر صاحب نے خواہ مخواہ تکلیف دی۔ میں تنہائی چاہتی ہوں۔''

عورت کے لہجے میں بیزاری تھی۔ فریدی نے حمید کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ عورت ان کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

فریدی کسی قسم کی رسمی گفتگو کے بغیر ڈرائینگ روم سے نکل آیا۔ کار کمپاؤنڈ کے باہر تھی۔

فریدی نے خاموشی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر حمید کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ پھر خود بھی بیٹھ کر دروازہ بند کردیا۔

''دلکشا......!'' اس نے ڈرائیور سے کہا۔

''دلکشا......!'' حمید نے حیرت سے دہرایا۔

''میرا قیام وہیں ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''کس نام سے۔''

''احمد کمال فریدی۔''

''آپ نے غلطی کی ہے۔ قاسم والے معاملے میں دلکشا بھی مشتبہ ہے۔''

''ہوگا...... مجھے فی الحال قاسم کی فکر نہیں ہے۔ اس کے لئے تم بھگتو...... اس کی سو فیصدی ذمہ داری تم پر ہے۔''

''مجھ پر کیوں ہے...... وہ کوئی دودھ پیتا بچہ ہے۔''

''اس سے بھی بدتر...... تم اُسے بندر کی طرح نچاتے ہو۔''

''اغواء کرنے والے اس کے باپ سے کسی بڑی رقم کا مطالبہ کریں گے۔''

فریدی کچھ نہیں بولا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اس نے ڈرائیور سے کہا۔ ''گاڑی روکو۔''

لیکن کار بدستور اسی رفتار سے چلتی رہی۔

''کیا تم نے سنا نہیں۔'' فریدی غرایا۔

''میں بہرا ہوں جناب......'' ڈرائیور نے چیخ کر کہا اور کار کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز کردی۔

''گاڑی روک دو۔''

''روکنے کی ترکیب مجھے بالکل یاد نہیں......بھول جانے کے مرض کا پرانا شکار ہوں۔''

''میں تمہاری ہڈیاں چور کردوں گا۔''

''کوشش کر کے دیکھو......'' ڈرائیور نے جواب دیا۔ ''شائد کار بھی چور چور ہو جائے۔ میرے سینے پر لال نشان ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ ضرورت پڑے تو اپنی زندگی کی حفاظت کرنا بھی چھوڑ دو......اگر تم بات زیادہ بڑھاؤ گے تو کار کو کسی بلڈنگ سے ٹکرا کر خود بھی فنا ہو جاؤں گا۔''

''نہیں دوست اس کے بجائے تم ایل۔ ایم کے طیارے سے میڈرڈ تک کا خوشگوار سفر کر سکتے ہو۔'' حمید نے کہا۔

ڈرائیور نے کوئی جواب نہ دیا۔ کار چلتی رہی۔ وہ ایسی سڑک پر چل رہی تھی جس پر ٹریفک بھی کم تھا اور ابھی تک کوئی چوراہا بھی نہیں ملا تھا۔

''وہ موٹا آدمی یقیناً کوئی دودھ پیتا بچہ ہے۔'' ڈرائیور نے کہا۔ ''لیکن تم لوگ کافی عقلمند معلوم ہوتے ہو۔''

فریدی کچھ نہیں بولا۔ لیکن حمید نے کہا۔ ''جہاں لے جا رہے ہو وہاں لڑکیوں کی پیداوار کیسی ہے۔''

''بہت اچھی......گھاس پھوس کی طرح اگتی ہیں۔''

''اب نہایت صبر و سکون کے ساتھ چلوں گا۔ تم مطمئن رہو۔''

''شکریہ۔'' ڈرائیور نے جواب دیا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسی صورت میں کیا ہو سکے گا لیکن فریدی اتنے اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

''اب کیا ہوگا......!'' حمید نے بے بسی سے کہا۔

''تمہاری شادیاں......وہاں لڑکیاں گھاس پھوس کی طرح اگتی ہیں۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''ضروری نہیں کہ یہ حضرت سچ ہی بول رہے ہوں۔''

''اگر یہ جھوٹ ثابت ہوا تو پھر میں ان سے سمجھ لوں گا۔'' فریدی نے جواب دیا۔

کار شہر سے نکل آئی تھی اور اب ایک ایسی سڑک پر چل رہی تھی جس کی بائیں جانب سینکڑوں فٹ گہری کھائیاں تھیں۔

حمید بالکل ہی مایوس ہو چکا تھا وہ جانتا تھا کہ اب یہ کار وہیں رکے گی جہاں ڈرائیور لے جانا چاہتا ہے۔

''کیوں دوست......!'' اس نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ ''ہمارے پہنچنے کی رسید بھی کسی کو ملے گی یا نہیں۔''

''اب میں بالکل بہرا ہو گیا ہوں......لہٰذا کسی بات کا جواب نہیں ملے گا۔''

''مگر یہ تو بتانا ہی پڑے گا کہ قیام و طعام کے مصارف کس کے ذمہ ہوں گے۔''

''بہتر یہی ہے کہ خاموش بیٹھو۔'' ڈرائیور نے مشورہ دیا لیکن فریدی نے اسے اشارہ کیا کہ وہ اُسے باتوں میں الجھائے رہے۔

''مانا کہ تم ہمارے دشمن ہو۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم لوگ خاموش بیٹھیں۔ اگر تم بھٹاریوں کی طرح تو تو میں میں کرنا چاہتے ہو تو کوئی اچھا سا فلمی گیت سناؤ۔''

''اچھا تو سنو......میں تمہیں نثر میں کچھ سناتا ہوں۔ تم دونوں موت کے منہ میں جا رہے ہو کسی کو تمہاری ہڈیاں بھی نہ مل سکیں گی۔''

''یہ خبر ہے یا پیشین گوئی۔ اگر پیشین گوئی ہے تو مجھ جیسا ستارہ شناس اسے غلط قرار دیتا ہے۔ ویسے تم کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنسنے والے ہو......سمجھے!''

''بشرطیکہ وہ مصیبت موت سے زیادہ تکلیف دہ ہو۔''

"تو کیا سچ مچ تم یہ کار کسی کھڈ میں گرا سکتے ہو۔"

"تم مجھے روکنے کی کوشش کر کے دیکھ لو۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ اس نے فریدی کی طرف دیکھا جو پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر ایک پیر پائیدان پر رکھ چکا تھا اور اب کار ایک ایسی جگہ سے گذر رہی تھی جہاں دونوں طرف اونچی اونچی چٹانیں تھیں۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سڑک کے جوڑ ہی سے دونوں طرف دیواریں سی اٹھا دی گئی ہوں۔ حمید نہیں سمجھ سکا کہ فریدی کیا کرنا چاہتا ہے۔

ساتھ ہی ڈرائیور نے کہا۔ "کیوں دوست کیا ارادے ہیں۔"

"چھلانگ لگاؤں گا خواہ سر کے ہزار ٹکڑے ہو جائیں۔" فریدی نے کہا اور ساتھ ہی ایک زوردار دھاکہ ہوا اور کار گویا اچھل سی گئی۔ ڈرائیور نے پورے بریک لگا دیئے مگر فریدی بریک لگنے سے پہلے ہی اندر پہنچ چکا تھا۔ ورنہ سچ مچ اس کا سر کسی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا۔

یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ ڈرائیور کی سمجھ میں کچھ نہ آسکا۔ ویسے کار روک دینے کا فعل اس سے بالکل اسی طرح سرزد ہوا تھا جیسے کوئی تنہا آدمی کسی تیز قسم کی آواز پر بیساختہ چونک پڑے۔ بہر حال اب اس کی گردن فریدی کی گرفت میں تھی اور وہ اسے بڑی بے دردی سے گھونٹ رہا تھا۔ ڈرائیور کی آنکھیں اُبلی پڑ رہی تھیں۔

حمید اس کا سر سہلانے لگا۔

"گھبراؤ نہیں...... ڈرو نہیں۔ فوراً مشکل آسان ہو جائے گی۔" وہ دلاسہ دینے والے انداز میں اس سے کہہ رہا تھا۔

جلد ہی ڈرائیور نے ہاتھ ڈال دیئے۔ وہ دونوں یہی سمجھے کہ وہ بیہوش ہو گیا ہے۔ لیکن وہ یہ نہ دیکھ سکے کہ اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں رینگ گیا ہے۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ ہاتھ جیب سے نکل کر اس کے ہونٹوں کی طرف گیا اور ایک کان پھاڑ دینے والی آواز فضا میں منتشر ہو کر رہ گئی۔ اتنی تیز سیٹی کسی ریلوے انجن کی بھی نہ ہوتی ہو گی۔

فریدی نے الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ لیکن وہ چیز اسے نظر نہ آسکی جو وہ اپنے ہونٹوں تک لے گیا تھا۔

"منہ میں ہے...... اس کے۔" حمید نے کہا۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کوئی بڑی سی چیز نگلنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس کے حلق سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے جسم میں تشنج شروع ہو گیا۔

ایک منٹ کے اندر ہی اندر ان کے سامنے ایک اکڑی ہوئی لاش پڑی تھی۔

فریدی نے حمید کو کھینچتے ہوئے کہا۔ "نیچے اترو...... یہ سیٹی کوئی نئی مصیبت لا رہی ہو گی۔"

فریدی اسے نیچے کھینچ کر اترائی کی طرف دوڑنے لگا۔

"کار ہی پر کیوں نہ نکل چلیے۔" حمید نے کہا۔

"اوہ...... احمق...... وہ تو پہلے ہی بیکار ہو چکی ہے۔ میں نے بائیں ہاتھ سے گولی چلا کر اس کا اگلا ٹائر پھاڑ دیا تھا۔"

"تب تو معاملہ خلاص۔" حمید نے بے بسی سے کہا۔ وہ یقیناً خطرے کی سیٹی تھی۔ وہ دوڑتے رہے اور ایک طرف کی چٹانوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ مگر نیچے اترنا آسان کام نہیں تھا۔

اچانک کسی طرف سے ایک فائر ہوا اور گولی قریب ہی کی ایک چٹان سے ٹکرائی۔ وہ دونوں بڑی پھرتی سے سڑک پر لیٹ گئے اور کھسکتے ہوئے دوسری طرف کی چٹانوں سے جا لگے۔ اوپر سے پھر دو تین فائر ہوئے لیکن وہ ان کی زد پر نہیں تھے۔

"حمید صاحب......!" فریدی اپنا ریوالور نکالتا ہوا بولا۔ "اس میں بس چھ گولیاں ہیں۔"

"میرے پاس دو ریوالور اور ڈیڑھ سو گولیاں ہیں۔" حمید چہک کر بولا۔

"شاباش...... اب تم کام کے آدمی ہوئے ہو۔ ایسے خطرات میں بھی اب تمہارا مسخرہ پن جاگتا رہتا ہے۔"

"مسخرہ پن...... ارے جناب میں سچ عرض کر رہا ہوں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس وقت آخری مسخرہ پن میری بیہوشی ہوتی۔ کیا آپ نے میرے جیکٹ پر غور نہیں کیا۔ یہ وہی جیکٹ ہے جس کے استر میں کارتوس رکھنے کے لئے ڈیڑھ سو خانے ہیں۔"

"میں نے تمہاری ساری خطائیں معاف کر دیں فرزند......!" فریدی اس کی پیٹھ ٹھونکتا ہوا

بولا۔ ''اب دوسری طرف منہ کر کے میری پشت سے پشت ملالو۔ بڑی شاندار تفریح رہے گی۔ ہوسکتا ہے کہ دوسری طرف سے بھی حملہ ہو۔ اپنی نظر اوپر ہی رکھنا۔

حمید نے جلدی جلدی کچھ کارتوس نکال کر فریدی کو دیئے اور اس کی پشت سے پشت ملا کر بیٹھ گیا۔ دیر سے فائر نہیں ہوا تھا۔ یہ چیز باعث تشویش تھی۔ اچانک فریدی کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ کھائیوں کے پار ایک پہاڑی پر دو تین آدمی نظر آئے۔

کھسکو...... کھسکو......!'' فریدی اسے دوسری طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ پھر وہ دونوں اٹھ کر بھاگے اور بیک وقت دو تین فائر ہوئے۔ وہ لوگ ریوالور کی مار سے باہر تھے اور ان کے پاس رائفلیں تھیں۔ لیکن یہ ان دونوں کی خوش قسمتی ہی تھی کہ انہیں ایک بڑے پتھر کی آڑ مل گئی۔ مگر اب دوسری طرف کی چٹانیں پہلے سے بھی زیادہ مخدوش ہوگئی تھیں۔ رائفل والوں سے بچنے کے لئے انہیں ان کے نیچے سے ہٹنا پڑا تھا۔ اچانک فریدی کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور اوپر سے ایک آدمی نیچے ٹپک پڑا۔ مگر وہاں کئی اور بھی تھے۔ فریدی نے پھر فائر کیا۔ اوپر سے بھی کئی فائر ہوئے اور ان کے جسم چھلنی ہی ہو جاتے اگر فریدی حمید کو کھینچتا ہوا دوسری طرف نہ کود جاتا...... اونچائی زیادہ تھی۔ دونوں کے چوٹیں آئیں۔ ادھر پہاڑی سے رائفلوں نے باڑھ ماری لیکن ان کے فائر خالی گئے۔ یہاں سڑک کے نیچے اوٹ کے لئے بے شمار چٹانیں بکھری پڑی تھیں۔ وہ پہاڑی والے دشمنوں سے بھی محفوظ ہوگئے۔

''حمید تمہارے پاس دو ریوالور ہیں نا'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں......!''

''اچھا تو تم اسی چٹان کی اوٹ سے پہاڑی کی طرف تھوڑی تھوڑی دیر بعد فائر کرتے رہو۔ کبھی کبھی ایک آدھ فائر سڑک کی سمت بھی کر دینا۔ میں ان تینوں آدمیوں سے تو نپٹ ہی لوں جو پہاڑی پر ہیں۔ وہ بالکل کھلے میں ہیں۔ مطمئن ہیں کہ اتنی دور سے ہم ان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکیں گے۔'' اتنا کہہ کر فریدی داہنی طرف کے نشیب میں اتر گیا۔

حمید پہاڑی کی طرف فائر کرتا رہا اور ادھر سے بھی فائر ہوتے رہے۔ سڑک کی طرف سے بھی اکثر ایک آدھ فائر کی آواز آجاتی تھی۔ حمید بھی کبھی کبھی دوسرے ریوالور سے ادھر فائر کر دیتا

لیکن اسے سب سے زیادہ خدشہ سڑک ہی کی طرف سے تھا۔ اگر وہ لوگ چٹانوں سے سڑک پر اتر آئے تو جان بچانا مشکل ہوگا۔ یہ سوچ کر حمید کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں وہ دونوں کے حملوں سے بچ سکتا۔

وہ جلد ہی کامیاب ہوگیا۔ اُسے ایک ایسی چٹان مل گئی جس کے درمیان میں ایک کافی چوڑی دراڑ تھی۔

دفعتاً پہاڑی کی طرف سے پھر باڑھ ماری گئی۔ لیکن شائد اس کا جواب فریدی کے پے در پے فائروں نے دیا اور ساتھ ہی کئی چیخیں بھی فضا میں لہرائیں۔ حمید پہاڑی کی طرف سے ویسے بھی مطمئن تھا۔ لیکن سڑک کی سمت محفوظ نہیں تھا۔

یک بیک اسے سڑک پر کسی کا سر نظر آیا تھا۔ شاید کوئی سڑک پر اوندھا لیٹ کر نیچے کا جائزہ لے رہا تھا۔

حمید نے فائر جھونک دیا۔ گولی نشانے پر بیٹھی اور وہ آدمی اچھل کر نیچے آرہا اور پھر شائد اسے تڑپنے کی مہلت بھی نہیں ملی کیونکہ گولی ٹھیک تالو پر بیٹھی تھی۔

اتنے میں اسے فریدی دکھائی دیا جو اوپر آرہا تھا۔ حمید نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا اور پھر سڑک کی طرف اشارہ کیا۔ ساتھ ہی اس نے جھانک کر سڑک کی طرف بھی دیکھا لیکن وہاں سناٹا تھا۔ دیر سے فائر بھی نہیں ہوا تھا۔ اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد وہ سینے کے بل کھسکتا ہوا باہر نکلا اور نشیب میں اترتا چلا گیا۔

''اب نکل چلو چپ چاپ۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

وہ دونوں چٹانوں کی اوٹ میں ایک طرف چلتے رہے۔ پہاڑی کے نیچے حمید کو تین لاشیں دکھائی دیں۔ فریدی نے وہاں رک کر دو رائفلیں اور کارتوسوں کی دو پیٹیاں اٹھائیں۔

''ہوسکتا ہے ابھی گلوخلاصی نہ ہوئی ہو...... اس لئے رائفلیں بھی ضروری ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے ایک رائفل لے لی اور چلتا رہا۔

کچھ دیر بعد پھر بہت سے فائر ہوئے۔ آواز دور کی تھی۔

''اب شائد وہ ہوا سے لڑ رہے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''شائد......!'' فریدی بڑبڑایا۔''میرا خیال ہے کہ اب پھر کوئی بہت بڑا فتنہ اٹھنے والا ہے
''اگر یہ لوگ وہی تھے جنہوں نے قاسم کو اغواء کیا تھا تو انہیں حیرت انگیز طور پر منظم ہو
جانا چاہئے۔ کیا اپنی زندگی میں پہلے بھی کبھی تم نے اتنی تیز آواز والی سیٹی سنی تھی۔ وہ سیٹی جس کی آواز
کا دارومدار آدمی کی سانس پر ہو۔''

''نہیں......وہ یقیناً حیرت انگیز تھی۔''

''اور پھر وہ اُسے نگل گیا تھا......اس کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ وہ سیٹی ہمارے ہاتھ نہ لگ
پائے اور اسے نگلتے ہی وہ مر گیا تھا۔ معمولی چوروں اور ڈاکوؤں میں گروہ کے لئے قربانی کا جذبہ
نہیں پایا جاتا۔''

''ہاں...... یہ بات بھی قابل غور ہے۔''

''معمولی ڈاکوؤں میں اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ اتنی دیدہ دلیری سے پولیس کار استعمال کر سکیں۔''

''کار آپ نے کوتوالی ہی سے لی تھی۔''

''نہیں...... ماتھر کو اس کے لئے دلکشا سے فون کیا تھا۔''

''اوہ......تو کار وہیں آ گئی تھی۔''

''ہاں......!''

''پھر اب کیا خیال ہے دلکشا کے متعلق......!''

''قیام تو وہیں رہے گا حمید صاحب......ویسے اب مجھے بھی یقین ہو چلا ہے کہ ان لوگوں کا
کچھ نہ کچھ تعلق دلکشا سے ضرور ہے۔''

''اس کے منیجر کو نگرانی میں ضرور رکھئے گا۔ وہ ہزاروں سُوروں کا ایک سُور ہے۔''

پھر وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ اب بھی احتیاطاً وہ چھپتے چھپاتے چل رہے تھے۔ جیسے
انہیں یقین ہو کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہوگا۔

''حمید......!'' فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔''اس واقعے سے بھی زیادہ حیرت انگیز
لاش تھی۔''

''کون سی لاش......!''

''وہی مجسمہ جسے تم اخلاقی اعتبار سے غیر قانونی کہہ رہے تھے۔''

''وہ لاش تھی۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ پھر ہنس کر بولا۔''نہیں......آپ شائد مذاق
کے موڈ میں ہیں۔''

''نہیں برخوردار سنجیدہ ہوں......وہ لاش ہی تھی ایک حیرت انگیز لاش۔ دنیا میں پہلی مثال
......ایک جلی ہوئی لاش جس کے خدوخال میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ تم نے اب تک
درجنوں جھلسی ہوئی لاشیں دیکھی ہوں گی لیکن کیا وہ اس قابل تھیں کہ انہیں شناخت کرنے میں کوئی
دشواری نہ ہوتی۔''

''نہیں......اگر وہ لاش ہی تھی تو اس سے بڑا عجوبہ شائد روئے زمین پر نہ ملے۔''

''اس لڑکی کی بارات آئی تھی۔ نکاح ہونے ہی جا رہا تھا کہ وہ کوئلے کے مجسمے میں تبدیل
ہو گئی۔ یہ واقعہ اسی کمرے میں پیش آیا تھا۔ لڑکی کے ساتھ اس کی ایک سہیلی بھی تھی جس کا بیان
ہے کہ اسے روشندان میں ایک شعلہ سا دکھائی دیا تھا۔ پھر اُسی شعلے سے آگ کی ایک باریک سی
لکیر نکل کر لڑکی کے سر پر پڑی تھی۔ سہیلی کے بیان کے مطابق پہلے وہ نیچے سے اوپر تک کسی تپے
ہوئے لوہے کی طرح سرخ ہو گئی پھر اُسی طرح آہستہ آہستہ وہ سرخی غائب ہوتی رہی جیسے لوہا
ٹھنڈا ہوتا ہے۔ سرخی ختم ہو جانے کے بعد وہاں لڑکی کے بجائے سیاہ رنگ کا ایک مجسمہ نظر آیا۔

''کہیں وہ عورت ہمیں بیوقوف تو نہیں بنا رہی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

''ماتھر نے اسی لئے آپ کو بلایا تھا۔''

''ہاں...... بلایا تو اسی لئے تھا لیکن پھر یہاں پہنچنے پر تمہاری حرکتوں کا علم ہوا۔''

''اور اس کے باوجود بھی آپ دلکشا میں جا پہنچے۔''

''حالات کا علم ہو جانے کے بعد تو وہاں قیام کرنا بہت ضروری ہو گیا تھا......میں دیکھوں گا
کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔''

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 57

دوسرا شعلہ

(دوسرا حصہ)

تاریک راستے

وہ کچھ دیر تک خاموشی سے چلتے رہے پھر دفعتاً فریدی ایک جگہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم نرغے میں لئے جا رہے ہیں۔"

"کیوں......؟ کیسے معلوم ہوا آپ کو......؟"

"چھٹی حس...... ٹھہرو یہاں اس جگہ ہم اپنا بچاؤ کر سکیں گے۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ہو سکتا ہے آگے ہم کسی کھلی جگہ پر پہنچ جائیں...... وہ دیکھو......!"

فریدی نے بائیں جانب والی چٹانوں کے سلسلے کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا...... میں نہیں سمجھا......!"

"وہ دیکھو......!"

"اوہ...... وہ دھواں۔"

"ہاں...... ایسا ہی دھواں جیسے کوئی سگریٹ پی رہا ہو۔"

"پھر کیا کیا جائے۔"

"کچھ نہیں...... ادھر نشیب میں اتر چلو...... یہاں ہم اپنا بچاؤ کر سکیں گے۔ اب ہمارے پاس

دور رائفلیں بھی ہیں۔"

پھر وہ ڈھلوان میں اترتے چلے گئے۔ اس طرح ان کا ایک پہلو محفوظ ہو گیا۔ اب صرف اس طرف کی چٹانوں سے انہیں خطرہ ہو سکتا تھا جدھر انہوں نے سگریٹ کا دھواں دیکھا تھا۔ حمید اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوچ سکا۔

وہ کافی دیر تک ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں چھپے رہے لیکن دھوئیں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ ان کے سروں پر ایک پہاڑی عقاب چکر لگاتا ہوا تیز آوازیں نکال رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہیں کہیں قریب ہی اس کا گھونسلا رہا ہو۔

حمید نے دھوئیں کی طرف دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔ "اسکی سگریٹ ختم ہی ہونے کو نہیں آتی۔"

"یہ سگریٹ کا دھواں نہیں ہو سکتا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"پھر...... ابھی تو آپ ہی نے کہا تھا۔"

"کہا تھا...... جب تک غور نہ کیا جائے یہی کہا جا سکتا ہے۔ مگر میں اسے دیر سے دیکھ رہا ہوں۔ دھواں اوپر اٹھنے کے وقفے نپے تلے معلوم ہوتے ہیں کسی آدمی سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ہر تیس سیکنڈ کے بعد سگریٹ کے کش لے گا۔ حمید صاحب، اکتیسواں سیکنڈ بھی نہیں ہونے پاتا۔ میں کافی دیر سے دیکھ رہا ہوں۔"

"پھر یہ دھواں کیسا ہے۔"

"مشینی...... سو فیصدی مشینی۔"

"مگر اس کا حجم تو زیادہ نہیں تھا۔"

"حجم کی کمی یا زیادتی سے کیا سروکار۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی بہت ہی چھوٹے سوراخ سے نکل رہا ہو۔"

"تو پھر ہمیں اپنی راہ کھوٹی نہ کرنی چاہئے۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "ہم خواہ مخواہ یہاں بیٹھے مکھیاں مار رہے ہیں۔"

"حمید صاحب! اگر ہم اس ڈھلان کی بجائے دوسری طرف کی ڈھلان میں اترتے تو مکھیاں ہمیں مار لیتیں۔"

"کیوں...... ؟ میں نہیں سمجھا۔"

"یہ دھواں دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اسے دیکھ لینے کے بعد ہم پر قدرتی ردعمل یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہم دوسری جانب والی ڈھلان میں اتر جاتے لیکن ہم اسی طرف چلے آئے۔ میرا دعویٰ ہے کہ دوسری جانب والی ڈھلان میں کئی آدمی ہماری تاک میں ہوں گے۔"

"میں اس دعوے کا ثبوت نہیں مانگوں گا۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "بس اب چپ چاپ نکل ہی چلئے...... اسی میں عافیت ہے۔"

"اُلو......!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ایسے دلچسپ مواقع اتفاق ہی سے ہاتھ آتے ہیں۔"

"ارے تو کفن بھی روز روز نہیں نصیب ہوتا۔" حمید جھلا گیا۔

"ڈرو نہیں۔ اگر تم مر بھی گئے تو میں تمہاری قبر پر ایک بڑی شاندار عمارت بنواؤں گا۔"

"اور اس پر لکھوا دیجئے گا سرکاری بوچڑ خانہ...... اب چلئے بھی یہاں سے۔"

"چلو......!" فریدی پتھر کی اوٹ سے نکل کر ایک طرف چلنے لگا لیکن وہ اب بھی ڈھلوان ہی میں چل رہے تھے۔ کافی دور نکل جانے کے بعد بھی حمید مڑ مڑ کر اس دھوئیں کو دیکھتا رہا، جو اب بھی پہلے ہی کی طرح فضاء میں ابھرتا اور منتشر ہو جاتا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں کو علم ہے کہ ہم دونوں ادھر ہی سے گذریں گے۔ کیا یہ ممکن ہے؟ اگر نہیں تو پھر اسی جگہ یہ دھواں کیوں دکھائی دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں حمید اسے فریدی کا وہم سمجھنے پر مجبور ہو گیا۔ اگر انہیں معلوم تھا کہ ہم ادھر ہی سے گذر رہے ہیں تو اس شعبدے بازی سے کیا فائدہ گھیر کر مار کیوں نہیں لیتے۔

اچانک فریدی چلتے چلتے رک گیا۔

"آج آپ کوئی زبردست غلطی کریں گے۔" حمید بولا۔

"اگر وہ غلطی ہی ہوئی تو افسوس کرنے کا موقع نصیب نہ ہو گا...... وہ دیکھو...... ادھر...... تین جگہوں پر ویسا ہی دھواں...... اُف فوہ...... اب ہم پوری طرح گھر گئے۔ مگر ٹھہرو۔"

وہ خاموش ہو کر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے بچاؤ کے راستے تلاش کر رہا ہو مگر پھر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر بولا۔ "اچھی طرح گھر گئے...... ذرا ہوش و حواس درست رکھنا۔"

وہ پھر پیچھے مڑے لیکن اس بار حمید کو یقین ہو گیا کہ یہ آخری سفر ہے۔ کیونکہ چاروں طرف کی چٹانیں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازوں سے گونجنے لگی تھیں۔ دفعتاً فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر

کھینچا اور پتلی سی دراڑ میں اترتا چلا گیا۔ یہ سوچے بغیر کہ اس اقدام کا انجام کیا ہوگا۔ دراڑ اتنی تنگ تھی کہ حمید کے شانے دونوں طرف سے رگڑ کھا رہے تھے اور دم تو اسی وقت گھٹنے لگا تھا جب اس نے اس میں قدم رکھا تھا۔ سامنے گہرا اندھیرا تھا اور یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ان کا اگلا قدم انہیں تحت الثریٰ میں لے جائے گا یا وہ اسی طرح آسانی سے چلتے رہیں گے۔

"ڈرو نہیں چلے آؤ۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور حمید نے اس کے ہاتھ میں ننھی سی ٹارچ دیکھ لی جو ہمیشہ اس کی جیب میں پڑی رہا کرتی تھی۔ یہ وہی ٹارچ تھی جو فریدی خانہ تلاشیوں میں استعمال کیا کرتا تھا۔

اب حمید کی جان میں جان آئی۔ لیکن پشت کی طرف سے بدستور خطرہ باقی تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس دراڑ میں ان کی نظر بھی پڑ سکتی ہے۔ مگر پھر خیال آیا کہ اتنی تنگ دراڑ میں گھسنے کا خطرہ شائد ہی کوئی مول لے سکے۔

وہ چلتے رہے ان کے پیروں کے نیچے ناہموار زمین ضرور تھی لیکن ایسی بھی نہیں کہ انہیں چلنے میں دشواری ہوتی۔ ایک جگہ فریدی رک گیا۔ یہاں اتنی کشادگی تھی کہ وہ دونوں برابر سے بہ آسانی کھڑے ہو سکتے تھے۔

یہاں پہنچ کر حمید نے اپنے چہرے پر سرد ہوا کے جھونکے محسوس کیے لیکن فریدی کی ٹارچ ایک گہرے غار کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ آگے راستہ نہیں تھا۔ نیچے تاریکی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا اور ان کے سامنے کی خلاء بھی شائد کافی وسیع تھی۔ کیونکہ ٹارچ کی روشنی کی رسائی سامنے کی چٹانوں تک نہیں ہو سکی تھی۔ اب فریدی نے دائیں بائیں بھی روشنی ڈالنی شروع کی۔ بائیں طرف پاؤں رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی لیکن دائیں جانب انہیں ایک کشادہ چٹان مل گئی۔

"ادھر......!" فریدی آہستہ سے بولا اور ٹارچ کی روشنی اس چٹان پر پڑی وہ دونوں تنگ دراڑ سے اس چٹان پر رینگ گئے۔

"میں تو بیٹھتا ہوں اب......!" حمید بڑبڑایا۔

"تم لیٹ بھی سکتے ہو۔" فریدی نے جواب دیا۔ اس کی آواز میں اب بھی پہلے ہی کی سی شگفتگی موجود تھی۔

حمید سچ مچ اس چٹان پر لیٹ گیا۔ اس کی سانسیں چڑھی ہوئی تھیں۔ بہر حال اب گھٹن کا

احساس باقی نہیں رہا تھا کیونکہ دائیں جانب سے سرد ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے برابر آ رہے تھے۔

حمید نے ہاتھ پیر پھیلا کر ایک طویل انگڑائی لی اور دردناک آواز میں کراہا۔ "یہ مصیبت خود میں نے ہی گلے لگائی ہے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "تمہاری درد بھری داستان پھر کبھی سن لوں گا۔"

"مگر یہ تو بتا ہی دیجئے کہ میں زندہ ہوں یا......!"

"تم پیدا ہوتے ہی مر گئے تھے۔ پرواہ نہ کرو۔ بس یہیں چپ چاپ پڑے رہنا میں آگے بڑھ کر دیکھتا ہوں۔"

فریدی اسی کشادہ چٹان پر چلنے لگا۔ پھر رک کر بولا۔ "دراڑ کے دہانے پر خیال رکھنا۔ بیک وقت دو آدمیوں سے زیادہ تمہارے سامنے نہ آسکیں گے اور دو آدمیوں کو روکنے کی ہمت تم میں ضرور ہوگی۔"

"میں اس وقت پونے دو آدمیوں سے بھی نپٹنے کی سکت نہیں رکھتا۔ پہاڑی آب و ہوا کا جانور نہیں ہوں۔ میری پرورش کولتار کی شفاف اور سپاٹ سڑکوں پر ہوئی ہے۔"

فریدی جواب دینے کی زحمت گوارا کیے بغیر آگے بڑھ گیا۔

حمید چند لمحے یونہی بے حس و حرکت پڑا رہا پھر جیب سے ریوالور نکال کر اس کا رخ دراڑ کے دہانے کی طرف کر دیا۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ اس نے اپنی ذہنی اور جسمانی کیفیت کے متعلق فریدی سے جو کچھ کہا تھا غلط نہیں تھا۔ اور اب یہاں ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے نہ جانے کیوں اسے اسی طرح تھپکنا شروع کر دیا تھا جیسے وہ شراب پیے رہا ہو۔ کچھ عجیب سی نیم غنودہ قسم کی کیفیت اس کے ذہن پر طاری تھی ورنہ اسے کم از کم اس ہلکی سی آواز کا احساس تو ہو ہی جاتا جو دراڑ کے دہانے کی طرف سے آئی تھی۔ ویسے وہ اس وقت چونکا جب کسی بہت ہی طاقتور ٹارچ کی روشنی اس پر پڑی۔ پھر اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکا اور نہ یہی اس کی سمجھ میں آسکا کہ حملہ آور تعداد میں کتنے ہیں۔ اس کے ذہن کی نیم غنودہ سی کیفیت گہری نیند میں تبدیل ہوگئی البتہ اس نے کسی کو یہ کہتے ضرور سنا تھا۔

"آہا...... یہ تو وہی ہے۔"

اس نے کچھ اور بھی کہا تھا لیکن اس کے الفاظ سوتے ہوئے ذہن کے دھندلکوں میں مدغم ہو گئے تھے۔



فریدی چلتا رہا...... اسے ایک جگہ بھی رکنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔ کیونکہ زمین کی سطح ہموار تھی جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا ہوا کے جھونکوں میں شدت محسوس ہو رہی تھی البتہ تاریکی کا وہی عالم تھا۔ ٹارچ چھوٹی تھی اس لئے اس کی روشنی دور تک نہیں پھیل رہی تھی۔

فریدی کی رفتار تیز تھی۔ لیکن پیروں میں کریپ سول جوتے ہونے کی وجہ سے قدموں کی آواز تقریباً معدوم ہی سی ہو کر رہ گئی تھی۔

کئی بار چلتے چلتے رکا بھی...... شائد وہ آہٹ لے رہا تھا۔ اکثر اسے محسوس ہوتا جیسے تاریکی میں چھپی ہوئی کچھ آنکھیں اس کی نگرانی کر رہی ہوں۔

آج کے واقعات اُسے خواب کی باتیں معلوم ہو رہی تھیں اس پر اتنا منظم حملہ آج تک نہیں ہوا تھا۔ وہ مجرموں کے متعلق سوچنے لگا اگر یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے قاسم کو اغوا کیا ہے تو یہ معمولی قسم کے بدمعاش نہیں ہو سکتے۔ پھر کیا قاسم کا اغواء کسی خاص مقصد کے تحت عمل میں آیا تھا۔

اچانک وہ رک گیا اس وقت بھی وہ کوئی غیبی ہی طاقت تھی جس نے اس کے قدم روک لئے تھے۔ ورنہ وہ دوسرے ہی لمحے میں تحت الثریٰ کی سیر کر رہا ہوتا۔ وہ اس خیال سے ٹارچ کو کم استعمال کر رہا تھا کہ کہیں وہ کسی انتہائی اہم موقع پر دھوکا ہی نہ دے جائے۔ اس نے ٹارچ کی روشنی کی اور جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔

نادانستگی میں اس کا دوسرا قدم اسے موت ہی کی طرف لے جاتا۔

آگے پھر راستہ مفقود تھا۔ لیکن فریدی نے مایوس ہونا سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس نے چٹان کے کنارے پر بیٹھ کر نیچے روشنی ڈالی۔ تقریباً ایک گز نیچے ایسی جگہ نظر آئی جہاں وہ قدم رکھ سکتا تھا۔ روشنی کا دائرہ چاروں طرف تیزی سے گھوما اور فریدی نے اندازہ کر لیا کہ وہ نیچے اتر سکتا ہے۔

پھر وہ کچھ دور تک اترا بھی...... مگر...... اس کا اندازہ کرنا دشوار ہو گیا کہ وہ گہرائی کہاں پر ختم

ہوگی اور وہ راہ فرار ثابت بھی ہو سکے گی یا نہیں۔ ویسے یہ جگہ چھپنے کے لئے بہترین تھی۔ یہاں کسی ایک آدمی کو تلاش کرنے کے لئے پوری بٹالین بھی ناکافی ہوتی کیونکہ یہاں صدہا چھوٹے چھوٹے غار بھی موجود تھے اور گھٹن کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔ یہاں بھی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ فریدی نے ان کی سمت کا تعین تو کر لیا تھا لیکن گہری تاریکی کی وجہ سے نگاہ کام نہیں کرتی تھی۔ وہ یہ سوچ کر پلٹ پڑا کہ حمید کو بھی ساتھ لے کر واپس آئے گا۔

مسطح چٹان پر پہنچ کر وہ ایک لمحے کیلئے رکا اور پھر اسی طرف چلنے لگا جہاں حمید کو چھوڑ آیا تھا۔

اچانک کسی چیز کی ٹھوکر کھا کر وہ گرتے گرتے بچا۔ مگر کہاں...... دو تین آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔ دو تین آدمی...... فریدی دو تین آدمیوں کے بس کا نہیں تھا۔ ایک کی گردن اس کے بائیں بازو اور پسلی کے درمیان تھی اور دوسرا اس کے داہنے ہاتھ میں اپنا گلا چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتاً تیسرے نے ٹارچ روشن کر لی اور ساتھ ہی گرج کر بولا۔ "خود کو چپ چاپ ہمارے حوالے کر دو...... ورنہ انجام......!"

"میں تھک گیا ہوں۔" فریدی نے مضمحل آواز میں کہا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھ لیا تھا کہ دھمکی دینے والے کے ہاتھ میں ریوالور بھی موجود ہے۔ ساتھ ہی بچاؤ کا راستہ بھی اُسے نظر آ گیا۔ وہ مسطح چٹان کے سرے سے دور نہیں تھا۔ اس کی ذرا سی غفلت اسے ایک لامحدود گہرائی میں پہنچا سکتی تھی۔ فریدی یہ بھی سمجھتا تھا کہ اگر دو آدمی اس کی گرفت میں نہ ہوتے تو اب تک فائر کر دیا گیا ہوتا۔

اس نے ان دونوں پر اپنی گرفت اور سخت کر دی۔ ان کی گردنیں اس کے دونوں بازوؤں میں تھیں اور وہ دونوں اسے گرا دینے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

"انہیں چھوڑ کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" ٹارچ والا غرایا۔

"مگر اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم مجھے گولی نہ مارو گے۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔"

"لو...... چھوڑتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور ساتھ ہی اچھل کر اس کے پیٹ پر ایک لات رسید کر دی۔ پھر اپنے دونوں شکاروں سمیت چٹان پر گرتے وقت اس نے ایک طویل اور بھیانک چیخ کی جو بڑی تیزی سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ ٹارچ والے کے پیر چٹان سے اکھڑ گئے تھے۔ ظاہر ہے

کہ اس کے بعد وہ سیدھا سینکڑوں فٹ گہری کھڈ میں جا پڑا ہوگا۔ اب یہ دونوں بڑے وحشیانہ انداز
میں فریدی کو نوچ رہے تھے۔

فریدی نے ایک ایک کر کے انہیں بھی ان کے ساتھی کے پاس پہنچا دیا۔ پھر وہ اٹھ ہی رہا تھا
کہ اس کا ہاتھ کسی ٹھوس چیز سے ٹکرایا اور اس کا دل مسرت سے جھوم اٹھا۔ یہ حملہ آوروں کی بڑی
ٹارچ تھی جس کے متعلق فریدی نے پہلے ہی اندازہ کرلیا تھا کہ وہ بہت زیادہ طاقت کی ہے۔

اس نے ٹارچ اٹھالی اور پھر اسی طرف چلنے لگا جہاں حمید کو چھوڑا تھا۔ مگر اس نے ٹارچ
استعمال کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ خطرے سے باہر نہیں ہے۔ لیکن حمید! ان
لوگوں کی یہاں موجودگی کا مطلب تو یہی ہوسکتا تھا کہ یا تو حمید پکڑلیا گیا ہوگا یا گولی ہی ماردی گئی
ہوگی۔ دوسرا خیال فریدی کے لئے بڑا اذیت ناک تھا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھتا رہا۔ اچانک کچھ فاصلے سے آواز آئی۔ ''کون ہے۔''

مگر یہ آواز حمید کی نہیں تھی۔ دوبارہ پھر اُسی آواز نے یہی سوال دہرایا اور اس بار فریدی نے
آواز کی سمت فائر کردیا۔

ایک چیخ گونجی اور پھر بیک وقت کئی فائر ہوئے۔ فریدی اس سے پہلے ہی چٹان پر نہ صرف
لیٹ گیا تھا بلکہ سینے کے بل کھسکتا ہوا بڑی تیزی سے دوسری طرف جارہا تھا۔ فائر برابر ہوتے رہے
لیکن حملہ آوروں نے ٹارچ روشن کرنے کی ہمت نہیں کی۔ ویسے فریدی کے بائیں ہاتھ میں اب وہ
بڑی ٹارچ موجود تھی اور وہ بڑی تیزی سے اس کھڈ کی طرف کھسک رہا تھا جہاں کچھ دیر قبل اس نے
صدہا چھوٹے چھوٹے غار دیکھے تھے۔

موت جھپٹتی ہے

آنکھ کھل جانے کے باوجود بڑی دیر تک حمید کو ایسا محسوس ہوتا رہا جیسے وہ گہرے دھوئیں میں

گھر گیا ہو۔ اتنے گہرے دھوئیں میں کہ ایک فٹ کی چیز بھی بمشکل تمام دکھائی دے سکے۔

آہستہ آہستہ دھند چھٹتی گئی اور حمید کو گردوپیش کی چیزیں صاف نظر آنے لگیں۔ وہ کسی چھت
کے نیچے تھا لیکن شائد اس کے نیچے کھردرا فرش ہی تھا اس نے کراہ کر کروٹ بدلی اور پھر یک بیک
اٹھ بیٹھا۔ اس کے چاروں طرف پتھر کی ننگی دیواریں تھیں۔ ایک طرف ایک دروازہ بھی نظر آیا...... مگر
وہ بند تھا اوپر ایک روشندان تھا اور اس کی اونچائی فرش سے تیرہ چودہ فٹ ضرور رہی ہوگی۔ اس
کمرے میں حمید کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ یہ بات اس کی اونگھتے ہوئے ذہن ہی نے سوچی تھی کہ
کمرے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اگر فرنیچر ہوتا تو وہ اپنے ساتھ اسے بھی شامل کرلیتا کیونکہ
وہ جس حالت میں تھا وہ اسے جانداروں سے الگ کئے دے رہی تھی اور حمید سوچ رہا تھا کہ وہ اس
وقت ایک ٹوٹی ہوئی کرسی سے بھی بدتر ہے۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک فرش پر چت پڑا رہا۔ اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ پھر جب کسی نے
دروازہ کھولا تو اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ کہیں زبان نہ ہلانی
پڑجائے۔

اچانک اسے بہت زور سے چھینک آئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی ناک میں کوئی چیز گھس
رہی تھی۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں اسے ہنسی آ گئی۔ کیونکہ تھوڑے ہی فاصلے پر اسے ایک بندر نظر آیا
جس کے ہاتھ میں کاغذ کی ایک لمبی سی بتی تھی۔ شائد اسی نے اس کی ناک میں بتی چلائی تھی۔

بندر کے پیروں میں گھونگھرو بڑے ہوئے تھے۔ جیسے ہی حمید اٹھ کر بیٹھا بندر ناچنے لگا۔ بالکل
ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ اسے چڑھا رہا ہو۔

حمید اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا اور وہ چھلانگیں مارتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ حمید اس کے پیچھے
دوڑتا ہی رہا وہ اس کمرے سے نکل کر دوسرے میں پہنچا۔ یہاں بندر اچھل کر روشندان میں جا بیٹھا۔
حمید کی طرف دیکھ کر اس نے اس طرح دانت نکال دیئے جیسے کہہ رہا ہو۔ ''آؤ بیٹا اگر ہمت ہو تو اچھل
کر آؤ یہاں۔''

پھر وہ دوسری طرف اتر گیا۔ اس کمرے کا دروازہ بند تھا البتہ اس کے اوپری حصے پر سلاخیں لگی
ہوئی تھیں۔ اس لئے دوسری طرف بہ آسانی دیکھا جاسکتا تھا۔

حمید نے دروازے کے قریب جا کر دوسری طرف جھانکا اور اس کی باچھیں کھل گئیں۔

دوسرے کمرے کے فرش پر ایک آدمی چت پڑا سو رہا تھا اور یہ آدمی قاسم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

اس نے دیکھا کہ بندر اس پر جھکا ہوا اس کی ناک میں بتی کر رہا ہے۔ اچانک قاسم کو اس زور سے چھینک آئی کہ پورا کمرہ جھنجھنا اٹھا۔ ساتھ ہی وہ دہاڑ کر اٹھ بیٹھا۔ بندر اچھل کر دوسرے روشندان پر جا چڑھا اب وہ وہاں کھڑا ناچ رہا تھا۔

"ابے او حرام زادے۔" قاسم گھونسہ تان کر دوڑتا ہوا چنگھاڑا۔ "جان سے مار دوں گا۔"

بندر دانت نکال کر چچیایا اور پھر ناچنے لگا۔ حمید کو بھی اس کے گھونگھروؤں کی "چھنک چھنک" زہر ہی لگ رہی تھی۔

قاسم نے غصے میں اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا اور پھر حمید کو بے تحاشہ ہنسی آ گئی کیونکہ قاسم کی آواز میں روہانسا پن پیدا ہو گیا تھا اور وہ اس بندر کو کسی الم رسیدہ بیوہ کی طرح صلواتیں سنا رہا تھا۔ شائد اس نے اسے تنگ کر ڈالا تھا۔

"قاسم......!" دفعتاً حمید نے آواز دی۔

"آ...... آئیں......!" قاسم چونک کر مڑا لیکن اسے صرف اس کی پیشانی اور آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں اور شاید وہ اس کی آواز بھی نہیں پہچان سکا تھا۔

"قون ہے۔" اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ پھر دروازے کے قریب آ کر اس نے زور سے قہقہہ لگایا کہ دیواریں تک جھنجھنا اٹھیں۔

"ارے غمید بھائی...... ہاہا...... ہاہا......!"

"دروازہ کھولو......!" حمید نے کہا۔

"دروازہ نہیں کھلتا۔" قاسم نے مایوسی سے کہا۔

"توڑ ڈالو......!"

"نہیں ٹوٹتا...... سالا...... کئی بار کوشش کر چکا ہوں۔"

"تم یہاں کیوں لائے گئے ہو۔"

"ارے...... کباڑا کر دیا سالوں نے...... اب تک مجھ سے ڈیڑھ لاکھ کے چیکوں پر دستخط لے چکے ہیں۔ میری چیک بک ان کے پاس ہے۔"

"اوہ......!" حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"میں دستخط نہیں کرتا تو کھانا نہیں ملتا...... ادھر یہ سالا بندر...... قاسم پھر گھونسا تان کر مڑا۔

بندر اب بھی روشندان میں بیٹھا انہیں منہ چڑھا رہا تھا۔

"او قاسم......!" حمید بڑبڑایا۔ "دماغ ٹھنڈا رکھو۔"

"ارے کیا...... اب تو میں ان کی بوٹیاں اڑا دوں گا۔ تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔"

"آہا...... تم شائد یہ سمجھ رہے ہو کہ ہم نے چھاپہ مارا ہے۔"

"ہاں...... اور کیا......!"

"نہیں بیٹے...... میں بھی تمہاری ہی طرح پکڑ کر لایا گیا ہوں۔ پتہ نہیں فریدی صاحب کا کیا حشر ہوا۔ ہم دونوں ساتھ تھے۔"

"تب تو پھر بن گئی تمہاری بھی حجامت......!" قاسم نے قہقہہ لگایا۔ "چیک بک تمہارے پاس ہے۔"

"میں تمہاری طرح سرمایہ دار نہیں ہوں۔ مجھے تو وہ اپنی حجامت بنوانے کے لئے لائے ہیں۔ تم نے طلسم ہوشربا پڑھی ہے۔"

"نہیں تو......!"

"اس میں ایک کردار ہے عمرو عیار...... جہاں اس کے قدم جاتے تھے وہ سرزمین تباہ و برباد ہو جاتی تھی اور میں اپنے بارے میں بھی ابھی تک یہی دیکھتا آیا ہوں جس نے مجھے پکڑا اس کا بیڑا غرق ہوا۔"

"یہاں تمہارا ہی بیڑا غرق ہو جائے گا۔ ہائے ہائے۔" قاسم نے مسکرا کر ہونٹوں پر زبان پھیری۔ یہی نہیں بلکہ مزے میں آ کر آنکھ مارنے کی بھی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اُسے آنکھ مارنے کا بھی سلیقہ نہیں تھا۔

"کیوں کیا بات ہے۔" حمید نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"یلا یلیاں...... فل فلوٹیاں...... ہی ہی ہی۔" قاسم آنکھیں بند کر کے ہنسا۔

بندر جا چکا تھا اور اب اس کے گھونگھروؤں کی "چھنک چھنک" نہیں سنائی دے رہی تھی۔

"کہاں ہیں۔"

"یہیں ہیں......حمید بھائی۔" قاسم اس طرح چہک کر بولا جیسے ڈیڑھ لاکھ گنوا بیٹھنے کا ذرہ برابر بھی افسوس نہیں۔

"تم نے دیکھا ہے انہیں۔"

"ارے یہاں آتی ہیں میرے پاس۔ مرغ مسلم کھلاتی ہیں۔ بکرے کی ران۔" قاسم ندیدے کی طرح منہ چلانے لگا پھر پیٹ پر ہاتھ پھیر کر بولا۔ "مگر یہ سالا بندر میری زندگی تلخ کئے ہوئے ہے۔ سامنے سے روٹیاں لے بھاگتا ہے۔ سالن کی رکابیاں الٹ دیتا ہے۔"

"ہوں......!" حمید کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "کیا انہوں نے ابھی تک تم سے صرف چیکوں پر دستخط لئے ہیں۔"

"ہاں......اس سالے بندر کے علاوہ اور مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔"

"کوئی تکلیف نہیں ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "ارے تم یہاں کھردرے فرش پر بستر کے بغیر پڑے رہتے ہو۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ یہاں کھانے پینے کا آرام ہے۔ وہ مجھ سے گھر کے لئے خطوط بھی لکھواتی ہیں۔"

"کیسے خطوط۔"

"یہی کہ میں رام گڈھ میں ہوں۔ خیریت سے ہوں اور یہاں تقریباً دو ماہ قیام رہے گا۔"

"مرد نہیں آتے۔"

"آتے ہیں جب میں چیکوں پر دستخط کرنے سے انکار کر دیتا ہوں۔ پھر بندر بھی آنے لگتا ہے اور میری نیند حرام ہو جاتی ہے جہاں سویا کم بخت نے آ کر ناک میں بتی کر دی۔ اس کی ایسی کی تیسی......جس دن بھی ہاتھ آ گیا گردن مروڑ دوں گا۔"

"کیا تم نے ابھی حال میں ہی کسی چیک پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا ہے۔"

"ہاں......یار کہاں تک کروں......ڈیڑھ لاکھ تو گئے۔"

"تم گدھے ہو۔" حمید جھنجھلا گیا۔ "تم نے دستخط کئے ہی کیوں۔"

"مجھ سے بھوک نہیں برداشت ہوتی۔"

"چیک کس کے نام کے ہوتے ہیں۔"

"نام نہیں لکھا جاتا......صرف رقم لکھ کر مجھ سے دستخط لے لئے جاتے ہیں۔"

"کس بنک کی چیک بک ہے۔"

"بینک آف کینیڈا کی۔"

"تو بیٹا......یاد رکھو......تمہارا سارا بیلنس صاف ہو جائے گا۔ صرف بینک آف کینیڈا ہی کی چیک بک ساتھ لائے تھے۔"

"ہاں اور وہ روحی کے یہاں تھی۔ میرے سوٹ کیس میں۔"

"آہا......تب تو وہ لوگ وہاں تمہاری چیک بک ہی تلاش کرتے رہے ہوں گے۔ جس شام وہ تمہیں لے گئے تھے اسی رات کو نوشابہ نے وہاں کچھ آدمی دیکھے تھے۔"

"نوشابہ......!" قاسم نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "کیا وہ مجھے یاد کرتی تھی۔"

"بے حد......بے تحاشہ آہیں بھرتی ہے۔ اتنی کہ روحی کی کار کی دو پہیوں میں ہوا بھروانے کے لئے شہر نہیں جانا پڑتا۔"

"نہیں......!" قاسم جھینپے ہوئے انداز میں مسکرایا۔

"وہ تو کہہ رہی تھی کہ اگر قاسم صاحب نہ ملے تو میں خودکشی کر لوں گی۔"

"ارے نہیں......ہی ہی ہی۔"

"ہاں......ہاں......گھنٹوں تمہارے سوٹ کیس سے لپٹ کر روتی رہی۔"

"الاقسم......اُس کے بغیر میں بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"پھر یہاں سے نکل چلنے کی کوشش کرو۔ ورنہ کیا فائدہ کہ وہ بیچاری مایوس ہو کر خودکشی کر لے۔"

"تم ہی بتاؤ کیسے نکل چلوں۔ مجھے تدبیر بتاؤ جو کچھ کہو گے وہی کروں گا۔ مگر یہاں کی بلا لیلیاں، حمید بھائی کیا بتاؤں......تم خود دیکھ لو گے۔"

"مگر وہ تمہیں بیوقوف بنا کر لمبی لمبی رقمیں اینٹھ رہی تھیں۔ نوشابہ محبت کرتی ہے۔"

"ہائے......وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" قاسم رو دینے والی آواز میں بولا۔

"وہ لڑکیاں کس وقت آتی ہیں۔"

"کھانے کے وقت۔"

"دیکھوں مجھے بھی کھانا ملتا ہے یا نہیں۔"

"اگر تمہاری چیک بک بھی ان کے پاس ہوئی تو ضرور ملے گا۔"

اچانک حمید نے عجیب قسم کی گھڑگھڑاہٹ سنی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کمرے کے فرش کے نیچے سے آرہی ہو۔ پھر یک بیک فرش اسی طرح ہلنے لگا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔



فریدی غار میں اتر گیا۔ اب وہ اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا لیکن حملہ آوروں نے اب بھی ٹارچ روشن کرنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ فریدی چونکہ ایک بار راستہ دیکھ چکا تھا اس لئے اندھیرے ہی میں بہ آسانی نیچے اترتا چلا گیا۔ لیکن چھپنے کے لئے کسی مناسب جگہ کی تلاش ٹارچ روشن کئے بغیر ناممکن تھی۔

بڑی ٹارچ اس نے جیب میں ڈال لی اور وقت ضرورت کے لئے چھوٹی ٹارچ ہاتھ میں رکھی۔ اسے اطمینان تھا کہ وہ غیر مسلح نہیں ہے۔ رائفل اس کے شانے سے لٹک رہی تھی اور داہنے ہاتھ میں ریوالور۔ دونوں ہی کے کافی راؤنڈ اس کے پاس موجود تھے۔ وہ خاموشی سے نیچے اترتا رہا...... اوپر سے قدموں کی آوازیں آنی بند ہوگئی تھیں۔ شائد وہ لوگ چٹان کے سرے پر رک کر حالات کا اندازہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

فریدی جلد از جلد ایک ایسی جگہ تلاش کر لینا چاہتا تھا جہاں وہ کچھ دیر کے لئے چھپ سکے لیکن...... اچانک اس پر ایک تیز قسم کی روشنی پڑی۔ اگر وہ بندر کی سی پھرتی سے کود کر ایک طرف نہ ہو جاتا تو اس کے جسم میں بیک وقت ایک درجن گولیاں درآئی ہوتیں۔

وہ پھر ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ دفعتاً اس کے ہاتھ ایک چھوٹے سے غار کے دہانے سے جا لگے۔ ساتھ ہی سامنے پھر روشنی دکھائی دی۔ لیکن اب وہ روشنی کی زد سے باہر تھا۔ اس نے اپنی چھوٹی سی ٹارچ کی روشنی غار میں ڈالی لیکن وہ تجربہ مایوس کن اور ڈراؤنا ثابت ہوا۔ غار میں ایک سیاہ سانپ کی مادہ انڈوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ پھن کاڑھ کر پھپھکارتی ہوئی ٹارچ کی روشنی کی طرف جھپٹی۔

انڈوں پر بیٹھی ہوئی مادہ اگر چھیڑ دی جائے تو انتہائی خطرناک ہو جاتی ہے اس وقت تک چھیڑنے والے کا پیچھا نہیں چھوڑتی جب تک کہ ڈس نہ لے۔ اوپر سے پھر شائد رائفلوں کی باڑھ ماری گئی۔ فریدی کے تیزی سے سوچتے ہوئے ذہن نے ایک فوری فیصلہ کیا وہ یہ کہ اس بگڑی ہوئی مادہ کو ٹھکانے لگا دیا جائے ورنہ اندھیرے میں اس سے بچنا ناممکن ہوگا۔ گولیوں کی باڑھ سے بچنا اتنا مشکل نہیں ہو سکتا تھا جتنا کہ اس سانپ سے خود کو بچانا۔ فریدی نے اپنی ٹارچ روشن رکھی اور پھر جیسے ہی سانپ کا پھن دوسری بار دکھائی دیا اس نے فائر کر دیا۔ اس فائر کے جواب میں اوپر سے باڑھ ماری گئی اور کئی ٹارچوں کی روشنیاں غار میں چکرانے لگیں۔

سانپ اندر پتھروں پر سر پٹخ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ٹھنڈا ہو گیا اور ساتھ ہی فریدی نے اس غار میں اترنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔ ہو سکتا تھا کہ اس میں اور بھی سانپ رہے ہوں۔ آدمیوں سے بچنے کے لئے سانپوں کا شکار ہو جانا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

وہ پتھروں سے لگتا ہوا مخالف سمت میں چلنے لگا۔ اب اُسے اطمینان تھا کہ وہ لوگ نیچے اترے بغیر اسے نہ پا سکیں گے لہٰذا انہیں اوپر ہی روکے رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ وقتاً فوقتاً ہوائی فائر کرتا رہے۔

فائروں کے جواب میں فائر ہوتے رہے لیکن اب اندھیرے میں چلتے رہنا قریب ناممکن ہو چکا تھا۔ فریدی نے سوچا ممکن ہے کہ وہ کسی غار میں جا گرے۔ اس نے چھوٹی ٹارچ روشن کر لی جس کی روشنی ایک محدود دائرے میں پھیلتی تھی۔

یہاں پھر اترائی شروع ہو گئی تھی اس لئے ضروری تھا کہ ٹارچ برابر روشن رہے۔ دوسری طرف یہ خیال بھی تھا کہ اگر ان لوگوں نے آلیا تو یہاں بچاؤ بھی نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ اترائی ناہموار تھی۔ یہاں گھٹن کا احساس بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ ہوا کے جھونکے مفقود ہو چکے تھے۔ جنھوں نے اُسے ابھی تک سنبھالے رکھا تھا۔

اب وہ فائر نہیں کر رہا تھا۔ حملہ آور بھی خاموش تھے۔ مصلحت اسی میں تھی کہ اب وہ فائر نہ کرے۔ ورنہ حملہ آور فرار کی سمت معلوم کر لیتے اور یہ ایک ایسا واقعہ ہوتا جس پر فریدی کو مرنے کے بعد بھی افسوس کرنا پڑتا۔

وہ چھوٹی ٹارچ کی مدھم روشنی میں آگے بڑھتا رہا۔

وہ بڑی دیر سے ایک عجیب قسم کا شور سن رہا تھا۔ جواب آہستہ آہستہ تیز ہوتا جا رہا تھا اور پھر اس کی حقیقت اس پر واضح ہوگئی۔ وہ پانی بہنے کا شور تھا۔ یہاں شائد کوئی تیز رو نالا تھا۔ پھر وہ اس شور سے قریب ہوتا گیا حتیٰ کہ اسے اپنے چہرے پر پانی کی ہلکی سی پھواریں محسوس ہونے لگیں۔

اب اس نے بڑی ٹارچ روشن کی اور ایسا معلوم ہوا جیسے اس لامتناہی اندھیری میں روشنی کا طوفان آ گیا ہو۔ اس نے فوراً ہی ٹارچ بجھادی۔ نالا اس سے تقریباً پانچ یا چھ فٹ کے فاصلے پر رہا ہوگا جس کے درمیان ایک بڑی سی ابھری ہوئی چٹان تھی اور تیز رفتار پانی اسی سے ٹکرا کر پھواروں کی شکل میں ادھر اُدھر منتشر ہو رہا تھا۔

اچانک پھر فائر ہوئے۔ فریدی بڑی پھرتی سے نیچے گر گیا۔ کیونکہ فائروں کا رخ اسی طرف تھا مگر وہ غلط جگہ گرا تھا۔ جس چٹان پر اس نے چھلانگ لگائی تھی وہ شائد اپنی جگہ چھوڑ چکی تھی۔ اس کا بوجھ نہ سنبھال سکی اور فریدی چٹان سمیت نالے میں جا پڑا

نالا انتہائی تیز رفتار تھا۔ فریدی کو پیر جمانے کی بھی مہلت نہ ملی۔ ویسے وہ زیادہ گہرا نہیں تھا۔ مگر بہاؤ خدا کی پناہ۔ وہ ایک حقیر سے تنکے کی طرح بہتا چلا جا رہا تھا۔ لیکن ابھی اس کے اوسان خطا نہیں ہوئے تھے۔ دفعتاً اس پر ٹارچوں کی روشنیاں پڑیں اور پھر باڑھ ماری گئی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے بائیں بازو میں کوئی دہکتا ہوا انگارہ گھس گیا ہو اور پھر یک بیک اس کا ذہن اتھاہ تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

ہزاروں سال پہلے

کمرے کا فرش پہلے تو ہلتا رہا پھر حمید نے محسوس کیا جیسے وہ نیچے دھنس رہا ہو۔ اس نے بھاگ کر اس کمرے میں جانا چاہا جس کے دروازے سے نکل کر یہاں آیا تھا لیکن جب تک وہ دروازے تک پہنچا دروازہ اس سے گزوں اونچا ہوگیا۔ فرش بڑی تیزی سے نیچے جا رہا تھا۔ حمید بے بس ہو کر

بیٹھ گیا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی روح کھوپڑی توڑ کر کسی انجن کے دھوئیں کی طرح جسم سے آہستہ آہستہ خارج ہوئی جا رہی ہو اور پھر جب وہ فرش پر رکا تو اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے روح کے ساتھ ہی ساتھ جسم ہزاروں فٹ اونچا اچھل گیا ہو۔

کئی منٹ تک تو گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا رہا۔ یہ سفر ہی ایسا تھا۔ عام طور پر ''لمبے'' یا ''مختصر'' سفر ہوا کرتے ہیں مگر حمید نے سینکڑوں فٹ گہرا سفر کیا تھا اس لئے اب وہ سوچ رہا تھا کہ آئن اسٹائن کا نظریہ اضافیت بنڈل ہے۔ کیونکہ اسی نے پانچویں بُعد کا پتہ لگا لیا تھا...... اور یہ بُعد تھا دراصل معدے اور کھوپڑی کا درمیانی فاصلہ...... تقریباً پانچ فٹ بعد اس نے سر اٹھایا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سامنے قدیم مصری طرز تعمیر کی ایک بلند و بالا محراب تھی اور اس کے آگے ایک طویل و عریض ہال تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسے وہ ہالی وڈ کی ان فلموں میں بار بار دیکھ چکا تھا جو قدیم مصر کی کہانیاں پیش کرتی تھیں۔ فراعنہ مصر کا شاہی دربار...... سامنے ڈیڑھ درجن سیڑھیوں کے اوپر تخت شاہی تھا اور نچلی سیڑھی اپنے پھیلاؤ کی بناء پر ایک طویل و عریض پلیٹ فارم معلوم ہوتی تھی۔ تخت شاہی خالی تھا لیکن دربار آدمیوں سے بھرا تھا۔ یہ سب قدیم مصریوں کے سے لباس میں تھے۔ ٹخنوں تک پہنچنے والی رنگین قبائیں جن پر دیوتاؤں کی تصویریں نظر آ رہی تھیں۔ تین طرف فوجیوں کی قطاریں دیواروں سے لگی کھڑی تھیں۔ ان کے لباس بھی قدیم مصری فوجیوں کے سے تھے۔ حتیٰ کہ اسلحے بھی اسی دور کی یاد دلاتے تھے چوڑے اور چھوٹے تیغے ترکش اور کمانیں۔ سروں سے اونچے نیزے اور زمین سے کمر کے اوپر تک پہنچنے والی مستطیل ڈھالیں۔ بڑے بڑے بخور دانوں میں خوشبوئیں سلگ رہی تھیں۔ دفعتاً ایک عجیب قسم کے شور سے سارا ہال گونجنے لگا اور حاضرین بالکل رکوع کے سے انداز میں جھک گئے۔ ان کے سر تخت شاہی کی طرف تھے لیکن حمید کو اس تخت پر کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ شور کی آواز ختم ہوئی اور پھر نوبت اور نقاروں کی آوازیں آنے لگیں جن میں صدہا بوق و قرنا کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بہت بڑا جلوس گزر رہا ہو۔ لیکن جلوس کا کہیں پتہ نہیں تھا...... اور حاضرین...... وہ تو اب بھی پہلے ہی کی طرح جھکے کھڑے تھے۔

حمید نے جھرجھری سی لی وہ بہت شدت سے مرعوب ہوگیا تھا اور یہ شور...... یہ تو اسے اپنے ہر بُن مو سے نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر اچانک موت کی سی خاموشی طاری ہوگئی اور حاضرین سیدھے کھڑے ہوگئے۔ پھر ایک ہونق سا آدمی اسٹیج نما سیڑھی پر نمودار ہوا اس کے جسم پر سرخ رنگ کا

لبادہ تھا گلے میں بے شمار ہار پڑے ہوئے تھے۔ پھولوں کے نہیں رنگ رنگ کے جواہرات کے جن سے کرنیں سی پھوٹتی معلوم ہو رہی تھیں۔

تخت شاہی اب بھی خالی پڑا تھا۔ لیکن وہ آدمی تخت شاہی کی طرف رخ کر کے خفیف سا جھکا اور پھر حاضرین کی طرف سر گھماتا ہوا گرجدار آواز میں بولا۔

''میں اپنے اور تمام درباریوں کی جانب سے اپنی حکمرانی کی ہزارویں سالگرہ پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔'' پھر تخت شاہی کی طرف دیکھ کر بولا ''ملکہ علیاء ہماری حقیر نذریں قبول فرمائیں۔''

''ہماری طرف سے اجازت ہے۔'' خالی تخت سے ایک انتہائی سریلی اور نسوانی قسم کی آواز آئی اور حمید کی عقل کھوپڑی سے نکل کر ہوا میں ناچنے لگی۔ نذریں گذرنے لگیں اور وہ ہونق سا آدمی جو شائد وزیر اعظم کا رول ادا کر رہا تھا ہر پیش کئے جانے والے خوان پر ہاتھ رکھ کر کہتا۔ ''ملکہ کائنات کی خدمت میں۔''

تقریباً بیس منٹ تک نذریں گذرتی رہیں۔ پھر یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور تخت شاہی سے آواز آئی۔

''اے میرے پرستارو...... میں تمہیں ارتقاء کی اس کڑی پر مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ تم اس لئے قابل مبارک باد ہو کہ ارتقا کا صحیح مفہوم سمجھتے ہو۔ تمہارے جسموں پر ہزاروں سال پرانا لبادہ ہے لیکن زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے تمہارے پاس جدید ترین وسائل ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ زندگی آگے بڑھانے کے لئے تخریب ضروری ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ آج کا آدمی ہزاروں سال پرانے آدمی سے ذرہ برابر بھی مختلف نہیں ہے۔ وہ آج بھی اتنا ہی خونخوار ہے جتنا ہزاروں سال پہلے تھا۔ البتہ آگے بڑھنے کے لئے اس کا طریق کار بدل گیا ہے۔ میں تمہیں اس لئے مبارک باد دیتی ہوں کہ تم سچے ہو۔ انسانیت کا ڈھول نہیں پیٹتے۔ عظیم الشان دفتروں میں بیٹھ کر قلم سے لوگوں کی گردنیں نہیں کاٹتے بلکہ خس و خاشاک کو فنا کر کے صرف اُن درختوں کو پنپنے کا موقع دیتے ہو جن میں تناور بننے کی صلاحیت ہو۔ تم اپنے سیاسی جوڑ توڑ سے قوموں کا بیڑہ غرق کر کے انسانیت کی اقدار پر تقریریں نہیں کرتے۔ تم جسے فنا کرنا چاہتے ہو علانیہ فنا کر دیتے ہو اور اُسے درست سمجھتے ہو۔ میں تمہیں اس لئے مبارک باد دیتی ہوں کہ تم طاقت کے پرستار ہو۔ اب لاؤ نئے سال کی تحقیقی نذر...... میں بذات خود اُسے قبول کروں۔''

وزیر اعظم تخت کے سامنے جھک کر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ''ملکہ کائنات ہمارا نیا ہربہ زیرو تھری۔''

''یعنی تین صفر......!'' تخت شاہی سے آواز آئی۔

''ملکہ کائنات......!'' وزیر اعظم جھک کر بولا۔

''اچھا مظاہرہ کیا جائے۔''

وزیر اعظم نے تالی بجائی۔ ایک طرف کا رنگین پردہ سرکا اور تین آدمی ایک ٹرالی دھکیلتے ہوئے دربار میں لائے۔ ٹرالی پر ایک عجیب وضع کی مشین رکھی ہوئی تھی جس میں تاروں کے تانے بانے سے تھے۔ ٹرالی دربار کے وسط میں رک گئی۔ اس کے ساتھ ایک معمر آدمی بھی تھا لیکن اس کا لباس درباریوں کا سا نہیں تھا۔ یہ ایک میلی سی پتلون اور خاکی قمیض میں ملبوس تھا۔ سر اور ڈاڑھی کے بال بے ترتیب اور الجھے ہوئے تھے۔

''ملکہ کائنات کی اجازت سے۔'' وزیر اعظم نے ہاتھ اٹھا کر گونجیلی آواز میں کہا۔

ساتھ ہی وہ بوڑھا اس مشین پر جھک پڑا۔

ادھر حمید اس ماحول میں کچھ اس طرح کھو گیا تھا جیسے کوئی بہت ہی دلچسپ فلم دیکھ رہا ہو۔ فلم سے زیادہ سب کچھ اسے خواب معلوم ہو رہا تھا۔ اچانک اس نے محسوس کیا جیسے کوئی غیر مرئی قوت اُسے اس کی جگہ سے اٹھانے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر دفعتاً وہ فرش سے تقریباً پانچ فٹ بلند ہو گیا اور اسی حالت میں جیسے بیٹھا ہوا تھا۔ اب اس نے لاکھ کوشش کی کہ وہ اپنے پیر پھیلا کر فرش پر جمادے مگر ممکن نہ ہوا۔ اس کے پیر پھیل ہی نہ سکے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم میں جان ہی نہ رہ گئی ہو۔ اس کے کانوں میں سیٹیاں سی گونج رہی تھیں اور وہ فضا میں معلق تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ خلاء میں تیرتا ہوا تخت شاہی کی جانب چلا۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک حقیر سا تنکا ہوا کے تیز و تند بہاؤ سے چکراتا پھر رہا ہو۔

پھر اچانک وہ وزیر کے پیروں کے پاس دھم سے جا گرا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے پیٹھ کی ہڈیاں چور ہو گئی ہوں۔

''بہت خوب ہے۔'' تخت شاہی سے آواز آئی۔ ''میرا خیال ہے کہ یہ تجربہ ابھی اپنے ابتدائی دور میں ہے۔''

"درست ہے ملکہ کائنات۔" وزیراعظم نے ادب سے جواب دیا۔ "بڑے پیمانے پر اس کی شکل دوسری ہوگی۔"

"اچھا اور کوئی خاص بات۔" تخت شاہی سے آواز آئی۔

"اور کوئی ایسی اہم بات نہیں جس کے لئے علیاء حضرت کا وقت برباد کیا جائے۔" وزیراعظم نے قریب قریب زمین بوس ہوکر جواب دیا۔

"دربار برخواست......!" تخت شاہی سے آواز آئی۔ پھر ملبوسات کی سرسراہٹ سنائی دی۔ جیسے کوئی تخت سے اٹھا ہو اور اس کے بعد وہی باجوں گاجوں کا شور۔ حاضرین دربار پھر احتراماً جھک گئے اور اس وقت تک جھکے رہے جب تک کہ جلوس کا شور ختم نہیں ہوگیا۔

حمید ایک بار پھر فضا میں معلق ہوا اور پہلے ہی کی طرح خلاء میں تیرتا ہوا محراب سے گذر کر سنگی فرش پر جاگرا۔ اس بار اس کا سر دیوار سے جاٹکرایا تھا۔ نتیجے کے طور پر پہلے تو بصارت غبار آلود ہوگئی پھر یہ غبار گہرا ہوتے ہوتے اندھیرے میں تبدیل ہوگیا۔



بعض لوگ بڑے سخت جان ہوتے ہیں۔ مگر یہ انہیں آدمیوں کے لئے کہا جاسکتا ہے جو ناپسندیدگی سے دیکھے جاتے ہوں۔ اچھے آدمی ایسے معاملات میں قسمت کے دھنی کہلاتے ہیں۔ کم از کم فریدی کے متعلق تو یہی کہا جاسکتا ہے۔ وہ ایک نہیں سینکڑوں بار ایسے ایسے خطرات سے بچ نکلا تھا کہ اسے زندہ دیکھ کر اس سے تعلق رکھنے والے ہفتوں کیا مہینوں اسے فریدی کا بھوت سمجھتے رہے تھے۔

مگر اس بار جو واقعہ پیش آیا تھا اس نے خود فریدی ہی کو مجبور کردیا کہ ہوش میں آنے کے بعد خود کو کافی دیر تک بھوت سمجھتا رہے۔ ایک طرف تو نالے کی طوفانی بہاؤ نے اس کے پیر اکھاڑ دیئے تھے اور دوسری طرف گولیوں کی بوچھاڑ۔ جب اس نے اپنے بائیں بازو میں گھستے ہوئے انگارے کی جلن محسوس کی تو اسے یقین ہوگیا کہ یہ تکلیف کا آخری احساس ہے۔

ہوش آنے پر اُسے بہت دیر تک یہی نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ اسی نالے میں بہہ رہا ہے یا ہوا

میں تیر رہا ہے۔ کچھ دیر بعد اسے ابر آلود آسمان نظر آیا اور خنکی کا احساس بھی ہوا۔ چاروں طرف اونچے پہاڑ تھے جن کی چوٹیاں بادلوں سے ٹکراتی معلوم ہورہی تھیں۔ کچھ دیر تک وہ چت پڑا فضا میں تیرتا رہا پھر یہ سوچ کر شائد اس کی روح عالم ارواح میں بھٹکتی پھر رہی ہے اس نے اپنے بائیں بازو میں چٹکی لی لیکن پھر اُسے محسوس ہوا کہ بازو تو پہلے ہی سے دکھ رہا تھا۔

وہ ابر آلود نیلگوں آسمان کی وسعتوں میں نظر دوڑاتا ہوا تیرتا رہا۔ اُسے اپنا جسم بہت ہلکا معلوم ہورہا تھا۔ ہوا سائیں سائیں کرتی اس کے جسم سے ٹکراتی ہوئی گذرتی رہی۔ اسے فرشتوں کے پروں کے سائے نظر آرہے تھے۔ عجیب سی خوشبوئیں اسے اپنے گرد و پیش محسوس ہورہی تھیں۔ اس کا ذہن عظمت رب السموات کے گیت گانے لگا۔ مگر کیا اس کی روح حقیقتاً عالم ارواح میں پرواز کررہی تھی۔ وہ جسم و روح کے تعلق کے بارے میں سوچنے لگا اگر وہ عالم ارواح میں پرواز کررہی تھی تو بائیں بازو کی تکلیف کیسی۔ احساس تو دراصل جسم و روح کے ربط ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ روح نے جسم کو چھوڑا اور تکلیف کا احساس بھی فنا ہوگیا۔

اس کا ذہن آہستہ آہستہ صاف ہوتا جارہا تھا۔ اب وہ ہوا کی سائیں سائیں کے ساتھ ہی ساتھ دوسری آوازیں بھی سننے لگا تھا۔ یہ بھاری قدموں کی آوازیں تھیں۔ لاتعداد قدموں کی آوازیں۔

اب یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ وہ ایک اسٹریچر پر پڑا ہے اور کچھ لوگ اسے اٹھائے ہوئے چل رہے ہیں۔

آسمان پر بادلوں کے پرے کے پرے تیر رہے تھے۔ مگر یہ پانی سے خالی تھے۔ سفید بادل کچھ بھی ہو وہ دھوپ کی شدت سے تو بچا ہی سکتے تھے۔ ان کی چھاؤں بڑی خوشگوار تھی۔ فریدی بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اب وہ دراصل اپنی رہی سہی قوت کا جائزہ لے رہا تھا۔ ہوسکتا تھا کہ وہ حملہ آوروں ہی کے ہاتھوں میں پڑ گیا ہو۔ لہٰذا ایسی صورت میں اسے دوبارہ کٹ مرنا پڑتا۔ وہ کسی چوہے کے بچے کی طرح بے بس ہوجانا کبھی پسند نہ کرتا۔ اس نے ریوالور کے لئے اپنی جیبیں ٹٹولیں۔ لیکن اب وہاں جیبیں کہاں تھیں۔ بہرحال کافی غور کرنے پر اُسے معلوم ہوا کہ وہ اوپر سے نیچے تک ایک اونی لبادے میں ملبوس ہے۔ بس یہیں سے اس کا منطقی شعور جاگ اٹھا۔ اگر وہ حملہ آور ہی ہوتے تو بھیگے ہوئے کپڑے اتار کر خشک لبادہ کیوں پہناتے۔ اسے وہیں ختم کردیتے۔ اسٹریچر پر لاد کر کہیں

لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن پھر خیال آیا ممکن ہے حمید بچ نکلا ہو اور وہ آسانی سے دوبارہ اس پر ہاتھ ڈالنے کے لئے اسے زندہ ہی رکھنا چاہتے ہوں...... فریدی مطمئن ہو گیا۔ دونوں ہی صورتیں اس کے لئے اطمینان بخش تھیں۔

وہ چپ چاپ آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔ پھر شائد سفر ختم ہونے میں ایک گھنٹے کا عرصہ لگا۔ اسٹریچر ایک جگہ اتار کر زمین پر رکھ دیا گیا۔ فریدی نے آنکھیں بند رکھیں۔ البتہ ایک بار پلکوں پر خفیف سادرہ کر کے گرد و پیش کا جائزہ لینے کی کوشش ضرور کی۔

وہ ایک خیمے میں تھا اس کے قریب ہی دو تین آدمی سرگوشیاں کر رہے تھے لیکن فریدی کچھ نہ سکا۔

پھر اسے ایک عورت کی آواز بھی سنائی دی۔ وہ کچھ اونچی آواز میں بول رہی تھی۔ اس کی آواز میں ایسی کھنک تھی جس کے متعلق کہا جا سکتا تھا کہ وہ کافی سیکس اپیل رکھتی تھی۔ فریدی کی بجائے اگر حمید ہوتا تو یہی رائے قائم کرتا۔

فریدی نے اس کی آواز سنی اور گفتگو بھی سمجھنے کی کوشش کی زبان میں اجنبیت محسوس ہوتی تھی لیکن پھر کچھ دیر بعد الفاظ کی اجنبیت رخصت ہو گئی۔ ویسے فریدی سوچ رہا تھا بُرے پھنسے...... اس وقت شائد آزاد علاقہ وادی کراغال میں تھا جس کی سرحدیں رام گڈھ سے ملتی تھیں۔ اس وادی کے باشندے اپنے علاقے میں اجنبیوں کا وجود نہیں برداشت کر سکتے تھے۔ فریدی سوچنے لگا یہاں تو وہی مثل صادق آئی ہے کہ دیو سے بچے تو سمندر میں ڈوبے۔

اس نے سوچا کہ اب اٹھ ہی جانا چاہئے۔ وہ تھوڑی بہت کراغالی جانتا تھا۔ دوسروں کی باتیں سمجھ کر اپنا مافی الضمیر واضح کر سکتا تھا۔ اس نے کراہ کراہ کر کروٹ بدلی اور آنکھیں کھول دیں۔

وہ لوگ خاموش ہو گئے۔ فریدی نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھا اور اٹھ بیٹھا۔

''لیٹے رہو لیٹے رہو۔'' عورت نے جلدی سے کہا۔

''ایک معزز خاتون کی موجودگی میں لیٹے رہنا بدتمیزی ہے۔'' فریدی نے کراغالی میں جواب دیا۔

ایک بوڑھے اور قوی الجثہ آدمی نے معنی خیز نظروں سے عورت کی طرف دیکھا۔

عورت خوش شکل جوان اور غیر معمولی طور پر قوی ہیکل تھی اور اس کی آنکھوں سے نسوانی صنف

کی بجائے مردانہ پن جھانک رہا تھا۔

''تم زخمی ہو اجنبی......!'' عورت نے نرم لہجے میں کہا۔ ''تمہارے بازو سے رائفل کی گولی نکالی گئی ہے۔ ہڈی محفوظ ہے۔ اطمینان رکھو...... لیٹ جاؤ۔''

''میں آپ کی ہمدردی کا شکر گذار ہوں مگر مجھے حیرت ہے کہ میں زندہ کیسے بچا۔''

''کیا تم نے خانم کا حکم نہیں سنا۔'' بوڑھا غرایا۔ ''لیٹ جاؤ۔''

''میں ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور لیٹ گیا۔

''تم کیسے زخمی ہوئے تھے۔'' عورت نے پوچھا۔

''مجھے درجنوں آدمیوں نے گھیر لیا تھا۔ میں تنہا تھا۔ زخمی ہو کر ایک پہاڑی نالے میں جا گرا۔ مجھے حیرت ہے کہ میں کراغال تک زندہ کیسے پہنچ گیا۔''

''اللہ کی حکمت......!'' عورت آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔ ''تم ندی کے کنارے ایک چٹان پر پڑے ہوئے تھے۔ مگر تم لڑے کہاں تھے۔''

''رام گڈھ میں۔''

''اوہو...... تم ادھر کے ہو۔''

''ہاں محترمہ......!''

''مگر ادھر کا قانون تو اس قسم کی لڑائی بھڑائی کی اجازت نہیں دیتا۔''

''قانون توڑنے والے ہر جگہ ہوتے ہیں محترمہ۔ کیا آپ کراغال کی خانم ہیں۔''

''ہاں...... میں خانم ہوں۔ مگر شاید تم کراغال کے متعلق بہت کچھ جانتے ہو۔ کراغالی بھی بول سکتے ہو۔''

''ہاں محترمہ...... میں دنیا کی بہتیری زبانیں بول اور سمجھ سکتا ہوں۔''

بوڑھے نے پھر اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا اور عورت بولی۔ ''غالباً تم اجنبیوں کے سلسلے میں کراغال کے دستور سے واقف بھی ہو گے۔''

''ہاں محترمہ...... میں جانتا ہوں کہ یہاں اجنبی نہیں آنے پاتے۔ اگر آ گئے تو ختم کر دیئے جاتے ہیں یا پھر ان کی واپسی ناممکن ہوتی ہے۔ مگر محترمہ آپ جانتی ہیں کہ میں کن حالات میں یہاں تک پہنچا۔''

"خیر یہ قصہ فی الحال یہیں رہنے دو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"میں ایک بار پھر فراخ دل خانم کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ یہاں ہ
ساتھ دوستانہ برتاؤ ہوگا۔"

"کیوں......!" خانم بے ساختہ چونک پڑی۔

"کچھ نہیں ...... میں جانتا ہوں کہ کراغالی...... مہمان نواز...... شریف...... اور عالی
ہوتے ہیں۔"

ایک پاگل دوسرا قیدی

پتہ نہیں کتنی دیر بعد حمید کو ہوش آیا۔ وہ اب اسی کمرے میں تھا جس سے اس کا گہرائی والا
شروع ہوا تھا۔ اگر اس کی پیٹھ کی ہڈیوں کی چوٹ دکھ نہ رہی ہوتی تو وہ یہی سمجھتا کہ اس نے خوا
دیکھا ہوگا۔ مگر ایسی صورت میں......؟

وہ کافی دیر تک گم سم فرش پر پڑا رہا۔ سر کی چوٹ بھی دکھ رہی تھی اس نے سر پر ہاتھ پھیرا
اسے کسی قسم کی ٹوٹ پھوٹ کا احساس نہیں ہوا۔ کھوپڑی کی ہڈیاں محفوظ تھیں۔ اگر محفوظ نہ ہوتیں تب
بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ وہ اسی طرح گم سم پڑا رہتا۔ بات یہ تھی کہ اس دربار اور اس عجیب وغریب
مشین زیروتھری نے اس کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ ایسے مجرم جن کے یہ ٹھاٹ ہوں اُسے آج تک
خواب میں بھی دکھائی نہیں دیئے تھے اور پھر وہ پراسرار ملکہ جس کی صرف آواز سنی جاسکتی ہے اس
شاہانہ جلوس جو نظروں سے یکسر غائب رہا تھا۔ تخت شاہی خالی پڑا تھا مگر اسی تخت سے ملکہ کی آواز ا
کر ہال میں منتشر ہورہی تھی۔ کیا وہ بھوتوں کا دربار تھا؟ لیکن یہی لوگ قاسم سے بڑی بڑی رقمیں ا
رہے تھے اور شائد روحی پر حملوں کے ذمہ دار بھی یہی تھے۔ پھر اُسے دلکشا ہوٹل والا واقعہ یاد آ گیا
قاسم نے اُسے اپنے کمرے کی کھڑکی کے غائب ہوجانے کے متعلق بتایا تھا۔ ممکن ہے اس کا بیان

درست ہی رہا ہو۔ جب کسی کمرے کا فرش سینکڑوں فٹ نیچے جاسکتا ہے تو اس کی کھڑکی کا غائب
ہوجانا ناممکنات میں سے نہیں ہوسکتا۔

اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ یہ ایک اہم سوال تھا اور شائد اسی پر اس کی زندگی کا انحصار بھی تھا۔
وہ بڑے عجیب لوگوں میں آ پھنسا تھا۔ اُسے کوئلے کا مجسمہ بھی یاد آیا جو اس نے فریدی کے ساتھ ایک
عمارت میں دیکھا تھا۔ جو لوگ زیروتھری جیسی مشینیں بنا سکتے ہیں ان کے لئے کچھ ناممکن نہیں۔ مگر کیا
اس کی حکومت انہیں شکست دے سکے گی۔ فریدی کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس عجیب وغریب تنظیم
کے سامنے اس کی حقیقت ہی کیا ہے۔ فریدی بھی گوشت پوست ہی سے بنا ہے۔

اسے بھی زیروتھری جیسی مشینیں کسی حقیر سے تنکے کی طرح فضا میں نچا سکتی ہیں۔

حمید کی کنپٹیاں تڑخنے لگیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کیا اسے اس
دربار کی سیر اسی لئے کرائی گئی تھی کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوجائے۔ یقیناً...... یہی بات ہوسکتی
ہے ورنہ دوسری صورت میں قاسم کو بھی ان عجائبات کے درشن کرائے جاتے۔ حمید کو یقین تھا کہ قاسم
کو اس قسم کے کسی بھی واقعے سے دوچار نہ ہونا پڑا ہوگا ورنہ وہ تذکرہ ضرور کرتا۔ اُسے تو صرف چند
لڑکیوں کے چکر میں الجھا کر بڑی بڑی رقمیں وصول کی جارہی تھیں۔

اس نے ان سب خیالات کو پرے جھٹک کر پھر اپنے آئندہ طرز عمل کے متعلق سوچنا شروع
کردیا۔ اس کی جگہ اور کوئی ہوتا تو یہ سب کچھ دیکھ کر پاگل ہوگیا ہوتا۔ پاگل کردینے والی بات ہی تھی۔

"پاگل......!" حمید کے ذہن نے تین چار بار دہرایا۔ بس پاگل ہوجانا ہی زیادہ مفید ثابت ہوگا۔
بہترین تدبیر۔ کیونکہ اس پاگل پن کا جواز بھی موجود تھا۔ پراسرار دربار کی سیر؟ ایک نظر نہ آنے والی عورت کی
آوازیں اور پھر اس کا ہوا میں اڑ کر تخت کے نیچے جاگرنا۔ کیا یہ سب کچھ پاگل کردینے کیلئے کافی نہیں تھا۔
یقیناً کافی سے بھی زیادہ تھا۔ اس صورت میں وہ ان کے سوالات کا صحیح جواب دینے پر بھی مجبور نہ ہوگا۔

پھر وہ پاگل پنے کی باتیں سوچنے لگا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار وہ پاگل بن چکا تھا اور اس
نے ہفتوں اتنی شاندار ایکٹنگ کی تھی کہ پاگل خانے کے ڈاکٹر بھی چکر میں پڑ گئے تھے۔[1]

ایک بات اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس وقت دن تھا یا رات۔ ان کمروں میں
چھت کے قریب دیواروں سے روشنی پھوٹتی تھی اور یہ روشنی یقیناً مصنوعی تھی۔ سورج سے اس کا کوئی

[1] اس داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا خاص نمبر "لاشوں کا آبشار" جلد نمبر 9 ملاحظہ فرمایئے۔

تعلق نہیں تھا۔ ورنہ اس میں ہلکی سی نیلاہٹ کیوں ہوتی۔

پہلی بار ہوش آنے سے اب تک وہ ایسی ہی روشنی دیکھتا رہا تھا اس کی گھڑی تو پہلے ہی بار
ہو چکی تھی۔

بھوک کے مارے اس کا دم نکل رہا تھا۔ لیکن وہ کہاں جاتا۔ کسے پکارتا۔ پھر اسے قاسم کا خیال
آیا وہ اٹھا اور دروازے کے قریب گیا جہاں سے وہ قاسم کے کمرے کا جائزہ لے سکتا تھا۔ یہاں اس
نے قاسم کو دیکھا جو ایک لمبے چوڑے دستر خوان پر تنہا پریڈ کر رہا تھا۔ بکرے کی مسلم ران، مرغ مسلم
بڑی بڑی رقابوں میں شوربہ اور روٹیوں کا ایک بہت بڑا ڈھیر۔

"قاسم......!" حمید نے اُسے آواز دی۔

"اوہا......اغے......غمید......بھاغی......!" وہ بھاڑ سا منہ پھاڑتا ہوا بولا' جس میں ایک بہت
بڑا لقمہ تھا۔ "آؤ......آؤ......!"

"اچھا......اچھا......!" قاسم نے کچھ روٹیاں اٹھائیں ان پر کچھ بوٹیاں رکھیں اور اٹھ کر
دروازے کی طرف بڑھا لیکن اچانک نہ جانے کس روشندان سے بندر نے اس پر چھلانگ لگائی اور
وہ سب کچھ فرش پر آ رہا۔ قاسم گالیاں بکتا ہوا اس کی طرف دوڑا۔ لیکن وہ پھر ایک روشندان پر
جا چڑھا تھا اور کھڑے ہو کر پھر وہی "چھنک چھنک" شروع کر دی اس واقعے پر حمید سچ مچ پاگل
ہو گیا۔ وہ بھی اس بندر کو اس انداز میں گالیاں دینے لگا جیسے اس سے ان کے جواب کی توقع رکھتا ہو
اور پھر جواب ملتے ہی باقاعدہ طور پر لڑ پڑے گا۔

پھر قاسم اور حمید دونوں ایک دوسرے سے پھوہڑ عورتوں کی طرح گلے شکوے کرنے لگے۔
شائد دونوں ہی پاگل ہو گئے تھے۔ بندر ایک بار پھر چپ چاپ نیچے اترا، اتنی آہستگی سے کہ
گھونگھروؤں میں ہلکی سی چھنک بھی نہیں پیدا ہو سکی اور پھر اس نے دستر خوان پر رکھی ہوئی رقابیں الٹ
دیں۔

"وہ دیکھو......!" حمید دہاڑا۔

جب تک قاسم وہاں پہنچتا وہ پھر جست لگا کر روشندان پر جا چڑھا اور پھر وہی ناچ شروع
ہو گیا۔ "چھنک، چھنک......" حمید کو زہر لگ رہی تھی یہ آواز۔ دفعتاً قاسم نے ایک بڑی سی ہڈی اٹھا کر
کھینچ ماری جو روشندان سے گذر کر دوسری طرف چلی گئی۔ بندر بدستور ناچتا رہا۔ "چھنک چھنک"

اس پر قاسم نے ایک قاب پر طبع آزمائی کی اور پھر اس کا دماغ باقاعدہ طور پر الٹ گیا۔
چپاتیاں......ہڈیاں......پلیٹیں......رقابیں......روشندان سے گذر گذر کر دوسری طرف جاتی رہیں۔
مگر بندر کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ قاسم کی چشم تصور اب بھی اسے دیکھ رہی ہو۔

اچانک ایک گھڑگھڑاہٹ سی سنائی دی اور سامنے والی دیوار میں ایک چھوٹی سی خلاء نظر آئی۔
اتنی چھوٹی کہ اس سے ایک دبلا پتلا آدمی بھی بمشکل گذر سکتا تھا۔

اس خلاء میں ایک آدمی کا چہرہ دکھائی دیا اور اس نے گرج کر قاسم سے پوچھا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"اسی سالے چھنک چھنک سے پوچھو کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"بندر......!" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"نہیں تمہارا باپ......!" قاسم دہاڑا۔

"تم سمجھتے ہو کہ جب تک تم چیک پر دستخط نہیں کرو گے یہی ہوتا رہے گا۔" اس آدمی نے نرم
لہجے میں کہا۔

قاسم خاموش ہو گیا۔ وہ اس مسئلے پر سنجیدگی سے سوچنا چاہتا تھا۔ ابھی تک ڈیڑھ لاکھ کی رقم گنوا
چکا تھا

دفعتاً حمید نے ہانک لگائی۔ "ارے مری جان ادھر تو دیکھو۔"

"کیوں شور مچا رہے ہو۔" وہ آدمی جھلا گیا۔

"چار بنڈل......چار بنڈل......!" حمید نے قہقہہ لگایا اور اس کے حلق سے بیک وقت
سینکڑوں قسم کی آوازیں نکلتی معلوم ہوئیں۔ پھر اس نے مرغوں کی طرح بانگ دینی شروع کر دی۔

قاسم حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑا تھا۔

"میری جان ملکہ کائنات ککڑوں کوں......ککڑوں کوں......وزیر اعظم ککڑوں کوں......زیرو
تھری......ککڑوں کوں......قاسم بیٹا ککڑوں کوں......"

"تم خود ککڑوں کوں۔" قاسم ہنسنے لگا۔

مگر حمید ملکہ کائنات اور وزیر اعظم کا نام لے لے کر اس طرح "ککڑوں کوں" کرتا رہا جیسے
زندہ باد کے نعرے لگا رہا ہو۔



وادی کراغال کی خانم اپنی شکار گاہ میں تھی جس کا فاصلہ اس کے محل سے تقریباً بیس میل تھا۔ یہیں اسے فریدی ندی کے کنارے ایک چٹان پر بیہوش ملا تھا۔

اس کے خیمے سے واپس آنے کے بعد خانم نے اپنے بوڑھے مشیر کو طلب کیا اس کے سر کے بال برف کی طرح سفید تھے اور چہرے پر گھنی سفید مونچھیں تھیں۔ مگر جسم کی ساخت جوانوں کی سی تھی اور وہ اس عمر میں بھی سینہ تان کر چلتا تھا۔

”تم کیا کہتے ہو۔“ خانم نے اس سے سوال کیا۔

”آپ مالک ہیں۔ مگر میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کہ کوئی اجنبی محل میں قدم رکھے۔“

”مجھے وہ ایماندار آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

”مگر آپ بھول رہی ہیں کہ وہ ان پہاڑوں کے ادھر رہتا ہے۔“ بوڑھے نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

خانم سوچ میں پڑ گئی اور بوڑھا بولا۔ ”ادھر کوئی ایماندار آدمی پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ کیا ہم ان لوگوں کے ہاتھوں تنگ نہیں آ گئے۔ ہمارے دشمنوں کے پاس رائفلیں کہاں سے آتی ہیں۔ دھماکے والے گولے کہاں سے آتے ہیں۔ سب وہیں سے آتے ہیں مالک۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہیں یہ آدمی ادھر کا جاسوس نہ ہو۔“

”کچھ بھی ہو۔“ خانم تھوڑی دیر بعد بولی۔ ”وہ زخمی ہے۔ اُسے اس حال میں یہاں نہیں چھوڑا جاسکتا۔ پھر اگر وہ جاسوس ہی ثابت ہوا تو اسے ایک اچھا سبق دیا جائے گا تاکہ پھر کوئی ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ کرسکے۔“

”آپ مالک ہیں...... جو اللہ کی مرضی...... وہی خانم کی مرضی۔“

”ٹھیک ہے......“ خانم نے کہا۔ ”اب ہم واپس چلیں گے۔ موسم خراب ہوگیا ہے۔ شکار کے لئے موزوں نہیں۔“

بوڑھا ادب سے جھکا اور باہر نکل گیا۔

پھر ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر کوچ کی تیاری ہوگئی۔ فریدی کے لئے پھر اسٹریچر لایا گیا۔ مگر

اب اس نے اسٹریچر پر سفر کرنے سے انکار کردیا۔

”میں اپنے ہی جیسے آدمیوں پر بار نہیں بننا چاہتا۔“

”تم زخمی ہو۔“ خانم نے کہا۔

”مگر اتنا کمزور بھی نہیں ہوں۔“

”ہماری پاس کوئی فالتو گھوڑا نہیں ہے۔“ خانم مسکرائی۔

”پرواہ نہیں...... میں پیدل چلوں گا۔“

بوڑھا اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ خانم نے اسے کچھ اشارہ کیا۔ جواب میں بوڑھے نے ایک سوار کی طرف دیکھا اور وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اس کی لگام پکڑے ہوئے فریدی کے قریب لایا۔

فریدی ایک ہی جست میں گھوڑے کی پشت پر تھا مگر گھوڑا ابدک گیا۔ منہ زوری کرنے لگا اور پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہوکر سوار کو گرانے کی کوشش کی مگر اس کی پشت پر اس صدی کا سب سے زیادہ چالاک آدمی سوار تھا۔ اس نے دو ہی تین رگڑوں میں اُسے چوہا بنا دیا۔ خانم اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ آخر اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں بوڑھے سے کہا۔ ”کیا تمہیں علم نہیں تھا کہ گھوڑا شریر ہے۔“

”نہیں مالک...... میں نہیں جانتا تھا۔ ویسے یہ گھوڑا شریر نہیں ہے کیوں۔“ اُس نے گھوڑے کے مالک کی طرف دیکھ کر آنکھ ماری۔

”نہیں مالک...... یہ تو بڑا سیدھا جانور ہے۔“ گھوڑے کا مالک بولا۔

”بات یہ ہے مالک۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”کراغال کے گھوڑے بھی اجنبیوں سے دور ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔“

”نہیں...... یہ غلطی پر تھا۔“ فریدی نے اپنی ایک آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اب اسے یاد آ گیا ہے کہ ہم دونوں ایک ہی کارخانے میں ڈھالے گئے تھے۔“

شائد گھوڑے کے مالک کو بھی اس کے رام ہوجانے پر حیرت تھی۔ وہ بار بار اس کی طرف دیکھ کر پلکیں جھپکاتا رہا۔

پھر تیس افراد کا یہ قافلہ چل پڑا۔ پیچھے چند باربردار خچروں پر خیمے اور راوٹیاں بار تھیں۔ کچھ

لوگ پیدل بھی تھے۔

راہ میں ایک جگہ پھر فریدی کا گھوڑا شرارت پر اتر آیا۔ مگر فریدی نے اپنی رانوں سے اس کی پسلیاں اس زور سے دبائیں کہ اس کی زبان نکل پڑی۔ اس موقعہ پر اگر حمید ہوتا تو ضرور پوچھ بیٹھتا۔

"آخر آپ خود کتنے ہارس پاور کے ہیں۔" فریدی اس وقت بھی حمید کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کہیں حملہ آوروں نے اسے ہلاک نہ کر دیا ہو۔ مگر وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ خود اس کی زندگی کسی معجزے کے تحت بچ تو گئی تھی مگر اب وہ ایسے لوگوں میں آپھنسا تھا جن سے گلوخلاصی قریب قریب ناممکن تھی۔ اگر ناممکن نہیں تو آسان بھی نہیں تھی۔ خود فریدی جیسا آدمی اس سلسلے میں کوئی یقینی بات نہیں سوچ سکتا تھا۔

خانم کا گھوڑا اس وقت اس کے گھوڑے کے برابر چل رہا تھا اور وہ بار بار اس کی طرف دیکھنے لگی تھی مگر فریدی اپنی گتھیوں میں الجھا ہوا تھا۔

"تمہارے زخم میں تکلیف ضرور ہو رہی ہوگی۔" خانم نے کہا۔

"کوئی ایسی خاص نہیں ہے۔"

"تمہارے دیس کے لوگ آخر ہمیں غلام کیوں بنانا چاہتے ہیں۔" خانم نے پوچھا۔

"میرے دیس کے لوگ۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "نہیں تو...... میں نے کبھی نہیں سنا کہ ہماری حکومت نے کبھی آزاد علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ہو۔"

"پھر ہمارے دشمنوں کو اسلحہ کہاں سے ملتا ہے۔"

"ہماری حکومت سے انہیں کوئی مدد نہ ملتی ہوگی۔ آپ یقین کیجئے۔"

"تم کیا جانو...... حکومتوں کے راز عام آدمیوں کو نہیں معلوم ہوتے۔"

"ہاں یہ درست ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مگر عام آدمی اپنی عقل تو استعمال کر ہی سکتے ہیں۔ اتنا تو میں بھی سوچ سکتا ہوں کہ ہماری بقا کے لئے کراغال کا وجود ضروری ہے۔"

"اسی لئے تم چاہتے ہو کہ کراغال پر تمہارا تسلط ہو جائے۔"

"ہرگز نہیں...... البتہ ہم مضبوط ترین کراغال ضرور چاہتے ہیں۔ ہماری سب سے بڑی غلطی ہوگی اگر ہم کراغال کے دشمنوں کا ساتھ دیں۔ ویسے انہیں اسلحہ دوسرے ممالک سے بھی مل سکتا ہے، جو ہم دونوں کے یکساں مخالف ہیں۔"

"مگر میں نے ایسی رائفلیں کبھی نہیں دیکھیں۔ ایک محل میں پڑی ہوگی۔ میں تمہیں دکھاؤں گی۔"

پھر وہ خاموش ہو کر سوچنے لگی۔ ادھر فریدی بھی سوچ رہا تھا کہ یہ کسی نہ کسی بہانے سے اُسے قید کر لینے کی فکر میں ہے۔ اس نے گھوڑے کے سلسلے میں بوڑھے مشیر کا طنز بھی محسوس کیا تھا۔ کراغالیوں کے ہتھے چڑھ جانے کا مطلب یا تو موت تھا یا عمر قید۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح وہ ان پہاڑوں کی داستانوں کو باہر پھیلنے سے روکتے تھے۔ فریدی نے کچھ دیر بعد خانم سے پوچھا۔ "مگر آپ کے دشمن ہیں کون؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ کراغالی ہی ہیں۔" خانم نے جواب دیا۔ "مگر ان کے پاس عجیب و غریب چیزیں ہیں۔ حیرت انگیز اسلحہ جات...... ان کے پاس ایک ایسی سیٹی ہے جس کی آواز میلوں پھیلتی ہے۔"

"کیا......؟" فریدی یک بیک چونک پڑا۔

"ہاں ان کے ہر آدمی کے پاس ایک ایسی ہی سیٹی ہوتی ہے۔ جب وہ خطرے میں ہوتا ہے تو اسے بجاتا ہے۔ پھر نگل لیتا ہے۔"

"کیا نگل لیتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"سیٹی...... اُسے نگلتے ہی وہ مر جاتا ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس کے جسم کے چیتھڑے اڑ جاتے ہیں۔ شائد وہ سیٹی اس کے پیٹ میں کسی بم کی طرح پھٹ جاتی ہے۔"

"آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا۔"

"ایک بار ایک مشتبہ آدمی اس علاقے میں دیکھا گیا تھا۔ میرے آدمیوں نے اُسے گھیر کر پکڑ لیا۔ اس نے سیٹی بجائی اور پھر اسے نگل گیا۔ سیٹی کی آواز پھیلتے ہی کچھ دیر بعد اُن پر چاروں طرف سے گولیاں برسنے لگیں۔ پندرہ میں سے صرف دو آدمی بچے تھے اور ایک نے اس لاش کے چیتھڑے اڑتے دیکھے تھے۔"

"حملہ آور سامنے نہیں آئے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں...... یہ پہاڑ ایسے ہیں کہ ان میں پوری پوری فوجیں چھپ سکتی ہیں۔"

پھر خانم نے چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ "میرے آدمیوں کا خیال ہے کہ تم انہیں لوگوں کے جاسوس ہو۔ اس لئے وہ تمہیں زندہ نہیں دیکھنا چاہتے۔ اب بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی حقیقت سے آگاہ کر دو۔"

پاگل کا امتحان

حمید نے وہ غل غپاڑا مچایا کہ قاسم بدحواس ہوگیا اور اس آدمی پر پتہ نہیں کیا گذری جو دیوار کے خلاء سے جھانک رہا تھا۔ لیکن اب خلاء برابر ہوچکی تھی۔ حمید اس کے باوجود بھی اسی انداز میں چیختا رہا۔

''کیوں میرا دماغ خراب کررہے ہو۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''اس سے کیا فائدہ۔''

''شٹ اپ......سالے......اُلو کے پٹھے۔'' حمید نے اسی انداز میں اسے ڈانٹ پلادی۔

''ابے زبان سنبھال کے......تم خود سالے اُلو کے پٹھے......شٹ اپ وغیرہ۔''

اس پر حمید نے اسے دو چار گندی گندی گالیاں دیں اور قاسم آپے سے باہر ہوگیا۔ اس نے جھلاہٹ میں دو چار ٹکریں دروازے پر بھی ماریں لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ اتنے میں قاسم کے کانوں میں چھنک چھنک کی آواز بھی آئی، وہ اور بھی پاگل ہوگیا۔ حمید کو چھوڑ کر وہ اس طرف متوجہ ہوگیا۔ بندر روشندان میں کھڑا ناچ رہا تھا۔

اس بار قاسم اس طرح آؤٹ آف کھوپڑی ہوگیا تھا کہ خود اس نے بھی جھلاہٹ میں بندر ہی کی طرح ناچنا شروع کردیا۔

دوسری طرف حمید کے کمرے کا فرش نیچے کی طرف دھنسنے لگا اور اس نے سمجھ لیا کہ آنے والے لمحات فیصلہ کن ہوں گے۔ اس نے اپنی قمیص تار تار کرڈالی اور ٹائی کھول کر اسے اس طرح اپنی گردن میں لپیٹ لیا جیسے دونوں سرے کھینچ کر خودکشی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

جیسے ہی فرش کی حرکت تھمی حمید نے اپنا گلا گھونٹنا شروع کردیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اچانک اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے گئے۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور اس کے منہ سے گالیوں کا طوفان ابل پڑا۔ تین آدمی اُسے کھینچتے ہوئے محراب سے نکال کر اُسی وسیع ہال میں لے جارہے تھے جہاں اس سے قبل اس نے ایک پراسرار دربار کے مناظر دیکھے تھے۔

''چھوڑو بدتمیزو......مجھے سجدہ کرو......میں ملکہ کائنات کا پٹھا ہوں۔'' حمید حلق پھاڑ کر چیخا اور اسی جگہ مچلنے لگا۔ لیکن وہ لوگ اُسے وسط ہال تک کھینچتے رہے۔ پھر چھوڑ دیا۔ حمید نے چھوٹتے ہی کسی

زخمی گوریلے کی طرح اچھلنا کودنا شروع کردیا۔ لیکن ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اُسے ان تین آدمیوں کی موجودگی کا احساس تک نہ ہو۔

وہ تینوں اسے حیرت سے دیکھتے رہے۔ پھر اچانک ایک محراب سے پردہ ہٹا اور ایک پروقار آدمی آہستہ آہستہ چلتا ہوا حمید کی طرف آیا۔ اس کے جسم پر جدید طرز کا لباس تھا لیکن چہرے پر گھنی سیاہ ڈاڑھی تھی اور وہ تین آدمی بھی آج کل کے معمولی ہی لباس میں تھے۔ ان کی کسی بات سے بھی قدامت نہیں ظاہر ہوتی تھی۔

''کیا بات ہے۔'' ڈاڑھی والے نے گرجدار آواز میں کہا۔

حمید اچھل کود ترک کرکے بے حس وحرکت کھڑا ہوگیا۔ اس کے چہرے پر بلا کی وحشت طاری تھی اور آنکھوں کی چمک تو خدا کی پناہ۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ پاگل نہیں ہے۔ حمید ایک شاندار ایکٹر تھا۔

''کیا تم نہیں جانتے کہ کسی وقت بھی تمہاری موت آسکتی ہے۔'' ڈاڑھی والے نے اُسے گھور کر کہا۔

''میرے داہنے ہاتھ میں موت ہے اور بائیں میں حیات۔ تم مجھے سولی دو۔ میں آسمان پر اٹھالیا جاؤں گا۔''

''کرنل فریدی کہاں مل سکے گا۔ ہم لوگ بڑے مہمان نواز ہیں۔ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔''

''کرنل فریدی آکسفورڈ ڈکشنری کے پندرہویں صفحہ پر ملے گا۔ فریدی ناؤن ہے۔ اس کا ایڈجیکٹو فریدل ہے......دل دل......فریدل......فرفر......دلی دل...... ہائے تیری گھوڑی چنے کے کھیت میں۔''

حمید نے ٹھمک ٹھمک کر ناچنا شروع کردیا۔ ''نندی تیری گھوڑی چنے کے کھیت میں۔''

ڈاڑھی والا اُسے سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

''اور بکو......!'' حمید کچھ دیر خاموش رہ کر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''اگر تم میری قابلیت کا امتحان لینا چاہتے ہو تو یہ بھی سہی۔ میں دنیا کے سارے علوم کے متعلق تمہیں چیلنج کرسکتا ہوں۔''

ڈاڑھی والے کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ اس نے ان تینوں آدمیوں سے کہا۔

''اسے ریڈ وارڈ میں لے چلو۔''

حمید اب پھر گھسیٹا جانے لگا۔ لیکن اب وہ گالیاں بکنے کے بجائے کسی دیش سیوک کی طرح حب الوطنی پر تقریر کر رہا تھا۔ آخر اس نے بڑے شاندار لہجے میں کہا۔ ”تم نے ایک کو سولی دی، ایک کو زہر پلایا تھا، ایک کے سینے میں خنجر اُتارا تھا...... لیکن میں نہ زہر سے مر سکتا ہوں اور نہ خنجر سے میں تمہاری موت کا پیام ہوں۔“

ہال سے گذر کر وہ ایک طویل سرنگ میں چلتے رہے پھر ایک محراب میں داخل ہو کر ایک بڑے کمرے میں آئے جو اپنے لوازمات کی بناء پر کسی قسم کی لیبارٹری معلوم ہو رہا تھا۔

یہاں پانچ یا چھ سنجیدہ صورت آدمی پہلے ہی سے موجود تھے۔ اُن میں سے ایک کو حمید نے فوراً ہی پہچان لیا۔ وہی بوڑھا تھا جس نے دربار میں زیرو تھری نامی مشین کا مظاہرہ کیا تھا۔

ڈاڑھی والے کو دیکھ کر وہ سب مؤدبانہ انداز میں کھڑے ہو گئے۔

”اس آدمی کی ذہنی حالت کی رپورٹ چاہئے۔“ اس نے حمید کی طرف اشارہ کیا اور لیبارٹری سے نکل گیا۔ وہ تین آدمی جو حمید کو یہاں تک لائے تھے موجود رہے۔

حمید نے سوچا یہ بہت بُرا ہوا۔ اب پول کھل جائے گی۔ جن لوگوں کے پاس زیرو تھری جیسی حیرت انگیز مشینیں ہوں ان کے پاس ذہنی حالت پرکھنے کے اعلیٰ ترین آلات کی کیا کمی ہو سکتی ہے۔

حمید کو فوراً ہی ایک دوسرے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اس کمرے میں عجیب طرح کی روشنی تھی جو نہ روشنی معلوم ہوتی تھی اور نہ تاریکی۔

حمید کو ایکسرے سے ملتی جلتی ایک مشین میں کھڑا کر دیا گیا۔ مشین میں ہلکی سی گھر گھراہٹ پیدا ہوئی اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا ذہن خود اسی پر آئینہ ہو گیا ہو۔ گرمی کے مارے اس کا دم گھٹنے لگا۔ حلق خشک ہو گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اس پر غشی طاری ہوتی جا رہی ہو۔ شائد تین منٹ بعد اسے مشین سے نکال لیا گیا اور حمید نے پھر اپنی بکواس شروع کر دی۔ لیکن سب فضول...... وہ سوچ رہا تھا کہ ابھی ساری حقیقت ظاہر ہو جائے گی اور انجام...... انجام خدا جانے کیا ہو۔

کمرے سے وہ پھر لیبارٹری میں لایا گیا۔ اب اس نے دیکھا کہ اس کی ذہنی حالت کی جانچ کرنے والا بھی وہی بوڑھا تھا جس نے اُسے زیرو تھری نامی مشین کے کرتب دکھائے تھے۔

اس نے جلدی جلدی ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر ایک آدمی کے حوالے کیا جو فوراً ہی لیبارٹری سے باہر چلا گیا۔ حمید کے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں میں سے اب دو ہی باقی رہ گئے تھے۔

شاید پانچ یا چھ منٹ بعد وہ آدمی واپس آ گیا اور اس نے کاغذ بوڑھے کو واپس کر دیا۔ بوڑھے نے پشت پر لکھی ہوئی عبارت پڑھی اور اُن آدمیوں سے بولا۔

”اسے میرے ساتھ لاؤ۔“

حمید کو پھر ایک طویل سرنگ سے گذرنا پڑا لیکن نہ تو یہاں گرمی تھی اور نہ گھٹن کا احساس...... وہ رہے۔ سرنگ کے دائیں اور بائیں جانب دروازوں اور کھڑکیوں کی قطاریں نظر آ رہی تھیں۔ یہ سب بھی کمرے ہی میں تھے۔ اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی۔ وہ ان لوگوں سے بہت زیادہ مرعوب ہو گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا کبھی کوئی ان لوگوں کو شکست دے سکے گا۔ ایک کمرے کا دروازہ کھول کر حمید کو اندر دھکا دے دیا اور پھر دروازہ باہر سے بند کر لیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر کھلا اور بوڑھا اندر داخل ہوا۔

”کیوں...... کیا خیال ہے۔“ اس نے مسکرا کر حمید سے پوچھا۔ ”یہ کھیل جاری ہی رکھو گے یا عارضی طور پر مہلت چاہتے ہو۔“

حمید نے جواب میں ”کگڑوں کوں“ کی ہانک لگائی اور یہ سلسلہ جاری ہی رکھنا چاہتا تھا کہ بوڑھے نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”مجھے بیوقوف بنانا مشکل ہے۔ ویسے میں نے رپورٹ میں یہی لکھا ہے کہ کسی اچانک ذہنی دھچکے نے مخبوط الحواس کر دیا مگر میرا دعویٰ ہے کہ تم قطعی صحیح الدماغ ہو۔ ویسے تمہیں ایک شاندار ایکٹر ضرور کہا جا سکتا ہے۔“

حمید خاموشی سے اسے دیکھتا رہا کچھ بولا نہیں۔

✻

خانم کا محل بڑا شاندار تھا۔ یہاں پہنچ کر فریدی کو معلوم ہوا کہ وہ کراغالیوں پر پوری طرح حکمران ہے۔ فریدی کو ایک کشادہ اور آرام دہ کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی حیثیت قیدیوں کی سی ہے۔ وہ کمرے سے تنہا باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ کمرے کے سامنے تین مسلح سنتریوں کا پہرہ تھا جب بھی وہ باہر نکلتا وہ اس کے ساتھ ہو جاتے۔

سہ پہر کو پھر اس کی طلبی خانم کے سامنے ہوئی۔ وہ ایک جابر حکمران تھی۔ فریدی نے بھی یہی

اندازہ لگایا تھا۔ اس وقت وہ ایک بڑے اور اعلیٰ فرنیچر سے آراستہ کمرے میں تنہا تھی۔ اس [کا لباس] دھانی رنگ کے سلک کا ایک لبادہ تھا اور بال کھلے ہوئے تھے اور بلاشبہ وہ حسین نظر آ رہی [تھی لیکن] حسین، نزاکت اس میں نام کو بھی نہیں تھی۔

اس نے سر کی جنبش سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ فریدی اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ [گیا۔ وہ] خاموشی سے کمرے میں ٹہلتی رہی پھر یک بیک رک کر بولی۔

”مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے اس سے پہلے تمہیں کہاں دیکھا تھا۔ ویسے میرا خیال [ہے کہ] میں نے تمہیں بہت دیکھا ہے۔“

”میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ میں نے تو پہلی بار کراغال میں آنکھیں کھولی ہیں۔ آنکھ [کھولنا] ہی زیادہ موزوں لفظ ہے۔ کیونکہ میرے یہاں پہنچنے میں ارادے کو دخل نہیں تھا۔“

”ادھر دیکھو......!“ دفعتاً خانم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”کراغال ناقابلِ تسخیر ہے۔ [اگر کسی] قوت نے ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی تو اسے پچھتانا پڑے گا۔ ہمارے پہاڑ اچھی طرح ہماری [حفاظت] کر سکتے ہیں۔ ایک بار ہمارے سات آدمیوں نے ڈھائی سو سفید فام فوجیوں کا خاتمہ کر دیا [تھا۔ وہ] فوجی جدید ترین اسلحہ سے لیس تھے۔ ان کے پاس بھاری گولے پھینکنے والی توپیں بھی تھیں۔ [ان کے پاس] ہوائی جہاز تھے لیکن ہمارے صرف سات آدمیوں نے انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا اور اب [تم] نے ہماری طرف دیکھنا شروع کیا ہے جو دراصل اب بھی سفید فاموں کے محتاج ہو۔“

”اگر آپ کو اب بھی میری نیت پر شبہ ہے تو میں کسی قسم کی صفائی پیش کرنا فضول [سمجھتا] ہوں۔“ فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

”اس صورت میں انجام بخیر نہیں ہو سکتا۔“

”یہ بھی کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جس کے لئے مجھے پریشانی ہو۔ میری نظروں میں [انجام] صرف اس حادثے کا نام ہوگا جو پوری زمین کے چیتھڑے اڑا دے۔ نہ صرف زمین بلکہ کائنات کے خاتمے کا نام انجام ہو سکتا ہے۔“

”بہت اونچی باتیں کر لیتے ہو۔“ خانم نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”اونچی نہیں یہ تو بہت معمولی باتیں ہیں۔ ایک میرے مرنے سے زندگی کا خاتمہ نہیں [ہو جائے] گا۔“

”میں نے تمہیں اس لئے طلب نہیں کیا کہ تم مجھے فلسفہ پڑھاؤ۔“

”یہ ایک سیدھی سادی بات تھی۔ مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ میری نظروں میں موت کی [اہمیت] نہیں ہے۔“

”تم پہاڑوں کے پیچھے والے دیس کے جاسوس ہو۔“

”میں کچھ بھی ہوں لیکن مجھے کراغالیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔“

”تو تم اسے تسلیم کرتے ہو کہ تم جاسوس ہو۔“

”میں کوئی ایسی بات تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں جس کا آپ سے کوئی سروکار نہ ہو۔“

”تم کراغال کی خانم سے گفتگو کر رہے ہو۔“

”میرا خیال ہے کہ مجھ سے ابھی تک کوئی گستاخی سرزد نہیں ہوئی۔ ویسے میں ایک پیشین گوئی کروں گا۔“

”کیا......؟“

”آپ کے وہ نامعلوم دشمن جن کی حیرت انگیز سیٹی کا تذکرہ آپ نے کیا تھا عنقریب آپ کے لئے مصیبت بننے والے ہیں۔“

”کیا مطلب......؟“

”وہ ایک ایسے علاقے کی تلاش میں ہیں جہاں سے ہماری حکومت کے خلاف فتنے [اٹھا سکیں]۔“

”پھر......!“

”پھر یہ کہ اگر کراغال کی خانم نے دانش مندی سے کام نہ لیا تو کراغال کا بھی وہی حشر ہوگا جو مقلان کا ہوا تھا۔ بوڑھا خان اعظم آج بھی اپنے جوان بیٹے کا داغ سینے پر لئے زندہ ہے۔“

”تم نصرت خان کا تذکرہ کر رہے ہو شائد۔“

”ہاں...... میں اسی کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ وہ ایک سیدھا سادہ مگر دلیر آدمی تھا۔ چند شیطانوں [نے] اپنا اُلو سیدھا کرنے کے لئے اسے غلط راستوں پر ڈال دیا۔ مقصد یہی تھا کہ قلعہ مقلان پر ان کا [قبضہ] ہو جائے۔“

”ہاں...... ہاں...... یہ داستانیں میرے کانوں تک پہنچی ہیں۔“

"اس تنظیم کا سرغنہ مار ڈالا گیا تھا لیکن تنظیم بدستور قائم تھی اور میرا خیال ہے کہ ا
پکڑتی جارہی ہے۔"

"تو یہ حیرت انگیز سیٹی والے......!"

"میرا خیال ہے کہ یہ اسی تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں اور ہاں...... آپ نے مجھے
دکھانے کا وعدہ کیا تھا۔"

"مگر تم یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہو۔"

"میں اس لئے کہہ سکتا ہوں کہ میں بھی انہیں کے ہاتھوں زخمی ہوا تھا۔"

"میں نہیں سمجھتی کہ تمہارے بیان پر کیوں یقین کرلیا جائے۔"

"نہ کیا جائے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور خانم پھر جھنجھلا گئی۔ شاید اسے ا
فریدی خود کو خطرے میں دیکھ کر روئے گا۔ گڑگڑائے گا۔ رحم کی بھیک مانگے گا اپنی معصو
کرنے کے لئے زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دے گا۔

"کرانانالی فوراً ہی ہلاک نہیں کردیتے۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"اذیتیں دے کر مارتے ہوں گے۔" فریدی نے پھر لاپروائی کا اظہار کیا اور خانم
میں دیکھنے لگا۔ لیکن خانم زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکی وہ بغلیں جھانکنے لگی۔ پھر اس نے تالی بجا
خادم پردہ ہٹا کر کمرے میں داخل ہوا۔

"یوسف خان سے کہو کہ وہ رائفل پیش کرے۔" خانم نے کہا۔ خادم تعظیماً جھکا اور ا
باہر نکل گیا۔

"ایک رائفل ہی پر کیا منحصر ہے۔ معزز خانم...... ان لوگوں کے پاس حیرت ا
ہیں۔ وہ آدمیوں کو کوئلوں کے بتوں میں تبدیل کردیتے ہیں۔"

"کیا......؟" دفعتاً خانم چیخ کر کھڑی ہوگئی۔ اسکی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹی ہوئی

"ہاں...... میں غلط نہیں کہتا...... ان کے پاس دنیا کے بہترین دماغ ہیں جو ش
کے لئے محنت کرتے ہیں۔ شاید وہ لوگ قوت میں آنے کے بعد ساری دنیا پر چھا جائیں۔"

"لیکن تم نے ابھی کوئلے کے مجسمے کے بارے میں کیا کہا تھا۔"

"یہی کہا تھا کہ ان کے اسلحے آدمی کو کوئلے کے مجسمے میں تبدیل کرسکتے ہیں۔"

"تمہیں کیا معلوم...... کیا تم کسی ایسے حربے سے واقف ہو۔"

"نہیں...... لیکن ایک ایسا مجسمہ دیکھ چکا ہوں۔"

خانم سر پکڑ کر کرسی میں گر گئی۔ اس کے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں تھیں۔

"میرا خیال ہے کہ اس تذکرے سے آپ کو کسی قسم کی تکلیف پہنچی ہے۔"

فریدی نرم لہجے میں بولا۔

خانم نے ہاتھ ہلا کر اُسے جانے کا اشارہ کیا۔ فریدی اس کے اس رویہ پر متحیر رہ گیا۔ کوئلے کے مجسموں کا نام سنتے ہی وہ چیخی تھی اور پھر بے حس و حرکت ہوکر کرسی میں گر گئی تھی۔

فریدی چپ چاپ کمرے سے نکل گیا۔ دونوں سنتری کمرے کے باہر موجود تھے۔ وہ ان کے ساتھ بھی خاموشی ہی سے چلتا رہا۔ خانم کا رویہ عجیب و غریب تھا۔ اس نے شائد وہی رائفل طلب کی تھی لیکن کوئلے کے مجسمے کا تذکرہ آتے ہی اس طرح بدحواس کیوں ہوگئی۔

فریدی الجھن میں پڑ گیا۔

محل میں شور

حمید اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ بوڑھے کی بات فوراً ہی تسلیم کرلیتا۔ اس نے مسکرا کر سینہ پیٹتے ہوئے اُسے آنکھ ماری اور دو تین عاشقانہ اشعار پڑھ دیئے۔

"میں تمہارا ہمدرد ہوں۔" بوڑھے نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں تمہارے ہمدرد کا باپ ہوں...... آگے چلو۔"

"تم پاگل نہیں ہو۔" بوڑھا مسکرایا۔

"تم بھی پاگل نہیں ہو۔" حمید بھی اُسی انداز میں کہہ کر مسکرایا۔

"اگر تم نے سیدھی طرح مجھ سے گفتگو نہ کی تو بھگتو گے۔"

"اگر تم نے مجھ سے گفتگو کی طرح سیدھی نہ کی تو...... بھگتو...... بھگتو...... بھگتو...... اور بھگتو...... بھئی بھگتو...... بھگتو...... بھگتو گے۔"

وہ "بھگتو، بھگتو" کی گردان کرتا ہوا ناچنے بھی لگا تھا۔ ویسے اس گھٹیا پن پر اس کا دل رو رہا تھا۔

"تو تم یوں نہیں مانو گے۔"

"پھر کیسے مانوں گا۔" حمید نے غرا کر سوال کیا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔"

"جلدی بتاؤ...... بتاؤ جلدی...... اتنی دیر۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم خطرناک پاگلوں میں سے نہیں ہو۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم خطرناک پاگلوں میں سے نہیں ہو۔" حمید نے اسی انداز میں جواب دیا۔

"اچھا ٹھہرو......!" بوڑھے نے کہا اور کمرے کا دروازہ بند کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

حمید سخت الجھن میں تھا کہ وہ اسے جان سے نہیں مارنا چاہتے ورنہ اتنی دیر تک زندہ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر صرف فریدی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے زندہ رکھنا بھی سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی۔

بہرحال اس نے تہیہ کرلیا کہ جب تک اوسان بجا رہیں گے ہر طرح ان کا مقابلہ کرتا رہے گا۔

تھوڑی دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا۔ لیکن اس بار حمید کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ آنے والی ایک لڑکی تھی اور یہ کہنا حماقت ہی ہوگی کہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ دنیا کی ساری لڑکیاں خوبصورت ہی ہوتی ہیں کم از کم حمید کی نظروں سے تو آج تک کوئی بدصورت لڑکی نہیں گذری تھی۔

یہ واقعی امتحان کا وقت تھا۔ حمید بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پتھر کے بت کی طرح...... حتیٰ کہ اس کی آنکھیں بھی متحرک نہیں تھیں۔

لڑکی آہستہ آہستہ اس کے قریب آئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ "اب یہ قصہ ختم کر دیجئے۔ ہم آپ کو کسی طرح بھی ضائع نہ ہونے دیں گے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ لیکن اب اس کی پلکیں جھپکنے لگی تھیں۔

"میں آپ سے استدعا کرتی ہوں۔ ویسے آپ شوق سے پاگل بنے رہئے گا۔ اسی میں آپ کی بہتری ہے لیکن میں اور ڈاکٹر زبیری آپ کے دوست ہیں۔ ہم سنجیدگی سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں

ہم جانتے ہیں کہ آپ کیپٹن حمید ہیں اور کرنل فریدی ان لوگوں کے ہاتھ نہیں لگے۔"

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ اس کے ذہن پر سے گویا ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔

"ان کا دعویٰ ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "کہ انہوں نے کرنل کو گولی ماردی لیکن انہیں لاش نہیں مل سکی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بچ نکلے ہوں گے۔"

حمید اب بھی خاموش رہا۔

"آپ بولتے کیوں نہیں۔"

"میں آدمی نہیں ہوں۔" حمید نے بھرائی ہوئی دردناک آواز میں کہا۔ "میں پرندہ ہوں۔ ننھا سا پرندہ میری ماں مجھے گھونسلے میں چھوڑ کر چلی جاتی تھی۔ دن بھر اڑتی رہتی تھی۔ پھر شام کو واپس آتی۔ ہم کئی ننھے ننھے بچے گھونسلے سے سر نکال کر اپنی چونچیں پھیلا دیتے اور کپکپاتے رہتے...... چیختے رہتے۔ حتیٰ کہ وہ ہمارا پیٹ بھر دیتی۔ میری ماں ملکہ کائنات ہے۔ پھر مجھے ڈاڑھی والوں نے پکڑ لیا ماں...... ملکہ کائنات...... مجھے بچالو...... بچالو۔" حمید دردناک آواز میں چیختا کراہتا رہا۔

لڑکی کے چہرے پر کچھ ایسے آثار نظر آنے لگے جیسے اسے بھی حمید کے پاگل پن پر یقین آ گیا ہو۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں مایوسی کے گہرے بادل دیکھے اور وہ سوچنے لگا ممکن ہے یہ لڑکی تنظیم کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہوگئی ہو۔ ہوسکتا ہے بوڑھا انجینئر بھی ان زیر زمین فضاؤں میں تنگ آ گیا ہو اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ اس بھیڑ میں سبھی خوشی سے کام کر رہے ہوں۔ بہتیرے ایسے بھی ہوں گے جنہیں زبردستی مجبور کیا گیا ہوگا۔

حمید نے پھر لڑکی کی طرف دیکھا جو اب خوفزدہ بھی نظر آنے لگی تھی اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف کھسک رہی تھی۔

"ٹھہرو...... تم کیا کہنا چاہتی ہو۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

لڑکی رک گئی۔

"صرف یہ کہ آپ پاگل نہیں ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اب اخلاقاً مجھے بھی کہنا پڑے گا کہ تم بھی پاگل نہیں ہو۔"

لڑکی ہنس پڑی۔

"اب اخلاقاً مجھے بھی ہنسنا پڑے گا۔" حمید نے کہا اور ہنسنے لگا۔ لڑکی اور زور سے ہنسی۔ حمید کی

ہنسی بھی اُسے مناسبت سے تیز ہوگئی۔ ٹھیک اسی وقت بوڑھا انجینئر بھی کمرے میں داخل ہوا لیکن ان دونوں کو پاگلوں کی طرح ہنستے دیکھ کر دروازے ہی پر ٹھٹک گیا۔

"کیا یہ حضرت اب بھی راہ پر نہیں آئے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا اور حمید نے اپنی ہنسی میں بریک لگا دیا اور دوسرے ہی لمحے میں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے ہنسی تو الگ رہی وہ سالہا سال سے مسکرایا بھی نہ ہو۔

"کیپٹن......!" بوڑھے نے کہا۔ "یقین کرو ہم دونوں تمہارے دوست ہیں۔"

"یقین کرلوں۔"

"ہاں کیپٹن۔"

"اچھا......تو کرلیا یقین......پھر......!"

لڑکی جو اُسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی بولی۔ "یہاں اس زیر زمین دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی مرضی سے یہاں نہیں آئے۔"

"ہوسکتا ہے۔"

"ان کی خواہش ہے کہ وہ اس جنجال سے نکل جائیں۔"

"تو انہیں نکل جانا چاہئے۔" حمید نے بڑی سادگی سے کہا۔

"یہ آسان کام نہیں ہے کیپٹن۔" لڑکی نے آہستہ سے کہا۔ "اگر یہ ہمارے امکان میں ہوتا تو کبھی کے نکل گئے ہوتے۔"

"تو پھر مجھ سے ہمدردی کرنے کا کیا مقصد ہے۔ کیا یہ میرے امکان میں ہے۔"

"ہے قطعی ہے۔" بوڑھا بولا۔ "تم یہ نہ سمجھو کہ تم یہاں مار ڈالے جانے کے لئے لائے گئے ہو۔ اگر یہ بات ہوتی تو یہاں تک لانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔"

"پھر یہاں لانے کا کیا مقصد ہے۔"

"تم یہ بھی جانتے ہو کپتان کہ تم کن لوگوں میں ہو۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"حالانکہ پہلے بھی تم لوگ ان لوگوں سے ٹکرا چکے ہو۔"

"اچھا......!" حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تم نہیں سمجھ سکے۔" بوڑھے نے پوچھا۔

حمید جواب نہیں دے پایا تھا کہ اچانک کمرے کے کسی گوشے سے ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز آئی اور بوڑھا یک بیک حمید پر ٹوٹ پڑا۔ پہلے اس نے دو چار مکے مارے اور پھر نیچے گرا دینے کی کوشش کرنے لگا۔ حمید اس اچانک حملے پر بوکھلا گیا ساتھ ہی اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ بوڑھا کمزور بھی نہیں ہے۔

اب وہ دونوں اچھی طرح ایک دوسرے سے لپٹ پڑے تھے اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ لڑکی چیخ رہی تھی۔

اچانک باہر سے کسی نے دروازہ پیٹنا شروع کردیا۔ لڑکی نے بڑے گھبرائے ہوئے انداز میں دروازہ کھولا اور دو مسلح آدمی اندر گھس آئے۔

انہوں نے بمشکل تمام دونوں کو الگ کیا۔

بوڑھا ہانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "لے جاؤ......اسے تین نمبر میں رکھو...... یہ خطرناک ہوتا جارہا ہے۔ انتہائی خطرناک۔"

حمید بُری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہورہا ہے۔



فریدی کے سگار کیس میں آخری سگار رہ گیا تھا۔ اس نے اسے بڑی حسرت سے دیکھا اور سگار کیس ایک طرف ڈال دیا۔ اس نے خانم کے محل میں ابھی تک کسی کو تمباکو پیتے نہیں دیکھا تھا۔ ایسی صورت میں اُسے حقیقتاً تھوڑی بہت تکلیف اٹھانی پڑتی۔ وہ تھوڑی دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا پھر ایک آرام کرسی میں گر گیا۔ اب وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ مگر گلوخلاصی کی کیا صورت ہوگی۔ یہ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔

خانم بڑی سفاک عورت معلوم ہوتی تھی اور اس کے آدمی چالاک تھے۔ پھرتیلے تھے۔ وہ عقاب کی سی آنکھیں رکھتے تھے۔ پچھلی رات ان کی مستعدی کا اندازہ کرنے ہی کے لئے فریدی نہیں سویا تھا۔ وہ بار بار اٹھ کر کھڑکی کے قریب آتا اور سنتریوں کو ٹہلتا ہوا پاتا۔ رات کو ان کی تعداد تین

سے بڑھا کر دس کر دی گئی تھی، نہ وہ آپس میں گفتگو کرتے اور نہ برآمدے سے ہٹ کر کہ
جاتے۔ اس سے فریدی نے اندازہ کر لیا تھا کہ خانم ایک بہت اچھی منتظم ہے اور اس کے آد
سے خائف رہتے ہیں۔

ابھی تک فریدی کو یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ اس کی ہر ضرورت ایک اشار
پوری ہو جاتی۔

فریدی نے سوچا اب یہ معلوم کرنا چاہئے کہ کراغالی بیرونی دنیا سے بھی کچھ تعلق رکھتے ہ
خود ہی اپنے کفیل ہیں۔ سنی ہوئی باتیں اکثر غلط بھی ہوتی ہیں۔ بہر حال سگار ہی کا مسئلہ اس پ
روشنی ڈال سکتا تھا۔ اگر اسے یہاں سگار دستیاب ہو جائیں تو یقینی طور پر یہ کہا جا سکے گا کہ کرا
بیرونی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔

وہ ابھی ابھی خانم سے مل کر واپس آیا تھا اور خانم کے رویئے پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہتا تھا
اس پر تو اسے یقین ہو چکا تھا کہ اس کے شکار وادی کراغال سے زیادہ دور نہیں ہیں بلکہ ہو سکتا ہ
کراغال کے پہاڑوں میں بھی انہوں نے اپنے مسکن بنا رکھے ہوں۔ اسے اس پر بھی یقین تھا کہ را
گڈھ کی پہاڑیوں سے یہاں تک وہ زیادہ دور نہ بہا ہوگا اگر کسی طرح یہاں سے رہائی کی صور
ممکن ہوتی تو وہ ندی پر چھان بین کرتا۔ فریدی سوچتا رہا اور بے خیالی میں اکلوتا سگار لگالیا۔ جس
بعد اچھا تمباکو نصیب ہونے کی توقع نہیں تھی۔

اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ......!" فریدی نے کہا۔

دوسرے لمحے میں خانم کا بوڑھا مشیر یوسف خاں کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے تیور اچھے نہ
تھے۔

"میں تم سے کھلی ہوئی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" یوسف خاں غرایا۔

"میں کھلی سے بھی زیادہ کے لئے تیار ہوں...... خان۔" فریدی نے لاپروائی سے سگا
دھواں منتشر کرتے ہوئے کہا۔ "مگر دیکھو خاں...... یہ میرا آخری سگار ہے۔ اس کے بعد مجھے ک
پریشانی اٹھانی پڑے گی۔"

"منگوا دیا جائے گا۔" یوسف خاں نے بیزاری سے کہا۔

"خیر...... ہاں تو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"تم نے خانم سے کیا کہا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں...... ہم دونوں گفتگو کر رہے تھے۔ دفعتاً خانم نے چلے جانے کو کہا اور میں وجہ پوچھے بغیر چلا آیا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ انہوں نے مجھے اس طرح کیوں اٹھا دیا تھا۔ کیا تم مجھے بتاؤ گے۔"

"کس قسم کی گفتگو ہو رہی تھی۔"

"بس یہی میری موجودہ حالت کے متعلق۔ خانم مجھے اب بھی اپنے کسی دشمن کا ایجنٹ سمجھتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اب میں اس سلسلے میں کوئی گفتگو کرنا ہی نہیں چاہتا۔ تم لوگ یقین کرو گے نہیں۔ پھر میں اپنا وقت کیوں برباد کروں۔"

"ہم اگر یقین نہ کریں تو اس صورت میں کیا ہوگا...... جانتے ہو......؟" یوسف خاں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ہاں آں......!" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "اس صورت میں تم لوگ مجھے مار ڈالنے کی کوشش کرو گے۔"

"کوشش نہیں کریں گے بلکہ مار ڈالیں گے۔"

"اُسی طرح جیسے ایک حقیر سی چیونٹی کو مار ڈالتے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"یقیناً اسی طرح۔"

"لیکن میں چیونٹی نہیں ہوں یوسف خاں...... تمہارے دیس میں تنہا ہوں پھر بھی میں خود کو چیونٹی نہیں سمجھ سکتا۔"

"اچھا...... ہم یہ بھی دیکھ لیں گے۔" یوسف خاں نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

"آہا...... ٹھہرو...... یوسف خاں...... اب یاد آ گیا۔ خانم گفتگو کرتے کرتے اچانک کچھ پریشان سی ہو گئی تھیں اور میں اس وقت کوئلے کے مجسموں کا تذکرہ کر رہا تھا۔"

"کوئلے کے مجسمے...... میں نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ ایک ایسا مجسمہ جو ہو بہو تمہاری تصویر ہو لیکن وہ کوئلے کو تراش کر بنایا گیا ہو۔"

خان یوسف جھنجھلاہٹ کے باوجود بھی مسکرا پڑا اور پھر بولا۔ "اب تم شائد یہ ظاہر کرنا چاہتے

ہو کہ تمہارے دماغ میں فتور ہے۔ مگر اس طرح تم اپنی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکو گے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ میں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے تمہیں اس چیز کا شبہ ہو کہ... نے تو وہ بات کہی تھی جس پر خانم پریشان ہو گئی تھیں۔"

"بہر حال......!" خان یوسف تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تمہیں صرف چوبیس گھنٹے اور دیئے ہیں۔ اگر تم نے ہمیں اپنی اصلیت سے آگاہ نہ کیا تو چوبیسویں گھنٹے کے بعد کبھی نہ آگاہ کر سکو گے۔"

"یعنی پچیسواں گھنٹہ شروع ہوتے ہی قبر میں ہوں گا۔"

"نہیں......!" یوسف خان نے لاپروائی سے کہا۔ "خانم کے خونخوار کتے ہمیں قبر کھود... محنت سے بچا لیتے ہیں۔"

"اچھا......!" فریدی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "لیکن کتوں کی غذا... سے پہلے مجھے ابالنا مت بھولنا ورنہ ان کا ہاضمہ خراب ہو جائے گا۔ میں کچھ اس قسم کا آدمی ہوں۔"

"مجھ سے کام کی بات کرو۔" یوسف خاں جھلا گیا۔

"کیا میں نے ابھی تک تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں......ہمیں اس کے علاوہ اور کسی بات سے سروکار نہیں ہے کہ تم یہاں کیوں کر آئے ہو۔"

"اللہ کی مرضی......اپنے پیروں سے چل کر تو آیا نہیں۔"

"یہ ایک بڑا اچھا بہانہ ہے۔" خان یوسف نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "مگر اب بہت پرانا ہو... ہے۔ جب تمہارے دیس پر سفید کتوں کی حکومت تھی اس وقت بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا... سفید کتوں کا ایک غلام ہماری جاسوسی کی غرض سے یہاں آ گھسا تھا اس کے جسم پر سینکڑوں زخم... اور وہ جاں بلب ہو رہا تھا۔ ہم ترس کھا کر اسے اٹھا لائے اور اس نے ہوش میں آنے کے بعد بتایا... اسے دور کے پہاڑوں میں بھیڑیوں کے ایک جھنڈ نے گھیر لیا تھا۔ ہم نے اس کی باتوں پر... کر لیا۔ اس کی تیمارداری کرتے رہے۔ اس کے آرام و آرائش کا خیال رکھا۔ مگر اس کتے کی حقیقت... بعد میں ظاہر ہوئی۔ وہ سفید فاموں کا جاسوس تھا۔ کراغال میں بغاوت کرانا چاہتا تھا۔ ہمیں تباہی... طرف لے جانا چاہتا تھا۔ جس دسترخوان پر اس کا پیٹ بھرا جاتا تھا اس پر اس نے غلاظت پھیلا... کی کوشش کی......اب تم آئے ہو۔"

"پھر تم نے اسے کیا سزا دی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"خانم کے خون خوار کتے اگر زبان رکھتے ہوتے تو تمہیں بتاتے۔"

"اچھی بات ہے اگر تم مجھے کراغال کے لئے خطرہ سمجھتے ہو تو ان خونخوار کتوں کے لئے ایک مثال اور قائم کر دو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"زبانی طراریاں بھول جاؤ گے۔" خان یوسف غرایا۔ "میں تمہیں صرف چوبیس گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔"

وہ اٹھا اور پیر پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ فریدی نے بجھا ہوا سگار دوبارہ سلگایا۔ دو تین گہرے گہرے کش لئے اور آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ اس کے بائیں بازو کا زخم دکھ رہا تھا۔

اچانک اس نے شور کی آواز سنی۔ محل ہی کے کسی گوشے میں شور ہو رہا تھا۔ کمرے میں ٹہلنے والے سنتری سنبھل کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔ شور کچھ اسی قسم کا تھا کہ سنتریوں کو دریافت حال کے لئے دوڑنا چاہئے تھا لیکن شائد وہ اپنا فرض بجا لانے کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے تھے۔ شور دم بدم بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آہستہ آہستہ پورے محل میں پھیلتا جا رہا ہو۔

برج میں ہنگامہ

حمید اب سچ مچ پاگل ہو جانے کے "موڈ" میں تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جو بھی سامنے پڑ جائے اس کے ٹکڑے اڑا دے۔

وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ اس زیر زمین دنیا کے دو افراد اس کے ہمدرد ہو گئے ہیں لیکن شائد یہ بھی ان کی کوئی چال تھی۔ مقصد جو کچھ بھی رہا ہو۔

اسے اب ایک کٹہرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ کٹہرا بالکل ویسا ہی تھا جیسے چڑیا گھروں میں خونخوار جانوروں کے رکھنے کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ اس پر اسے اور زیادہ غصہ آیا۔ یہ جگہ کچھ نیم

تاریک سی تھی اس لئے حمید نے سمجھا کہ شائد وہ یہاں تنہا ہی ہوگا لیکن تھوڑی دیر بعد جب اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہوگئیں تو اس نے محسوس کیا کہ وہاں تنہا نہیں ہے۔ یہاں ویسے درجنوں کٹہرے تھے اور شائد ان میں آدمی ہی بند تھے۔ کچھ دیر بعد رہا سہا شبہ بھی زائل ہوگیا۔ کٹہروں میں آدمی ہی تھے۔

یک بیک اندھیرے میں چیخ لہرائی اور کسی کٹہرے ہی سے کوئی آدمی حلق پھاڑنے لگا۔ "کائنات کی ایسی کی تیسی...... سب فراڈ ہے...... تم سب فراڈ ہو...... میرے بیٹے...... میرے بیٹے۔"

پھر وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگا اور تھوڑی دیر بعد پھر وہی پہلے کا سا سکوت طاری ہوگیا۔ حمید سخت الجھن میں تھا۔ اتنے بڑے مجرم آج تک اس کی نظروں سے نہیں گذرے تھے۔ کبھی کبھی یہ بھی سوچنے لگتا کہ کہیں یہ سب ایک طویل اور مسلسل خواب تو نہیں ہے مگر خواب میں بھی ایسے مجرموں کے وجود پر یقین نہ آتا۔

وہ رات بھر مختلف قسم کی چیخیں سنتا رہا۔ لیکن نیند بہر حال نیند ٹھہری۔ پھانسی کے تختے پر بھی آجاتی ہے۔ دوسری صبح جب وہ جاگا تو نہ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے ابھی ابھی پیدا ہوا ہو۔ اسے اپنے گردو پیش کی ہر چیز بالکل نئی اور عجیب معلوم ہو رہی تھی۔ حالانکہ اب بھی وہ اسی کٹہرے میں تھا جس میں پچھلی رات بند کیا گیا تھا۔ اب اس وقت اسے سارے کٹہرے نظر آرہے تھے۔ ان میں آدمی ہی تھے مرد اور عورتیں۔ ان کی حالت تباہ تھی اور آنکھوں سے ایسی وحشت جھلکتی تھی جیسے وہ سچ مچ جانور ہی ہوں۔ ایک کٹہرے میں حمید کو ایک جانور بھی نظر آیا۔ یہ گدھا تھا۔ اس کی موجودگی حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ ویسے تو کچھ بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا یہ سب ذہنی فتور ہی میں مبتلا ہیں۔ مگر گدھا کیوں...... اس کا کیا مقصد ہے؟

اچانک بچوں کی ایک فوج وہاں گھس آئی۔ وہ سب دس گیارہ سال سے زیادہ کے نہ رہے ہوں گے۔ انکے جسموں پر سیاہ قمیصیں اور سفید ہاف پینٹ تھے۔ ایک آدمی بھی ان کے ساتھ تھا۔

ان بچوں نے اپنے ہاتھوں میں ننھی ننھی جھابیاں لٹکا رکھی تھیں جن میں پھل تھے۔

"یہ کون ہے...... یہ کون ہے۔" بچوں نے حمید کے کٹہرے کے سامنے رک کر شور مچایا۔

"یہ......!" ان کے ساتھ کے آدمی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کرتے ہوئے کہا۔ "نیا آدمی آیا ہے۔"

"اس کا نام کیا ہے۔" بچوں نے پوچھا۔

"کیپٹن حمید......!" آدمی نے گدھے کے کٹہرے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ بھی اسی کی ترقی یافتہ نسل سے ہے۔ اب تم بتاؤ کہ ترقی کسے کہتے ہیں...... اے...... تم بتاؤ۔"

جس لڑکے کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اس نے کہا۔ "یہ ایک لفظ ہے جس کے معنی ہیں دھوکا۔ ترقی یافتہ گدھا اسے کہتے ہیں جو اصل مقصد کو تاریکی میں رکھ کر دیدہ دانستہ اس کی غلط دلیلیں پیش کرے۔"

"ٹھیک...... اس نسل کی گدھوں کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟"

"ان کا طرز حکومت جمہوری کہلاتا ہے۔ جس کے مقصد یہ ہوتا ہے کہ مغز چند آدمیوں کے حصے میں آئے اور ہڈیاں عوام کے آگے ڈال دی جائیں۔ یہ اپنے مسائل طاقت ہی سے حل کرتے ہیں مگر اُسے اشتراک باہمی کا نام دیتے ہیں۔ اس کے حاکم خود کو عوام کا نمائندہ کہتے ہیں۔ عوام ہی انہیں حکومت کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ لیکن یہاں کی مالی قوت ہی ہوتی ہے جو انہیں اقتدار کی کرسی پر پہنچاتی ہے۔ لیکن وہ اسے عوام کی قوت اور رائے عامہ کہتے ہیں۔ حالانکہ رائے عامہ مالی قوت ہی سے خریدی جاتی ہے۔ انہیں منتخب ہونے کے لئے اپنے مخالفوں کے خلاف بڑے بڑے محاذ قائم کرنے پڑتے ہیں۔ ایک خطرناک قسم کی جدوجہد شروع ہوتی ہے اور اس جنگ کو "رائے عامہ ہموار کرنا" کہا جاتا ہے۔ اس میں بھی طاقت ہی کارفرما ہوتی ہے۔ آخر ایک آدمی مخالفوں کو کچلتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔"

"صاحب زادے۔" دفعتاً حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "کیا تم اپنی پیدائش کے حادثے پر بھی روشنی ڈال سکو گے۔ تم بڑے حقیقت پسند ہو۔ مجھے اس کے متعلق بھی بتاؤ۔"

لڑکا خاموش ہو کر اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا جس نے سوالات کئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حمید کا سوال اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا ہو۔ اس آدمی نے حمید کی طرف مسکرا کر دیکھا اور حمید کو یاد آگیا کہ وہ تو پاگل تھا۔ یہ چال بھی اس کے امتحان ہی کے لئے چلی گئی ہو۔ یک بیک اس نے کٹہرے کی دو سلاخوں کو مضبوطی سے پکڑ کر آگے کی طرف جھکتے ہوئے کتوں کی طرح بھونکنا شروع کردیا۔

لڑکے تالیاں بجا بجا کر ہنسنے لگے۔ انہوں نے پھلوں سے اس پر نشانے لگائے اور کٹہرے میں

کافی پھل اکٹھا ہو گئے۔ حمید رات سے بھوکا تھا۔ لیکن اس نے ان میں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ دھر
کٹہروں سے شور ہونے لگا۔ "ادھر آؤ...... ادھر آؤ۔"

شاید وہ لوگ بھی بھوکے تھے اور انہیں اسی طرح کھانے کو کچھ مل جاتا تھا۔

بچوں نے دوسرے کٹہروں میں بھی پھل پھینکنے شروع کر دیئے اور وہ لوگ سچ مچ جانوروں
کی طرح ان پھلوں پر ٹوٹ پڑے۔ بندروں ہی کی طرح جلدی جلدی انہیں کچلتے ہوئے حلق سے
اتارنے لگے۔

اسی شور میں گدھے نے بھی رینکنا شروع کر دیا۔ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ حمید کا
دل ان آدمیوں کے لئے درد سے بھر گیا جو کٹہروں میں مقید جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور
تھے۔ وہ گم سم کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ شور آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

بچوں کی فوج تھوڑی دیر بعد وہاں سے چلی گئی اب وہاں پھر سناٹے کی حکمرانی تھی۔ وہ لوگ
سچ مچ جانور ہی معلوم ہوتے تھے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور یا تو منہ پھیر لیتے یا سر کھجانے
لگتے۔ انکی آنکھوں میں اداسی تھی اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے سخت بیزار معلوم ہوتے تھے۔

حمید کے سامنے والے کٹہرے میں ایک معمولی شکل صورت والی لڑکی تھی۔ اس نے اوروں کی
طرح پھل نہیں کھائے تھے۔ گھٹنوں میں سر دیئے ایک طرف بیٹھی تھی۔ وہ کٹہرا حمید کے کٹہرے سے
بہت قریب تھا اس لئے حمید نے سوچا کہ اس لڑکی سے گفتگو کا آغاز کیا جائے۔ وہ یہ جاننے کے لئے
بے چین تھا کہ انہیں کٹہروں میں کیوں رکھا گیا ہے۔

بڑی دیر بعد وہ اس لڑکی کو اپنے طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کی آنکھوں میں ایک
کرب انگیز سی بے چینی تھی۔

"یہ لوگ اور تم ان کٹہروں میں کیوں ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی سوال آپ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔"

"اوہ...... میں۔" حمید نے جلدی سے کہا "مجھے ابھی نہیں معلوم ہو سکا کہ انہوں نے مجھے پکڑا
کیوں ہے۔ تم شائد زیادہ دنوں سے یہاں ہوں۔"

"جی ہاں...... میں بہت دنوں سے ہوں۔"

"پھر تم مجھے یہ تو بتا ہی سکو گی۔"

"میں نہیں جانتی کہ میرا کیا قصور ہے۔ ویسے انہوں نے مجھ پر پاگل ہو جانے کی تہمت رکھ کر
یہاں بند کر رکھا ہے۔"

"پکڑا کیوں تھا۔"

"میں نہیں جانتی۔ میں ایک ریڈیو سنگر ہوں۔ گانے نشر کرنا میرا ذریعہ معاش تھا۔ یہ لوگ مجھے
پکڑ لائے۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہا گیا کہ ہمیں ایک گانے والی کی ضرورت ہے۔ میں نے اس پر
احتجاج کیا تو مجھے پاگل قرار دے دیا گیا۔ اب تاوقتیکہ میں اس کا اعتراف نہ کر لوں کہ میرے ساتھ
انصاف کیا گیا ہے مجھے اس کٹہرے میں بند رہنا پڑے گا۔ مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ کیا
انصاف ہے۔ مجھے بیکراں نیلے آسمان کی خوشگوار چھاؤں سے محروم کر دیا گیا۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ
کس قسم کے لوگ ہیں۔ مجھ سے کہتے ہیں کہ میں خود ہی منطقی استدلال سے یہ ثابت کر دوں کہ انہوں
نے وہی کیا ہے جو حقیقتاً ہونا چاہئے اور یہ بے انصافی نہیں ہے؟ کیا یہ لوگ صحیح الدماغ ہیں۔"

"تم تسلیم کر لو جو کچھ کہتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں کروں گی...... خواہ یہیں سسک سسک کر مر جاؤں۔"

حمید مغموم انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ آہستہ آہستہ اس خطرناک گروہ کی اصلیت کو پہنچ رہا تھا۔



فریدی نے پہرے داروں سے پوچھا لیکن انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ اس نے ان سے کہا کہ
وہ معلوم کریں۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں۔ پھر فریدی ان کی فرض شناسی پر حیران رہ گیا۔ وہ
سوچنے لگا کہ وہ قبائل ان کے دیس میں نیم وحشی سمجھے جاتے ہیں مگر ان کے اندر نظم و ضبط کی جتنی
صلاحیت ہے شائد ہی کسی مہذب قوم میں ہو۔

اچانک اس کی نظر یوسف خان پر پڑی جو سراسیمگی کے عالم میں ایک طرف دوڑا جا رہا تھا۔
فریدی نے اسے روکنا چاہا لیکن اس نے رک کر صرف اتنا ہی کہا کہ تمہارے ساتھ بہت جلد انصاف
کیا جائے گا۔

پھر وہ چلا گیا۔ مسلح کراناٹی محل کی چھتوں پر چڑھ رہے تھے۔ دفعتاً گولیاں چلنے لگیں۔ فریدی

بے چین ہوگیا۔ ایسے حالات میں نچلا بیٹھنا اس کے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔

پھر اس نے دو کنیزوں کی گفتگو سے اندازہ کیا کہ کسی دشمن قبیلے نے حملہ کیا ہے۔

"کیا تم لوگ مجھے خانم تک نہیں پہنچا سکتے۔" اس نے پہرہ داروں سے کہا۔

"بہتر یہی ہے کہ تم اپنے کمرے میں واپس چلو۔" پہرہ داروں کا انچارج بولا۔

"ورنہ خان یوسف بُری طرح پیش آئیں گے۔"

پھر یک بیک خان یوسف ہی نظر آ گیا۔ اس کے ساتھ دو مسلح سپاہی تھے۔ اس نے آتے ہی فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا اور سپاہیوں کو گرج کر کہا۔ "لے چلو۔"

"کیوں کیا گود میں اٹھا کر لے چلنے کا ارادہ ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں......!" خان یوسف کے منہ سے بے اختیارانہ طور پر نکل گیا۔

"تو چلو...... میں چل رہا ہوں۔ تم خواہ مخواہ بدحواس ہو جاتے ہو۔ میری نیت صاف ہے اس لئے میں تم لوگوں سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔"

وہ ان کے ساتھ چلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اوپری منزل پر جانے کے لئے زینے طے کر رہے تھے اوپر پہنچ کر انہیں پھر زینے طے کرنے پڑے وہ ایک کشادہ بُرج تھا اوپر پہنچ کر فریدی نے خانم کو دیکھا جو ایک سوراخ سے باہر فائر کر رہی تھی اس کے ساتھ پانچ آدمی اور بھی تھے۔

فریدی کو دیکھ کر اس نے رائفل رکھ دی اور اسے قہر آلود نظروں سے گھور کر بولی۔

"اب مجھے دیکھنا ہے کہ تم کس طرح ان لوگوں کی مدد کرتے ہو۔"

"میں......شاید مرتے دم تک آپ کی غلط فہمی نہ رفع کر سکوں۔"

"یوسف خان......!" خانم نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "چار آدمیوں سے کہو کہ اُسے جھولے دے کر حملہ آوروں کی طرف اچھال دیں۔"

"چار کیا شاید دس آدمیوں سے بھی یہ نہ ہو سکے۔" فریدی غرایا۔ "آپ خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کر رہی ہیں۔"

فریدی کی بے باکی خانم اور اس کے مشیر یوسف کو بہت گراں گذری تھی۔ خان یوسف نے پاس کھڑے ہوئے دونوں آدمیوں کی طرف دیکھا اور وہ فریدی کی طرف بڑھے۔

"اچھا اب جو کچھ بھی ہوگا اس کی ذمہ داری خود تم لوگوں پر ہوگی۔" فریدی اپنی جگہ سے بے

بغیر بولا اور جیسے ہی وہ دونوں آدمی اس کے قریب پہنچے اس نے بڑی پھرتی سے ان کے ہولسٹروں پر ہاتھ ڈال دیئے۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ خود ہی دونوں کچھ نہ سمجھ سکے۔ ویسے اب وہ زینوں کے قریب پڑے ہوئے تھے اور ان کے ریوالور فریدی کے دونوں ہاتھوں میں تھے جن میں ایک کا رخ خانم کی طرف تھا اور دوسرے کا خود ان دونوں کی طرف۔

"میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔" فریدی نے گرج کر کہا۔ "اپنی رائفلیں چھوڑ کر ہٹ جاؤ۔ ورنہ میں خانم کو گولی مار دوں گا۔ نہیں خان یوسف تم اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔ اگر میں تم لوگوں کا دشمن ہوں تو سمجھ لو کہ تمہاری شکست ہوگئی۔"

بُرج میں موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ پانچوں آدمی رائفلیں چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

"خانم کیا آپ اب بھی زندگی کی توقع رکھتی ہیں۔" فریدی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

خانم کچھ نہ بولی۔ وہ بھی رائفل چھوڑ کر ہٹ آئی تھی۔

دفعتاً فریدی نے دونوں ریوالور زمین پر ڈال دیئے اور مسکراتا ہوا بولا۔

"اب اپنا کام جاری رکھئے اور اگر آپ ایک بے گناہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا ہی چاہتی ہیں تو انہیں حکم دیجئے میرا جسم چھلنی کر دیں۔"

اُن میں سے ہر ایک بت بنا کھڑا رہا۔ نیچے خانم کے آدمیوں نے مورچہ سنبھال رکھا تھا۔ برابر گولیاں چل رہی تھیں۔

"وقت نہ برباد کیجئے۔" فریدی نے رائفلوں کی طرف اشارہ کیا۔

وہ پانچوں پھر اپنی جگہ واپس آ کر فائر کرنے لگے۔ دشمن سامنے والی چٹانوں کی اوٹ سے فائر کر رہے تھے۔ لیکن شائد ان میں بھی پیش قدمی کی ہمت نہیں تھی۔

"مجھے افسوس ہے مہمان۔" خانم آہستہ سے بڑبڑائی۔ اس کی آنکھوں میں خجالت تھی اور چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ خان یوسف اس طرح منہ پھاڑے کھڑا تھا جیسے جسم سے جان نکلتے وقت منہ بند کرنے کی بھی مہلت نہ ملی ہو۔

"تمہارے ذخیرے میں دستی بم نہیں ہیں۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"نہیں......!" خان یوسف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"بارود ہے...... صرف چار تھیلے...... میں انہیں ابھی پسپا کئے دیتا ہوں۔"

"بارود سے کیا ہوگا۔" خان یوسف نے پوچھا۔

"بس دیکھتے جاؤ کہ کیا ہوتا ہے۔" فریدی بولا۔

خان یوسف نے ان دونوں سے بارود کے چار تھیلوں کیلئے کہا اور وہ زینے طے کرتے ہوئے نیچے چلے گئے۔

"ذرا آپ ایک کارتوس دیجئے۔" فریدی نے خانم سے کہا۔

خانم نے اپنی پیٹی سے ایک کارتوس نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

نہ جانے کیوں اب وہ فریدی سے آنکھیں نہیں ملا رہی تھی۔

فریدی نے کارتوس لے کر دیکھا اور پھر اُسے واپس کرتا ہوا بولا "نہیں یہ کارآمد نہیں ثابت ہوگا۔ وہ دیکھئے جب میں آپ کو بیہوش ملا ہوں گا اس وقت میرے جسم پر کارتوسوں کی دو پیٹیاں رہی ہوں گے۔"

"تھیں شائد......!" خان یوسف بولا۔

"ان میں سے مجھے صرف چار کارتوس منگوادو۔"

"ان کے لئے شاید مجھے ہی جانا پڑے گا۔"

"تو پھر دیر نہ کرو خان۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ لوگ پیش قدمی پر آمادہ ہیں۔"

"تم کیا جانو......!" خانم مڑ کر بولی۔ "تم تو وہاں کھڑے ہو۔"

"میرا تجربہ......آپ کے آدمی سست پڑ رہے ہیں۔ ادھر وہی زور شور ہے۔"

پھر اُس نے یوسف خان سے دوبارہ کہا۔ "جلدی کرو۔"

یوسف خان نیچے چلا گیا۔ خانم پھر مڑ کر فائر کرنے لگی۔ اس کے پانچوں آدمی برابر فائر کئے جا رہے تھے۔

"بارود کیا کرو گے تم......!" خانم نے پھر مڑ کر کہا۔

"آ جانے دیجئے......آپ خود دیکھ لیں گی۔ ویسے کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق آپ نے مجھے بتایا تھا۔"

"نہیں...... یہ ہمارے خراج گذار تھے۔ باغی ہو گئے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ خان کی عدم موجودگی میں خانم کو زیر کرلیں گے۔ حالانکہ ہر کراغالی خان ہی کی طرح دلیر ہے۔"

"انہوں نے پیش قدمی کی ہے۔ چڑھ کر آئے ہیں اس لئے انہیں ضرور سزا ملنی چاہئے۔"

اتنے میں وہ دونوں آدمی واپس آ گئے اور ان کے ساتھ بارود کے چار بڑے بڑے تھیلے تھے۔

فریدی نے بارود ٹسٹ کی اور سر ہلا کر بولا۔

"ان تھیلوں کو نیچے والی چھت پر لے چلو......اب تک خان یوسف واپس نہیں آئے۔ ایک سیٹی بھی چاہئے خانم۔"

خانم حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "بگل مل سکے گا۔ میرے سپاہیوں کے سیٹی نہیں ہوتی۔"

"خیر بگل ہی سہی۔"

خانم کی آنکھوں میں پھر بے یقینی جھانکنے لگی تھی۔

دوسرے شعلے کا شکار

اس لڑکی کی گفتگو پر حمید کو بیساختہ کنور شمشاد یاد آ گیا۔ جس نے کہا تھا کہ اس کے مر جانے سے تنظیم نہیں مر سکتی۔ اس کے مرنے پر کوئی دوسرا ہی اس کی جگہ لے لے گا۔ یقیناً یہ وہی لوگ ہیں اور اب ان پر کوئی عورت حکومت کر رہی تھی اور یہ اس سے واقف نہیں ہیں۔

دربار میں اس کی آواز یقینی طور پر کوئی مشینی کارنامہ تھا۔ کنور شمشاد نے بھی اپنے مکان میں بیٹھے ہی بیٹھے فریدی کو نہ جانے کہاں کہاں سیر کرائی تھی۔ تو وہ "طاقت" تھی۔ "طاقت" کو "ملکہ کائنات" کہنا بڑا فلسفیانہ خیال ہے۔ شاید یہ عورت کنور شمشاد سے بھی زیادہ چالاک ہے۔ نہ صرف چالاک بلکہ مغرور بھی کیونکہ اس نے دربار میں نہ تو اُسے مخاطب کیا تھا اور نہ اس کے متعلق کسی سے کچھ پوچھا۔ گویا اس کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ جب اہمیت نہیں تھی تو پھر انہیں پکڑنے کی کوشش کیوں کی گئی تھی۔

حمید سوچتا رہا۔ سامنے والے کٹہرے کی لڑکی اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے
پوچھا۔ ''آپ کون ہیں اور یہاں کیوں لائے گئے ہیں۔''

''میں ایک مصور ہوں۔ ان کے ایک آدمی نے مجھ سے اپنی تصویر بنوائی تھی۔ جب تصویر مکمل ہوگئی تو مجھ سے کہا گیا کہ اس میں ایک دم لگادو۔ مجھے ہنسی آگئی۔ پھر مجھے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ اب آنکھ کھلی تو یہاں کھلی۔ مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ دم کی فرمائش پر میں ہنسا کیوں تھا۔ میں کہتا ہوں وہ ایک مضحکہ خیز فرمائش نہیں تھی۔ اس پر یہ لوگ خفا ہوتے ہیں مجھ سے کہتے ہیں کہ میں ہی ثابت کروں کہ وہ ایک مضحکہ خیز فرمائش نہیں تھی۔''

لڑکی حیرت سے منہ کھولے سنتی رہی پھر بولی۔ ''کیا یہ پاگلوں کا گروہ ہے۔''

''تم نے اُس بچے کی گفتگو سنی تھی۔''

''سنی تھی...... میرا خیال ہے کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی بھی روانی سے ایسے موضوع پر نہیں بول سکتا۔''

''پھر بھی تم انہیں پاگل سمجھتی ہو۔''

''خدا جانے کیا جنجال ہے۔''

''کچھ بھی ہو لیکن اس جنجال سے نکلنا چاہئے۔''

''کیسے نکل سکیں گے۔'' لڑکی مایوسانہ انداز میں بولی۔

''تم کچھ کرسکتی ہو...... بہت کچھ......!''

''میں کیا کرسکتی ہوں...... بتایئے۔''

''صبح جو آدمی آیا تھا...... غالباً اس کی پیٹی سے لٹکا ہوا گچھا انہیں کنجیوں کا تھا۔''

''ہاں تو پھر......!''

''تم اسے کسی طرح......!''

''نہیں جناب......!'' وہ جلدی سے بول پڑی۔ ''یہ مجھ سے نہیں ہوسکے گا۔ میں اس کٹہرے میں مرجانا پسند کروں گی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس سلسلے میں اب اور کچھ کہنا بیکار ہی تھا۔ ویسے بھی وہ تجویز فضول ہی تھی۔ اگر وہ کٹہرے سے نکل بھی جاتا تب بھی کیا ہوتا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ بیرونی دنیا تک اس کی رسائی

ہو ہی جاتی۔

لڑکی اس طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گئی تھی۔ یہاں پھر سناٹا ہوگیا تھا۔ کبھی کبھی کسی کے چھینکنے یا کھانسنے کی آواز آتی اور پھر وہی پہلے کا سا سکوت طاری ہوجاتا۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو نہیں کرتے تھے۔ کم از کم حمید نے کسی کو بھی کسی دوسرے کو مخاطب کرتے نہیں دیکھا تھا۔

حمید بھی تھوڑی دیر بعد اونگھنے لگا۔ اس کے قریب بہت سے پھل پڑے ہوئے تھے لیکن اس نے انہیں چھوا بھی نہیں۔ بھوک بہت شدت سے لگی ہوئی تھی لیکن کچھ کھانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ وہ اونگھتا رہا اور اسی دوران میں وہاں تین آدمی آئے۔ ایک حمید کے کٹہرے کا قفل کھولنے لگا...... وہ چونک پڑا اور ان آدمیوں کو دیکھتے ہی اسے یاد آگیا کہ وہ پاگل ہے۔

''ڈرائیور سے کہو گیراج سے کار نکالے۔'' اس نے اس آدمی سے کہا، جو کٹہرے کا قفل کھول رہا تھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسرے آدمی نے حمید سے کہا۔

''باہر نکلو......!''

''میں اڑ جاؤں گا۔'' حمید نے جواب دیا۔ وہ پیچھے کی طرف کھسک گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کٹہرے سے نکلنے پر آمادہ نہ ہو۔

''باہر نکلو ورنہ ہم تمہیں بجلی کے ہنٹر سے ماریں گے۔''

''نہیں بھائی صاحب...... ایسا نہ کرنا...... میں ایڈورڈ ہشتم ہوں۔''

''تم ملکہ وکٹوریہ ہو...... مگر باہر نکل آؤ۔''

''میں ملکہ کائنات کا سالا ہوں...... باہر نہیں نکلوں گا۔ ورنہ تم لوگ مجھے ذبح کرکے کھا جاؤ گے۔ ہرگز نہیں نکلوں گا۔''

انہوں نے اسے کھینچ کر باہر نکال لیا اور وہاں سے نکل کر ایک طرف چل پڑے۔ حمید کو ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آسمان کے نیچے چل رہا ہو کیونکہ راستے میں پھیلی ہوئی روشنی دھوپ سے بہت مشابہ تھی۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ وہاں کے آسمان کی اونچائی فرش سے زیادہ سے زیادہ بیس فٹ رہی ہو۔

یہ تھی تو ٹیوب ہی کی روشنی لیکن اس میں دھوپ کی سی قابل برداشت تمازت بھی تھی۔ وہ چلتے

رہے۔ حتیٰ کہ ایک بڑے کمرے میں پہنچے۔ شائد یہ ڈسپنسری تھی کیونکہ یہاں چاروں طرف الماریاں اور دواؤں کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔

یہاں حمید کو ایک انجکشن دیا گیا اور وہ لوگ اسے ساتھ لے کر پھر چل پڑے۔ حمید کو اس عظیم الشان تہہ خانے پر حیرت ہو رہی تھی۔ پتہ نہیں اس میں کتنا پھیلاؤ تھا۔ حمید اندازہ نہ کر سکا۔ کئی جگہ اب بھی پتھر تراشنے کا کام ہو رہا تھا۔ اس نے کئی نامکمل کمرے بھی دیکھے تھے لیکن طریقہ کار بھی انوکھا اور کم وقت لینے والا تھا۔ ایک عجیب و غریب مشین جو پتھر کو اس طرح تراشتی چلی جاتی جیسے موم کے ڈھیر سے تار گذرتا چلا جائے۔ اس کی شکل زمین کھودنے اور برابر کرنے والی آہنی گاڑی کی سی تھی لیکن اس میں لگا ہوا طویل اور دھار دار پھل انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ جب وہ پتھر پر لگتا تو آگ کی سرخی میں تبدیلی ہو جاتی اور پھر وہ پتھر میں دھنستا چلا جاتا۔

حمید کو پھر اسی تجربہ گاہ میں لایا گیا جہاں اس کی ذہنی حالت کی جانچ پڑتال ہوئی تھی۔ وہاں اُسے وہ بوڑھا انجینئر بھی نظر آیا جس نے اس کے ساتھ عجیب و غریب برتاؤ کیا تھا۔

"کیوں کیا حال ہے۔" اس نے مسکرا کر پوچھا۔ جواب میں حمید نے اُسے منہ چڑھا دیا۔ اب تو اس کی سمجھ میں بھی نہیں آتا تھا کہ اپنا پاگل پن کس طرح برقرار رکھے۔ بھوک نے اس کا دماغ ٹھکانے کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" بوڑھے نے دوسرے آدمیوں سے کہا جو اپنے کام چھوڑ کر حمید کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ "کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کب تک ٹھیک ہو سکے گا یا پھر اب اگر یہ کسی ایسے واقعے سے دوچار ہو جو پچھلے واقعات سے زیادہ تکلیف دہ اور حیرت انگیز ہو تب ممکن ہے کہ اس کی پچھلی ذہنی حالت واپس آجائے۔"

اس کے بعد ایک بار پھر حمید کو مشینی امتحانات سے گذرنا پڑا۔ وہ اور بوڑھا مشینوں والے کمرے میں تنہا تھے۔

بوڑھے نے آہستہ سے کہا۔ "تم نے بہت اچھا کیا کہ پاگل پن برقرار رکھا۔ پچھلی رات ایک مجبوری تھی جو پھر کبھی بتاؤں گا۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ تمہیں کم سے کم تکلیف ہو۔ لیکن پاگل پن میں اعتدال ضروری ہے۔ مار پیٹ وغیرہ سے بچنا ورنہ ہو سکتا ہے کہ پھر اسی کٹہرے میں بھیج دیئے جاؤ گے۔"

"اور اگر اس دوران میں میں سچ مچ پاگل ہو گیا تو۔"

"نہیں تم اتنے کمزور دماغ کے نہیں ہو۔" بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔

"آخر تم مجھ پر مہربان کیوں ہو گئے ہو۔"

"میں اس تنظیم کو آگے بڑھتے نہیں دیکھ سکتا۔"

"پھر اس کے لئے کام کیوں کر رہے ہو۔"

"مجبوری...... تم نہیں سمجھ سکتے۔ پھر بتاؤں گا۔ اطمینان سے...... اچھا بس۔"

وہ اسے ساتھ لے کر تجربہ گاہ میں واپس آ گیا اور ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر ان آدمیوں میں سے ایک کو دیا، جو حمید کو یہاں لائے تھے۔

وہ پھر باہر نکل کر ایک طرف چلنے لگے۔

بہرحال حمید کو دوبارہ کٹہرے میں نہیں لے جایا گیا۔ اس بار اسے ایک ایسا کمرہ ملا جس کی ایک دیوار میں جیل کے کمرے کی سی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ وہاں ایک مسہری ایک میز اور ایک کرسی تھی۔ کمرے سے ملا ہوا ایک غسل خانہ تھا۔ حمید مسہری پر گر گیا اور اس طرح گھوڑے بیچ کر سویا جیسے کئی راتوں سے سونا نصیب نہ ہوا تھا۔

پھر اُس کی آنکھ شاید کسی کے جگانے ہی پر کھلی۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ اُسے سامنے وہی لڑکی نظر آئی جس سے بوڑھے کے کمرے میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے چائے کی بو بھی محسوس کی۔ بھوک نے اس کی قوت شامہ کو چمکا دیا تھا۔ میز پر ناشتے کی کشتی رکھی ہوئی دکھائی دی۔ حمید زبردستی مسکرایا اور پھر بڑے سعادت مندانہ انداز میں مسکراتا ہوا بولا۔ "میں نے کئی ہزار گھنٹوں سے تمباکو نہیں پیا...... میرا دم اکھڑ رہا ہے۔"

"سگریٹ......!" لڑکی نے پوچھا۔

"نہیں پائپ کا تمباکو...... پائپ میری جیب میں موجود ہے۔ مگر تمباکو کی پاؤچ کہیں گر گئی۔"

"لیکن تم پاگل ہو...... اگر کہیں تم نے اپنے کپڑوں میں آگ لگا لی تو۔"

"اچھا تو کوئی ایسا تمباکو لا دو جسے پانی میں کھول کر پیا جا سکے۔ ورنہ میری موت واقع ہو جائے گی۔"

"فی الحال چائے پیو ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

"چائے کے بعد تو تمباکو کے بغیر میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔ تمہارا نام کیا ہے۔"

"رجنی......!"

"بہت واہیات نام ہے۔ تمہارا نام تو ورجینا ہونا چاہئے تھا تا کہ اسی سے کچھ تسکین ہوتی۔"

"باتیں نہ بناؤ ورنہ چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

"اچھا تو رجنی صرف ایک بات بتا دو...... پچھلی رات وہ بوڑھا مجھ سے یک بیک لپٹ کیوں پڑا تھا۔"

"اوہ...... وہ تم نہیں جانتے۔ یہاں کے حالات سے واقف نہیں ہو۔ یہاں ایسی حیرت انگیز مشینیں موجود ہیں جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔"

اچانک رجنی کے وینٹی بیگ سے عجیب طرح کی آواز آئی اور وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"چائے پیو۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "بکواس مت کرو...... ورنہ اس بار اس سے بھی زیادہ اذیت دی جائے گی۔ سمجھے...... ان کہروں سے بھی زیادہ تکلیف دہ جگہیں یہاں موجود ہیں۔"

حمید حیرت سے منہ پھاڑے اسے دیکھتا رہا اور اس نے باہر نکل کر دروازہ مقفل کر دیا۔



خان یوسف واپس آ گیا۔ اُس نے پوری پٹی فریدی کی طرف بڑھا دی۔ لیکن فریدی نے صرف چار کارتوس نکال کر پٹی اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے چار تھیلے نچلی چھت پر بھجوا دیئے ہیں تم وہاں جا کر انہیں ان چٹانوں کی طرف پھینکو جہاں سے فائر ہو رہے ہیں۔ لیکن جیسے وہ پھینکا جائے مجھے اس کی اطلاع ملنی چاہئے۔ اس کے لئے تم بگل یا سیٹی سے کام لینا۔"

"کیا بات ہوئی۔" خانم بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"ابھی آپ دیکھ لیں گی۔"

"کیا دیکھ لیں گی۔"

"اچھا میری بات سنئے۔ اپنے دو آدمیوں سے کہہ دیجئے کہ جیسے ہی آپ کی بارود ضائع ہو

مجھے گولی مار دیں۔ میں نہتا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

خانم چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر خان یوسف سے بولی۔ "جاؤ...... عمل کرو۔"

"ٹھہرو......" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ٹھیک دشمنوں کے سروں پر پھینکنا ورنہ اس کے ضائع ہو جانے کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہوگی۔"

"خانم یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" خان یوسف نے جھنجھلا کر کہا۔

خانم کچھ نہیں بولی۔ خان یوسف کہتا رہا۔ "مگر بارود ان کے ہاتھ لگ گئی تو وہ اسے ہمارے ہی خلاف استعمال کریں گے۔"

"اگر بارود ان کے ہاتھ لگ گئی تو میں خودکشی کر لوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"جاؤ جو کچھ کہا جا رہا ہے کرو۔" خانم بولی۔

خان یوسف نیچے چلا گیا۔ خانم پھر سوراخ سے دشمنوں کی طرف گولیاں چلانے لگی۔ فریدی نے اس سے کہا۔ "مجھے ایک رائفل بھی چاہئے۔"

خانم نے اپنی ہی رائفل اس کی طرف بڑھا دی۔ فریدی نے اس کا میگزین الگ کر کے اپنے کارتوسوں میں سے ایک چڑھا دیا۔

اتنے میں بگل کی آواز آئی۔ فریدی رائفل لے کر سوراخوں کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جیسے ہی پھینکا ہوا تھیلا چٹانوں کے اوپر پہنچا فریدی نے فائر کر دیا۔ گولی تھیلے پر پڑی ایک زوردار آواز آئی اور تیز قسم کی روشنی کا جھماکا۔ دشمنوں پر گویا آگ برس گئی۔ دوسری طرف کی رائفلیں یک بیک خاموش ہو گئیں۔

"جاؤ......!" فریدی نے ایک آدمی سے کہا۔ "جلدی کرو...... ان سے کہو کہ تھیلے برابر پھینکتے رہیں۔"

وہ اپنی رائفل چھوڑ کر دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔

"کمال کر دیا تم نے۔" خانم فریدی کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرا کر بولی۔

فریدی پھر سوراخوں سے باہر دیکھنے لگا۔ دشمن کی رائفلیں اب بھی خاموش تھیں۔ شاید خوفزدہ ہو گئے تھے۔ فریدی نے پھر بگل کی آواز سنی اور پھر فائر کیا۔ آگ چٹانوں پر پھیل گئی۔ اس بار دشمن بھاگ کھڑے ہوئے۔ جیسے ہی وہ چٹانوں کی اوٹ سے نکل کر دوسری طرف بھاگے نیچے سے خانم کے

سپاہیوں نے باڑھ ماری۔ دو چار وہیں ڈھیر ہو گئے۔ بھاگنے والوں کا ساتھ نہ دے سکے۔

جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے خانم کے سپاہی برابر فائر کرتے رہے۔ ہر بار وہ چار کو گرا دیتے۔ پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر میدان صاف ہو گیا۔ خانم کی فوج بھاگنے والوں کا تعاقب کر رہی تھی۔

ایک گھنٹے کے بعد خانم کو اطلاع ملی بھاگنے والوں میں سے بہت کم دشمن اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔

فریدی اپنے کمرے میں واپس آ گیا تھا لیکن اب بھی اس کے کمرے کے سامنے پہرہ دار موجود تھے۔

رات کو فریدی کی طلبی ہوئی۔ خانم ہال میں تنہا تھی۔ فریدی احتراماً خفیف سا جھکا اور خانم کے اشارے پر اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

”ہمیں افسوس ہے مہمان...... اپنے رویئے پر...... مگر ہم مجبور تھے۔“

”مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ آپ کی جگہ میں ہوتا تو مجھے بھی یہی کرنا پڑتا۔“

”میں تمہارے متعلق سب کچھ جاننا چاہتی ہوں مگر اب مطمح نظر وہ نہیں جو پہلے تھا اور نہ جانے کیوں اب بھی مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ میں تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھ چکی ہوں۔“

”آپ نے مجھے کہاں دیکھا ہو گا...... یہ ناممکن ہے۔ کیا آپ کبھی کراغال سے باہر گئی ہیں۔“

”کبھی نہیں۔“

”پھر یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ میں نے اس سے پہلے کبھی وادی کراغال میں قدم نہیں رکھا۔ ہاں اب میں آپ کو اپنے متعلق بتا سکتا ہوں۔ میں بلاشبہ اپنی حکومت کا جاسوس ہوں لیکن وادی کراغال سے مجھے یا میری حکومت کو کوئی سروکار نہیں۔ یہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ میں یہاں آ پہنچا۔ حقیقتاً میرے شکار وہ لوگ ہیں جن کا تذکرہ آپ نے کیا تھا۔ وہی عجیب و غریب سیٹیوں والے۔“

”تو پھر ہمارا خیال غلط نہیں تھا کہ تم جاسوس ہو۔“ خانم مسکرائی۔

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”اب آپ مجھے اپنے متعلق کچھ بتایئے۔“

”تمہارا نام کیا ہے؟“ خانم نے پوچھا۔

”احمد کمال۔“

”ہمارے ہم مذہب بھی ہو۔“ خانم نے کہا۔

”خانم...... آپ مجھے صرف ایک بات بتا دیجئے۔“

”ہاں پوچھو......!“

”اس دن آپ کوئلے کے مجسموں کے تذکرے پر پریشان ہو گئی تھیں۔“

خانم کا چہرہ پھر اتر گیا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ ”میں ایک بہت بڑی الجھن میں پڑ گئی ہوں۔ اگر تم کوئلے کے مجسموں کا تذکرہ نہ کرتے تو......!“

خانم خاموش ہو گئی۔ فریدی غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”آؤ...... اٹھو...... میرے ساتھ آؤ۔ اس تذکرے پر میری زبان میں اتنی قوت نہیں رہ جاتی کہ زیادہ دیر گفتگو کر سکوں۔“

فریدی اٹھ گیا۔ خانم باہر نکلی۔ سنتریوں نے اُس کے ساتھ ہونا چاہا لیکن اس نے انہیں وہیں ٹھہرنے کو کہا۔ وہ دونوں چلتے رہے۔ خانم فریدی سے کہہ رہی تھی۔

”لیکن یہ ایک راز ہے اور تم اسے اپنے ہی تک محدود رکھو گے۔ اس کا ظاہر ہو جانا کراغال کی لئے تباہ کن ثابت ہو گا۔“

”لیکن ٹھہریئے...... کیا یہ اُسی مجسمے کے متعلق ہے۔“

”ہاں اور میں اپنے دل پر سے یہ بار بھی ہٹانا چاہتی ہوں۔ تم دانش مند ہو مجھے کوئی مشورہ دو گے۔“

”میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔“

خانم چلتی رہی۔ محل بہت وسیع تھا۔ تقریباً میل کے رقبے میں پھیلا ہوا تھا۔ محل سے زیادہ اُسے ایک مستحکم قلعہ کہنا چاہئے۔ حکومت کراغال کی پوری فوج یہیں رہتی تھی۔ معززین اور عمائدین کی رہائش گاہیں بھی یہیں تھیں۔

لیکن اس وقت فریدی کو زیادہ نہیں چلنا پڑا۔ خانم نے ایک جگہ رک کر ایک دروازے کے قفل میں کنجی لگائی۔ دروازہ کھلا...... اندر اندھیرا تھا...... مگر فضا ایک تیز قسم کی خوشبو سے بوجھل معلوم ہو رہی تھی۔

خانم نے دو تین کافوری شمعیں روشن کر کے دروازہ بند کر دیا۔

یہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ بہت شاندار...... شاہانہ انداز میں سجی ہوئی۔

"یہ کراغال کے خان میرے شوہر کی خواب گاہ ہے۔" خانم نے کہا۔ چند لمحے خاموش کھڑی ہانپتی رہی پھر بولی۔ "یہیں مجھے کوئلے کا وہ مجسمہ ملا جو خان سے مشابہت رکھتا تھا بلکہ ہو بہو خان کی تصویر تھا۔"

"اوہ......!" فریدی حیرت سے منہ کھول کر رہ گیا۔

خانم اس طرح ہانپ رہی تھی جیسے ایک بڑی چڑھائی چڑھ کر یہاں تک پہنچی ہو۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "پہلے میں یہ سمجھی تھی کہ شائد خان نے مجھ سے مذاق کیا ہے۔ وہ اکثر اسی طرح پراسرار طریقے پر غائب ہو جاتے تھے۔ عرصے تک غائب رہتے اور پھر واپس آ جاتے۔ سارے کراغال اس بات کو جانتے ہیں لہٰذا آج کل بھی وہ یہی سمجھتے ہیں کہ خان ان کے لئے چائے، استرے، کپڑے اور تمباکو مہیا کرنے گئے ہیں۔ میں نے اس مجسمے کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔ وہ یہیں کے تہہ خانے میں اس وقت بھی موجود ہے۔"

"کیا خان کا تعلق بیرونی دنیا سے بھی تھا۔"

"ہاں...... وہ بہت دانش مند آدمی تھے۔ ان کے ایجنٹ بہتیرے ممالک میں موجود ہیں، جو کراغال کے لئے اشیاء مہیا کر کے بھیجتے ہیں۔ مگر یہ نہیں بتا سکتی کہ وہ چیزیں کس راستے سے آتی ہیں۔ راستوں کا علم خان یا ان کے خصوصی آدمیوں کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں اور نہ میں یہی جانتی ہوں کہ وہ مخصوص آدمی کون ہیں۔"

"مجسمہ یہیں ملا تھا۔"

"ہاں......!"

"کس جگہ......!"

خانم نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہاں دیوار سے لگا کھڑا تھا۔"

فریدی نے سامنے نظر اٹھائی۔ ٹھیک اسی جگہ کے سامنے دیوار میں ایک کشادہ روشندان تھا۔

"خانم......!" فریدی نے مغموم آواز میں کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔"

"خدارا ایسا نہ کہو...... مجھے یہ باور کرانے کی کوشش نہ کرو۔ کراغال تباہ ہو جائے گا۔"

"خانم میں اپنے پچھلے تجربات کی بناء پر یہ کہہ رہا ہوں۔ مگر کراغال کا مستقبل آپ کے رویہ پر منحصر ہے۔"

"تم بتاؤ...... میں کیا کروں۔"

"میں آپ کو بتاؤں گا، جو کچھ میرے امکان میں ہے اس سے کوتاہی نہ کروں گا۔ لیکن کیا میں اس مجسمے کو ایک نظر دیکھ سکتا ہوں۔"

"ہاں...... میں تمہیں دکھاؤں گی...... لیکن یہ چیز صرف تم تک محدود رہے گی۔"

"آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔"

خانم نے کمرے کے ایک حصے کا قالین الٹ دیا۔ پھر ایک طرف سے تختہ ہٹا کر موم کی شمع کی روشنی خلاء میں ڈالی۔ نیچے سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔

"ایک شمع اٹھا لو۔" خانم نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔

فریدی شمع اٹھا کر اس کے پیچھے چلنے لگا۔ زینے طے کر کے وہ ایک تہہ خانے میں پہنچے۔ فریدی کی نظر مجسمے پر پڑی جو بالکل برہنہ نہیں تھا۔ اس کے گرد ایک کپڑا لپیٹ دیا گیا تھا۔

وہاں ایک بوجھل سا سناٹا طاری رہا۔ دونوں کی سانسیں اس سکوت میں گونج رہی تھیں۔

"خانم......!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "یہ چہرہ مجھے کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہو رہا ہے۔"

خانم نے اپنی مغموم آنکھیں فریدی کی طرف اٹھائیں۔ شمع کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور وہ اس سرخ سی روشنی میں بڑی حسین نظر آ رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "اب مجھے یاد آ گیا کہ میں نے تمہیں کہاں دیکھا تھا۔ خان کے البم میں تمہاری ایک تصویر موجود ہے...... خان کے ساتھ۔"

داستانیں

رجنی چلی گئی اور حمید گم سم بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر میز پر آیا جہاں چائے کی ٹرے رکھی ہوئی تھی۔ چائے پیتے وقت بھی رجنی کے رویہ پر غور کرتا رہا۔ یک بیک اس نے آنکھیں کیوں بدل لی تھیں۔ پھر اس کا ذہن اس آواز کی طرف منتقل ہو گیا جو اس کے وینٹی بیگ سے آئی تھی۔ بالکل ویسی ہی

آواز اُس رات بوڑھے کے کمرے میں بھی اس نے سنی تھی اور اسی کے ساتھ ہی ساتھ اچانک اُ
رویہ بھی تبدیل ہوگیا تھا۔

حمید کو یہ چیز بڑی اہم معلوم ہوئی۔ وہ بہرحال فریدی کا شاگرد تھا جب سنجیدگی کے موڈ
ہوتا تو ہمیشہ بہت دور کی کوڑی لاتا۔

ان دونوں کے اچانک بدلتے ہوئے رویئے کا یہی مطلب تھا کہ کوئی ان کے حال سے واقف
ہونے کی کوشش کرتا ہے اور وہ دونوں آوازیں بھی ایسی ہی تھیں جیسے ٹرانسمیٹر کہیں کی آواز کیچ کر
کرتے رہ جائے۔ حمید کو یاد آیا کہ کنور شمشاد نے فریدی کو گھر بیٹھے ٹیلی ویژن پر اپنے کارخانوں
سیر کرائی تھی۔ ہوسکتا ہے یہاں بھی کوئی اسی قسم کی مشین موجود ہو جس پر کوئی اس زمین دوز دنیا
حالات معلوم کرتا ہو۔ ہوسکتا ہے بوڑھے نے بھی کوئی چیز ایجاد کرلی ہو جو اسے اس سے باخبر کرتی
ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کمرے میں پھیلی ہوئی عجیب وغریب روشنی یہاں کی فضا کو ٹیلی ویژن کے
پردے پر منتقل کردیتی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ان چھتوں میں ٹیلی ویژن کے کیمرے بھی پوشیدہ
ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی دیواروں میں آواز جذب کرنے کی مشینی صلاحیت بھی موجود ہو۔ حمید سوچتا
رہا اور سوچتے سوچتے اس نے چائے دانی خالی کردی۔ چائے کے ساتھ کھانے کے لئے پیسٹریاں بھی
موجود تھیں۔ پلیٹ بھی صاف ہوگئی لیکن اب اُسے تمباکو کی یاد بُری طرح ستا رہی تھی۔ اگر وہ ایک
پائپ کی تمباکو کہیں سے حاصل کرسکتا تو شاید...... شاید وہ نہ جانے کیا کر گذرتا۔

دفعتاً کمرے کا دروازہ پھر کھلا اور رجنی اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہونٹوں پر دوستانہ مسکراہٹ
تھی۔

"تم مجھے پاگل سمجھتے ہو گے کیپٹن۔"

"نہیں لڑکیاں پاگل نہیں ہوتیں۔ پاگل بنا دیتی ہیں۔ چائے کا بہت بہت شکریہ۔ مگر تمباکو۔"

اس نے وینٹی بیگ سے چمڑے کی ایک پاؤچ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"احتیاط سے خرچ کرنا۔ آج کل پرنس ہنری کا تمباکو مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔"

"ہائیں تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں پرنس ہنری کا تمباکو پیتا ہوں۔"

"ہم کیا نہیں جانتے۔"

"کیا اس بار تمہارے وینٹی بیگ میں وہ چیز نہیں ہے جو تمہیں بروقت ہوشیار کردیتی ہے۔"

"اوہ...... تم کیا جانو۔"

"میں کیا نہیں جانتا۔"

"اچھا بدلہ لیا تم نے......" رجنی ہنسنے لگی۔

"میں بدلہ ضرور لیتا ہوں۔"

"کیا تم یہ بھی جانتے ہو کہ تم کن لوگوں میں ہو۔"

"ہاں...... شاید میں طاقت والی تنظیم کے چکر میں آپڑا ہوں۔"

"یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔" رجنی کی آواز میں حیرت تھی۔

"میں اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں...... کہو تو یہ بھی بتادوں کہ آج کل ان پر ایک عورت حکمران
ہے۔"

"تم تو سب کچھ جانتے ہو۔"

"اور میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کوئی روح نہیں ہے اس کا دربار ایک فراڈ ہے۔ تخت شاہی
وغیرہ میں مائیکروفون فٹ ہیں جن سے اس کی آواز نشر ہوتی ہے۔"

"لیکن تم یہ نہ جانتے ہو گے کہ یہاں کیوں لائے گئے ہو۔"

"میں نہیں جانتا اور نہ جاننا چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہاں مجھے بہت آرام ہے۔ تم جیسی خوبصورت
لڑکیوں کے ہاتھوں سے چائے نصیب ہوتی ہے۔ غالباً کھانا بھی تمہیں کھلاؤ گی۔ عرصہ سے مجھے ایک
ایسی لڑکی کی تلاش تھی جو میری دیکھ بھال کرسکے۔ اب میں اپنی بقیہ زندگی اگر زندہ رہ گیا تو یہیں اسی
زمین دوز دنیا میں بسر کروں گا۔ پاگل بننے میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی۔"

"مگر تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔"

"تب تو یہ لوگ بڑے کمینے ہیں۔ پھر آخر مجھے اس طرح پکڑنے کے سلسلے میں اتنے آدمیوں
کی جانیں ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہاں جانوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ سنو ان کی اسکیم یہ ہے کہ وہ مکمل کر حکومت کے
سامنے آجائیں۔ دراصل وہ اپنی قوت آزمانا چاہتے ہیں۔ وہ تمہیں چھوڑ دیں گے۔ مگر اس طرح کہ تم
اپنی حکومت کے لئے وبال جان بن جاؤ گے۔ موجودہ حکمران ملکہ کائنات پچھلے حکمران سے زیادہ
دانش مند ہے۔ وہ تمہاری حکومت کی مشینری ہی ٹھپ کردینے کے درپے ہے۔ سائنٹیفک طور پر

حکومت کے ذمہ دار آدمیوں کی ذہنیتیں تبدیل کردی جائیں گی اور وہ خود ہی حکومت کو بنیاد
اکھاڑ کر پھینک دیں گے۔ پہلا تجربہ تم دونوں پر کیا جانے والا تھا مگر کرنل فریدی نکل گئے۔ اب
تم پر تجربہ کیا جائے گا اور تم یہاں سے نکال دیئے جاؤ گے۔"

"میں صحیح الدماغ ہی رہوں گا۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی صحیح الدماغ لیکن تمہارے نظریات یکسر بدل جائیں گے۔ تم اب تک جن کے
رہے ہو اُن سے بے وفائی کرو گے۔ ہوسکتا ہے کہ کرنل فریدی کو تمہارے ہی ہاتھوں موت نصیب ہو۔"

"پھر تمہاری ہمدردی کس کام آئے گی۔"

"یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے لیکن ہم اس کوشش میں ہیں کہ ملکہ کائنات کی تجویز بار آور
ہونے پائے۔"

"آخر کیوں...... تمہارے دماغ کیوں الٹ گئے ہیں کیا ان پر کوئی ایسا سائنٹیفک تجربہ نہیں
گیا۔"

"نہیں ان کی دانست میں ہم لوگ یونہی بے بس ہیں کبھی ان کے پنجوں سے رہائی نہیں
پاسکتے۔ کچھ لوگ یہاں اپنی خوشی سے کام کررہے ہیں اور کچھ لوگوں سے زبردستی کام لیا جاتا
ہے۔ یہاں ملک کے بہترین دماغ اکٹھا کئے گئے ہیں کچھ غیر ملکی بھی ہیں لیکن غیر ملکی زیادہ
پروپیگنڈے کا شکار ہوکر اس طرف آئے ہیں۔ غیر ملکیوں میں جرمن نازیوں کی تعداد زیادہ ہے۔"

"ڈاکٹر زبیری کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"وہ ایک بڑے سائنسدان ہیں۔ آئے تو تھے اپنی خوشی سے لیکن اب انہیں محسوس ہوا ہے کہ
غلطی پر ہیں۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح اس تنظیم کا خاتمہ ہوجائے۔"

"پھر تم مجھے اس سکیم سے کس طرح بچاؤ گی۔"

"وہ تجربہ تم پر ڈاکٹر زبیری ہی کریں گے۔ مگر پہلے تمہیں کچھ دن یہاں آرام کرنا پڑے گا
آہستہ آہستہ تم صحیح الدماغ ہوتے جاؤ گے اور اپنے چہرے پر کچھ اس طرح کے تاثرات پیدا کرو گے
جیسے بہت زیادہ خوفزدہ ہو۔ بہرحال یہ ایک لمبی چوڑی اسکیم ہے۔ جس کے متعلق پھر کبھی بتایا جائے گا
اب مجھے جانے دو۔"

"اچھا صرف ایک بات اور بتادو...... میرے موٹے ساتھی کو یہاں کیوں لایا گیا ہے۔"

"کیا وہ بہت مالدار نہیں ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ اس وقت تک اس کا سارا بینک بیلنس صاف
ہوچکا ہے۔ اب اسے چھوڑ دیا جائے گا تاکہ وہ پھر تنظیم کی خدمت کرنے کے لئے کچھ سرمایہ اکٹھا
کرسکے۔ اس کا باپ بھی بڑا مالدار ہے کیا وہ اس کی مدد نہ کرے گا۔ تم خود سوچو کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ
کیسے چل رہا ہے، روپے مہیا کرنے کے یہی ذرائع ہیں۔"

"اچھا رام گڈھ میں کوئی ادارہ روابط عامہ بھی ہے جس کا تعلق اسی تنظیم سے ہو۔"

"مجھے اس کا علم نہیں...... مگر روپیہ حاصل کرنے کے لئے یہ لوگ مجرمانہ طریقے اختیار کرتے
ہیں...... یہ مجھے معلوم ہے۔"

"موٹا کب چھوڑ دیا جائے گا۔"

"بہت جلد...... لیکن اسے تمہارے ساتھ نہیں چھوڑا جائے گا۔ سنو یہ ایک طرح سے تمہاری
حکومت کو تنظیم کی طرف سے کھلا ہوا چیلنج ہوگا۔ ظاہر ہے کہ موٹا پولیس کو ضرور اطلاع دے گا اور پولیس
یہاں ان پہاڑوں میں سر پٹختی پھرے گی۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ پولیس کو کامیابی ہوگی۔"

"میرا خیال ہے کہ پولیس مشکل میں پڑ جائے گی۔"

"بالکل ٹھیک......" رجنی سر ہلا کر بولی۔ "ایک بار ملکہ کائنات نے حکم دیا تھا کہ ہم سب مل کر
باہر نکلنے کا راستہ تلاش کریں لیکن تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اڑتالیس گھنٹے سر مارنے کے باوجود بھی
کامیابی نہ ہوئی۔ یہاں کے ذہین ترین آدمیوں کی کوششیں بھی بار آور نہ ہوئیں۔"

"کیا کوئی نہیں جانتا راستہ۔"

"صرف ایک آدمی جانتا ہے...... ہم اُسے بارن کے نام سے جانتے ہیں۔ وہی سیاہ ڈاڑھی
والا جس نے تمہیں ڈاکٹر زبیری کے سپرد کیا تھا۔"

وہ خاموش ہوگئی۔ حمید بھی کچھ نہیں بولا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔



فریدی حیرت سے خانم کو دیکھتا رہا۔ خانم بھی خاموش ہوگئی تھی۔ اس کے چہرے پر اضمحلال
طاری تھا۔

"میری تصویر خان کے ساتھ کیسے ہوسکتی ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "مگر ٹھہر
شائد یہاں زیادہ دیر رکنا نہیں چاہتیں۔ اس کے متعلق پھر گفتگو کریں گے۔"

وہ آگے بڑھ کر مجسمے کو دیکھنے لگا۔ خانم منہ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔ فریدی نے مجسمے پر سے
وہ بالکل برہنہ تھا۔ اس کی کمر میں چمڑے کی پٹی تھی اور پیروں میں جوتے۔ کچھ دیر تک دیکھ
کے بعد اس نے اسے پھر کپڑے سے ڈھانک دیا۔

"چلئے...... واپس چلیں۔" اس نے کہا۔ "میں نے دیکھ لیا۔"

خانم خاموشی سے زینوں کی طرف مڑ گئی۔ وہ پھر خان کی خواب گاہ میں آگئے۔

"اس مجسمے میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی تو نہیں کی گئی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں...... سوائے اس کے کہ اسے کپڑے سے ڈھانک دیا گیا ہے۔"

"خان نے آپ کو کبھی یہ بھی بتایا تھا کہ وہ کہاں غائب ہوجاتے ہیں۔"

"کبھی نہیں...... وہ شروع ہی سے میرے لئے ایک پراسرار آدمی رہے ہیں۔ اپنی مصر
کے متعلق کبھی کچھ نہیں بتاتے تھے۔"

"ہوں......!" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

خانم نے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔ "لندن میں تم اور خان ہم جماعت تھے۔"

"کیا......!" فریدی چونک پڑا۔ "اوہ اب مجھے یاد آگیا۔ اوہو...... کیا خان عیسٰی ہی کرا
کے خان تھے۔ مگر مجھے اس کا علم پہلے کبھی نہیں تھا۔ انہوں نے شاید اپنا تعلق سرحدی صوبے
کیا تھا۔"

"خان بچپن ہی سے ایسے تھے۔ انہوں نے لندن میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اگر وہ خود کو کرا
ظاہر کرتے تو شاید لندن تک ان کی رسائی بھی نہ ہوسکتی۔"

"تب تو مجھے خان عیسٰی کے لئے...... اوہ خانم مجھے بڑا افسوس ہے کہ ہماری ملاقات
حالات میں ہوئی۔ بہرحال میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنی آخری سانسوں تک کراغال
حفاظت کروں گا۔ میں اور عیسٰی خان گہرے دوست تھے۔"

"تم کرنل فریدی ہو...... تم نے مجھے اپنا نام غلط بتایا تھا۔"

"نہیں میرا پورا نام احمد کمال فریدی ہے۔ میں نے غلط نہیں بتایا تھا۔"

"خان اکثر تمہارا تذکرہ کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ تمہاری حیثیت بین
الاقوامی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی پیشانی پر گہرے تفکر کی لکیریں تھیں۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "آخر ان لوگوں سے خان عیسٰی کا کیا تعلق۔ انہوں نے ان پر ہی
اپنا حربہ کیوں آزمایا۔"

"میں خود یہی سوچ رہی تھی۔"

"اس کا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ جب چاہیں نہایت آسانی سے محل میں داخل ہوسکتے
ہیں۔ یعنی کسی کو کانوں کان خبر ہوئے بغیر۔"

"ہاں...... اس صورت میں تو یہی کہا جاسکتا ہے۔"

فریدی نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن اس پر خوف کے آثار نہیں تھے۔ اس
نے آہستہ سے کہا۔ "خان چالاک آدمی تھے۔ اس لئے ختم کردیئے گئے۔ اس کا مقصد یہی ہوسکتا ہے
کہ وہ جب چاہیں کراغال کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرسکیں۔"

فریدی نے پھر اس کے چہرے پر نظر ڈالی لیکن خانم کی آنکھوں سے صرف غم جھانک رہا تھا۔
اس میں تشویش یا خوف کے آثار نہیں تھے۔

"تو پھر اب مجھے خود کو بیوہ سمجھنا چاہئے۔" اُس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"میں کیا کہوں۔" فریدی تشویش ناک لہجے میں بولا۔ "لیکن خدارا...... اسے ظاہر نہ کیجئے گا۔"

"میں سمجھتی ہوں...... یہ چیز کراغال کے لئے تباہ کن ہوگی۔ قرب و جوار کے قبائل چاروں
طرف سے یورش کردیں گے۔ ویسے ان پر خان کی ہیبت طاری رہتی ہے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ خان اُن لوگوں کے کسی راز
سے واقف ہوگئے تھے۔ اسی لئے انہیں راستے سے ہٹا دیا گیا یا پھر دوسری ہی بات تھی۔ یعنی وہ
کراغال کی باگ ڈور کسی دانشمند آدمی کے ہاتھ میں نہیں دیکھنا چاہتے۔"

"وہ کچھ بھی ہو لیکن اس نقصان کی تلافی کیسے ہوگی۔ میں کیا کروں۔"

"صبر کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے خانم! ویسے مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کسی عورت کی حکومت
بادی کراغال کے خلاف ہے۔ اگر کسی کو خان کے متعلق شبہ بھی ہوا تو حکومت خان کے کسی بھائی

یا بھتیجے کی طرف منتقل ہو جائے گی۔"

"میں ہر وقت حکومت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہوں لیکن کراغال تباہ ہو جائے گا
ظاہر کرنا ہی تباہی کو دعوت دینا ہوگا کہ کراغال سے خان کا سایہ اٹھ گیا۔ خان کا بھتیجا خان میز
قابل نہیں ہے کہ اسے کراغال کی باگ ڈور سونپی جاسکے۔ اس کا اعلان ہوتے ہی بربادی ادھر کا
کرلے گی۔"

"بس تو پھر مصلحت اسی میں ہے کہ خان کا نام کم از کم اس وقت تک زندہ رکھا جائے
تک کہ ان کے قاتل اپنی سزا کو نہ پہنچ لیں۔"

خانم کچھ نہ بولی۔ فریدی بھی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

بیک وقت دو خیال اس کے ذہن میں تھے یا تو خان اُن لوگوں کے کسی راز سے واقف
تھا یا پھر ضیغم نے حکومت حاصل کرنے کے لئے ان کی مدد سے خان کو ختم کردیا۔ اُسے وہ مجسمہ بھی
آ گیا جو اس نے رام گڈھ کی عمارت میں دیکھا تھا۔ ایک ایسی لڑکی کا مجسمہ جس کی بارات درواز
پر کھڑی تھی۔ ایسے موقع پر اسے کیوں ختم کیا گیا۔ بظاہر وجہ یہی ہوسکتی تھی کہ اس کی شادی کسی کو نا
گذری تھی۔

"اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے۔" خانم اٹھتی ہوئی بولی۔

فریدی بھی اٹھ گیا۔ لیکن اس دوران میں فریدی کی عقابی آنکھیں خان کی خواب گاہ کا جا
لیتی رہی تھیں۔

قیدخانہ

تین دن حمید آرام کرتا رہا لیکن ڈاکٹر زبیری کی ہدایت کے مطابق وہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو
جا رہا تھا۔ ایک بار اُس ڈاڑھی والے سے بھی مڈبھیڑ ہوئی لیکن حمید نے اپنی کسی بھی حرکت سے پاگل

پن نہیں ظاہر کیا۔

"تم اب ٹھیک ہو۔" ڈاڑھی والے نے پوچھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں...... لیکن اگر مجھے اپنی گرفتاری کی وجہ نہ معلوم ہوئی تو شاید میں پھر
ہوش و حواس کھو بیٹھوں۔"

ڈاڑھی والا جواباً مسکرایا تھا۔

"میں یہاں کیوں لایا گیا ہوں۔"

"کیا یہ زمین دوز دنیا تمہیں دلکش معلوم نہیں ہوتی۔"

"بہت دلکش...... لیکن میں ایسی بے آسمان دنیا کے خواب سے بھی خوف کھاؤں گا۔"

"بہرحال تمہیں یہاں صرف اس لئے لایا گیا تھا کہ تمہاری معلومات میں ایک نیا اضافہ
ہو سکے۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں تھا۔"

"میں کن لوگوں میں ہوں...... یہ بھی جاننا چاہوں گا۔"

"تم آدمیوں ہی میں ہو...... غالباً اتنا بتا دینا کافی ہوگا۔"

"میں نے ملکہ کائنات کا دربار دیکھا تھا...... وہ خواب تھا یا حقیقت۔"

"سو فیصدی حقیقت......!"

"کیا ملکہ کائنات کوئی روح ہے۔"

"واحد روح جو کائنات کے ایک ایک ذرے میں جاری و ساری ہے۔ وہ روح جب ایٹم سے
علیحدہ ہوتی ہے تو پورے پورے شہر آن واحد میں تباہ ہو جاتے ہیں۔"

"تم بڑی فلسفیانہ باتیں کررہے ہو۔" حمید نے کہا۔

"نہیں یہ تو کوئی خاص بات نہیں۔ میں نے ایک عام بات کہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ
طاقت ہی ہے جو کائنات کے ذرے میں جاری و ساری ہے۔ ہم پر طاقت کی حکومت ہے۔ طاقت
ہی ملکہ کائنات ہے۔"

"میرے خدا......!" حمید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا تھا۔ "طاقت...... وہ...... وہ
طاقت والی تنظیم۔"

"ہاں...... وہی۔" جواب ملا تھا۔ "ہمارا پچھلا حکمران ایک بیوقوف آدمی تھا جو ایک حقیر کیڑے

کے ہاتھوں فنا ہوگیا۔ اسے ضرورت ہی کیا تھی کہ خود تم لوگوں سے الجھنے کی کوشش کرتا۔ تمہارا خاتمہ
تنظیم کا ایک کیچوا بھی کرسکتا تھا۔"

حمید اس کی گفتگو پر سراسیمہ ہوگیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کی حالت سنبھل بھی گئی
تھی۔ کیونکہ ڈاڑھی والے نے بڑے پیار سے اس کا شانہ تھپتھپا کر کہا تھا۔ "پرواہ نہ کرو.....
ہمارے لئے اس احمق حکمران سے زیادہ اہم ہو۔ ہوسکتا ہے کبھی ہمارا فلسفہ تمہاری سمجھ میں آجائے اور
تم ہماری تنظیم کے اعلیٰ رکن بن سکو۔"

اس کے بعد وہ مزید کچھ کہے بغیر چلا گیا تھا۔

پھر آج اچانک قاسم اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

"ہائیں.....حمید بھائی.....تم ابھی یہیں ہو۔ معلوم ہوتا ہے تمہاری چیک بک بھی آگئی ہے۔"

"نہیں.....میں یہاں خیر سگالی کے مشن پر آیا تھا۔"

"یا اللہ قسم.....میں تو برباد ہوگیا۔ چھ لاکھ روپیہ۔"

"کیا مطلب.....!"

"سب لے لیا سالوں نے۔" قاسم ہنسنے لگا۔

"اگر تمہارے والد کو علم ہوگیا تو۔"

"یہاں سے واپس کون جاتا ہے حمید بھائی! مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ ایک خوب تگڑی عو
مجھ سے محبت کرنے لگی ہے۔ وہ کہتی ہے قاسم پیارے.....میں مرجاؤں گی اگر تم چلے گئے۔"

قاسم اُس عورت کی نقل اتارنے کے سلسلے میں لچکنے لگا۔

"اور اگر زبردستی یہاں سے نکال دیئے گئے تو۔"

"کون نکالے گا زبردستی۔"

"تم گھاس کھا گئے ہو کیا.....اب تمہارے پاس کیا ہے کہ وہ تمہیں یہاں رکھیں گے۔"

"ارے جاؤ یار.....کیا باتیں کرتے ہو۔ روپیہ تو وہ تجارت میں لگائیں گے اور مجھے
منافع دیتے رہیں گے۔ میں کوئی اُلو ہوں۔"

"نہیں اُلو تو اتنا بھاری بھرکم نہیں ہوتا۔"

"دیکھو اگر تم میرا مذاق اڑاؤ گے تو اچھا نہیں ہوگا۔"

"کیا کرو گے تم.....!"

"تمہاری گردن مروڑ دوں گا ہاں.....تم اپنے کو سمجھتے کیا ہو۔"

"میں کیپٹن حمید ہوں۔"

"ابے جاؤ کیپٹن حمید دیکھ لی سالی بہادری، چوہوں کی طرح پکڑوا لیا ملکہ صاحبہ نے۔"

"کون ملکہ صاحبہ۔"

"وہ جو سارے عالم کی ملکہ ہیں.....طاقت بیگم۔"

"کیا تم نے اسے دیکھا ہے۔"

"ابے.....ادب سے نام لو.....ورنہ منہ توڑ دوں گا۔"

"وہ تمہاری چچی لگتی ہے۔"

"ارے تم نہیں مانو گے۔" قاسم گھونسہ تان کر حمید کی طرف جھپٹا۔ حمید ایک طرف ہٹ گیا۔
قاسم کا گھونسہ دیوار پر پڑا۔ وہ بلبلا کر پلٹا لیکن موٹاپے کی وجہ سے اس میں پھرتی نہیں تھی۔ حمید نے
اسے نچا مارا اور پھر وہ زمین پر بیٹھ کر گدھوں کی طرح ہانپنے لگا۔ منہ سے زبان نکل پڑی۔

"کیوں.....اب کہو تو چھرا مار کر تمہاری توند برابر کردوں۔" حمید نے کہا۔

دفعتاً ایک موٹی سی عورت کمرے میں گھس آئی۔ اُسے دیکھتے ہی قاسم بوکھلا کر کھڑا ہوگیا اور
اس طرح ہنسنے لگا جیسے وہ اُس سے یہاں کی موجودگی پر سختی سے جواب طلب کرے گی۔

"یہاں کیا کر رہے ہو ڈارلنگ۔" اُس نے کسی پھوہڑ طوائف کی طرح لچک کر پوچھا۔

"ہاہا.....کچھ نہیں.....یہ میرے دوست ہیں۔" حمید نے قاسم کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں میں اس کا سرپرست ہوں۔" قاسم جھلا گیا۔

"ان کی سرپرست تو میں ہوں جناب۔" عورت نے کہا۔ پھر قاسم کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں ڈارلنگ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔"

"تم بالکل غلط کہہ رہی ہو۔" حمید بولا۔ "اس کی سرپرست تم نہیں ہوسکتیں کیونکہ یہ شادی شدہ
ہے۔"

"ابے.....!" قاسم شور مچانے والے انداز میں بولا۔ "تم جھوٹ کیوں بولتے ہو۔"

"کیا یہ جھوٹ ہے کہ تم شادی شدہ ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"بالکل جھوٹ ہے...... قطعی جھوٹ ہے۔"

"کیوں خواہ مخواہ اس بھولی بھالی عورت کو دھوکا دے رہے ہو۔"

"ارے تم خود بھولے بھالے...... شٹ اپ۔" قاسم ہونٹ بھینچ کر حمید کو گھونسہ دکھانے لگا۔

"البتہ میری شادی ابھی نہیں ہوئی۔" حمید بولا۔ "اسلئے اگر چاہو تو مجھے ڈارلنگ کہہ سکتی ہو۔"

عورت نے شرما کر سر جھکا لیا اور قاسم گھبرا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"مجھ سے محبت کرو گی تو فائدے میں رہو گی۔" حمید نے کہا۔

"غمید بھائی۔" قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ عورت حمید کے اس جملے پر اور زیادہ شرما کر دوہری ہو جانے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن چونکہ موٹی زیادہ تھی اس لئے آکہری ہی رہی۔

"حمید بھائی......!" دفعتاً قاسم پاگلوں کی طرح حلق پھاڑ کر چیخا۔

"بولو...... کیا کہتی ہو۔" حمید نے پھر اُسے مخاطب کیا۔

عورت نے سر اٹھا کر شرمیلی نظروں سے حمید کی طرف دیکھا...... اور پھر شرما کر سر جھکا لیا۔

"میں سب دیکھ رہا ہوں ہاں۔" قاسم دہاڑا۔

"دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں...... دیکھتے رہو۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "مگر کسی سے کہنا نہیں۔"

"ارے غارت ہو جاؤ تم۔" قاسم نے دانت پیس کر حمید پر چھلانگ لگائی اور حمید عورت کے قریب سے کترا کر نکل گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاسم کی نو من کی لاش عورت پر آپڑی اور دونوں چیختے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گئے۔ عورت کے منہ سے گالیاں نکلیں اور اس کے دوہتھڑ قاسم کے سر پر پڑنے لگے۔ دونوں کے شور سے چھت اڑی جا رہی تھی۔ دونوں ہی زمین سے اٹھنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ حمید کمرے سے نکل گیا اب وہ آزادانہ طور پر جہاں چاہتا تھا جا سکتا تھا۔ رجنی نے اسے بتایا تھا کہ پالیسی یہ ہے کہ حمید پر اس تنظیم کا رعب پڑے اور وہ بیرونی دنیا پر جا کر بے بسوں کی طرح ہاتھ پیر مارے لیکن دوبارہ یہاں تک رسائی نہ ہو سکے۔ حکومت انہیں تلاش کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر دے لیکن کامیابی نہ ہو۔ موجودہ حکمران کے خیال کے مطابق خطرات مول پڑے بغیر تنظیم آگے نہیں بڑھ سکتی۔

اور پھر حمید کو ابھی تو اس تجربے کا بھی انتظار تھا، جو اس پر کیا جانے والا تھا۔ ڈاکٹر زبیری سے ابھی تک اس کی تفصیلات نہیں معلوم ہو سکی تھیں۔ ویسے رجنی نے اسے اتنا ہی بتایا تھا کہ اُس تجربے کے بعد اس کے خیالات بدل جائیں گے اور وہ اپنے ہی آدمیوں کا دشمن ہو جائے گا۔ غالباً فریدی کو اس طرح شکست دینے کا خیال تھا۔



دوسری صبح خانم کے محل میں فریدی کی حیثیت بدل گئی تھی۔ سپاہی اسے احترام کی نظروں سے دیکھتے، عمائدین عزت کرتے اور خانم کا مشیر بوڑھا خان یوسف تو بچھا جا رہا تھا۔ البتہ صرف ایک آدمی کی آنکھوں میں اب بھی فریدی کے لئے نفرت تھی اور یہ تھا کراغال کے خان کا بھیجا خان ضیغم۔ وہ ہر ایک سے یہی کہتا کہ اسے فریدی پر اعتماد نہیں ہے۔ وہ یقیناً کسی دشمن ملک کا جاسوس ہے اگر اس نے حملہ آوروں کو پسپا کرنے میں مدد دی تو اس میں نہ اس کا کوئی فائدہ تھا اور نہ نقصان۔ یہ تو اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ کراغالیوں کا اعتماد حاصل کر سکے۔

دوپہر کو خانم نے فریدی کو پھر طلب کیا۔ اس وقت بھی وہ کمرے میں تنہا تھی۔

"تم نے سنا...... ضیغم کیا پروپیگنڈا کر رہا ہے۔" خانم نے پوچھا۔

"جی ہاں...... میں نے سنا ہے۔ لیکن آپ نے میرے نام کا اعلان تو نہیں کر دیا۔"

"نہیں...... مجھ سے ایسی حماقت سرزد نہیں ہو سکتی۔ یہ چیز میرے لئے بھی باعث حیرت ہے کہ اُن لوگوں کی رسائی میرے محل میں کیسے ہوئی۔"

"یہ سوال حقیقتاً قابل غور ہے۔" فریدی بولا۔ "کیا آپ نے خان یوسف کو بھی میرے متعلق کچھ نہیں بتایا۔"

"ہرگز نہیں...... میرے علاوہ اور کوئی تمہارے نام سے واقف نہیں ہے۔"

"شکریہ...... اب میں دیکھوں گا کہ اس سازش کی پشت پر کون ہے۔ آپ آج شام کو یہ خبر مشہور کرا دیجئے گا کہ میں حیرت انگیز طور پر غائب ہو گیا ہوں۔"

"اس سے کیا ہوگا۔"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ خان ضیغم کے مشاغل کس قسم کے ہیں۔"

"اوہو...... اچھا...... تم چھپ کر دیکھنا چاہتے ہو۔"

"جی ہاں یہی بات ہے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر خانم نے کہا۔ "میں پچھلی رات سو نہیں سکی۔ میرے خدا کیسی مجبوری ہے کہ میں سوگ بھی نہیں منا سکتی۔"

"آپ ایک دلیر خاتون ہیں اور دلیر ہستیاں سوگ منا کر انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں کرتیں۔"

"ہاں...... وہ آگ تو میرا وجود پھونکے دے رہی ہے۔"

"بس تو اب آپ کی آنکھوں میں اداسی بھی نہ ہونی چاہئے۔"

"میں ایک دلیر عورت بننے کی کوشش کروں گی۔ مگر کرنل...... جسم کے اندر دل بھی ہوتا ہے۔"

"دل ہی میں دلیری بھی پرورش پاتی ہے۔ اس کا تعلق آسمانوں سے نہیں۔"

"تم مجھے بڑا سہارا دے رہے ہو۔ میں تمہاری شکر گذار ہوں۔"

"آپ خان عیسیٰ کی بیوی ہیں جو لندن میں میرا بہترین دوست تھا۔ کاش میں آپ کے کچھ کر سکوں۔"

"میری وجہ سے تمہیں تکلیف بھی پہنچی ہے۔"

"اس کے علاوہ نہیں کہ مجھے اڑتالیس گھنٹوں سے سگار نہیں ملا۔"

"تمباکو نوشی اچھی عادت نہیں ہے۔" خانم کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"زیادہ سوچنے والوں کے لئے بُری بھی نہیں ہے۔"

"سگار تمہیں جلدی ملیں گے۔ خان اپنی تمباکو کا ذخیرہ مجھ سے چھپائے رکھتے تھے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میں تمہارے لئے سگار مہیا کر سکوں گی۔"

"ویسے اب مجھے باہر نکلنے کی اجازت بھی دیجئے تاکہ میں ان لوگوں کا پتہ لگاؤں جن کے ہاتھوں زخمی ہو کر یہاں پہنچا تھا۔"

"مگر تم مجھے ان حالات میں چھوڑ کر کہیں جا نہیں سکتے۔" خانم نے مسکرا کر کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ کراغال سے زیادہ دور نہیں ہیں۔"

"مگر تم انہیں کہاں تلاش کرتے پھرو گے۔"

"تلاش تو محل ہی سے شروع ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ خان کسی سازش کا شکار ہوئے ہیں کیا خان ضیغم فرشتہ ہیں۔"

"اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ جب تک کہ مجھے اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ مل جائے۔ میرے خیالات اس کی طرف سے اچھے ہی رہیں گے۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔ وہ ضیغم ہی کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ اس نے اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں قائم کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ضیغم جیسے لوگ سب کچھ کر گذرنے پر تیار رہتے ہیں اور ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب یک بیک بدل جائیں گے۔

فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اچھا خانم...... کیا اب مجھے محل سے باہر نکلنے کی اجازت مل سکے گی۔ مجھے اپنے ساتھی کیپٹن حمید کی خبر لینی ہے۔ پتہ نہیں وہ زندہ ہے یا حملہ آوروں کی نذر ہو گیا ہے۔"

"میں کیا بتاؤں۔ ضیغم کے رویہ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ ڈر ہے کہ کہیں وہ اس سے کوئی نئی بات نہ پیدا کردے۔ کراغالی اجنبیوں اور بدیسیوں کو قطعی پسند نہیں کرتے۔ اُن کے خیالات تمہاری طرف سے کچھ بہتر ہوئے تھے کہ ضیغم نے انہیں دوسری بات سمجھانی شروع کردی۔ تم نے ان پر لاکھ احسان کیا لیکن اجنبیوں سے ان کی وحشت اپنی جگہ پر ہے۔ وہ صبح شام تمہاری پوجا کر سکتے ہیں لیکن تمہیں کراغال سے باہر نہیں جانے دیں گے۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ میں اب بھی قیدی ہوں۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" خانم کی آواز دردناک تھی۔ "میں تمہیں نہیں روکنا چاہتی لیکن ضیغم تمہارے چلے جانے پر اسی بہانے کراغالیوں کو میرے خلاف اکسا سکتا ہے اور اگر خان کی موت میں ضیغم ہی کا ہاتھ ہے تو وہ ضرور ایسا کرے گا۔"

"میں سمجھتا ہوں...... مگر یہ بھی ضروری ہے، جو میں کرنا چاہتا ہوں۔ میرے اور خان کے تعلقات نجی تھے۔ لیکن مجھ پر ایک حکومت کا ملازم ہونے کی حیثیت سے کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں اور وہ ذمہ داریاں نجی تعلقات سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔"

"پھر تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں۔ میں تمہارا ہر مشورہ قبول کرنے کو تیار ہوں۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”آپ کے یہاں کوئی باقاعدہ قسم کا جیل بھی ہے۔“

”ہے...... کیوں۔“ خانم نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

”تو پھر...... مجھ پر کوئی سنگین الزام لگا کر قید کر دیجئے۔“

”ارے...... یہ کیوں۔“

”جیل خانے سے نکل جانا میرا کام ہوگا...... اور آپ پر کوئی الزام بھی نہ آسکے گا۔“

”آہا...... ٹھہرو...... مجھے سوچنے دو۔“

خانم خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ”میں نے سوچ لیا۔ یہ تدبیر کافی کارگر رہے گی۔ خان کا ایک مخصوص جیل خانہ ہے جس کا علم یوں تو سارے کراغال کو ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ علاوہ تین ہستیوں کے...... خان جانتے تھے۔ میں جانتی ہوں اور بوڑھا خان یوسف۔ وہ جیل خانہ خطرناک قسم کے باغیوں کے لئے استعمال ہوتا آیا ہے۔ اس کا نام ہی سن کر لوگ کانپنے لگتے ہیں کیونکہ اس کے قیدی نے دوبارہ پھر کبھی آسمان نہیں دیکھا۔ وہ زیادہ دنوں تک زندہ ہی نہیں رہتا کیونکہ خورد و نوش کے لئے صرف تین دن کی رسد ساتھ کی جاتی ہے۔ میں تم پر کوئی الزام لگا کر تمہیں وہاں بھجوا دوں گی۔ پھر رات کو...... باہر۔“

”مناسب ہے مگر میں اس صورت میں......“ فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”کہو کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”کچھ نہیں...... ٹھیک ہے۔“

پھر دونوں میں آہستہ آہستہ گفتگو ہونے لگی۔ آواز سرگوشیوں سے زیادہ نہیں ابھری۔

اسی رات کو فریدی جب محل کی ایک دیوار پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا خانم کے پہرے داروں نے اُسے پکڑ لیا۔ اس نے جدوجہد بھی نہیں کی کیونکہ یہ سب کچھ اسی کی اسکیم کے ماتحت ہو رہا تھا۔

پھر دوسری صبح وہ خانم کے مختصر سے دربار میں پیش کیا گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔

”تم پچھلی رات کو کیا کرنا چاہتے تھے۔“ خانم نے گرج کر پوچھا۔

”م...... میں کچھ نہیں۔ آپ کے پہرہ داروں کو غلط فہمی ہوئی تھی۔“

”ٹھیک ہے...... تم پہرہ داروں کو جھٹلا سکتے ہو مجھے نہیں...... میں نے خود تمہیں دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔ اب تم پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ تم نے ایک بار ہماری مدد کی تھی مگر ظاہر ہے کہ اس مدد سے تمہارے کسی مقصد میں خلل آنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ تم جس حکومت کے جاسوس ہو اس کا نام ظاہر کرو۔“

”میں کسی حکومت کا جاسوس نہیں ہوں کس طرح یقین دلاؤں۔“

”خان یوسف......!“ دفعتاً خانم بوڑھے کی طرف مڑ کر بولی۔ ”یہ خان کے سیہ خانے کا قیدی ہے۔ اسے لے جاؤ۔“

سارے دربار میں سناٹا چھا گیا تھا۔ خان یوسف آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھا اور رسی کا سرا پکڑتا ہوا فریدی سے بولا۔ ”چلو۔“

اس نے ہولسٹر سے ریوالور بھی نکال کر اس کی کمر سے لگا دیا تھا۔ فریدی مضمحل قدموں سے چلنے لگا۔

”یہ تمہیں کیا سوجھی تھی؟ کیا یہ اعزاز و اکرام تمہیں گراں گزرتا تھا۔“ خان یوسف نے کہا۔

”یہ سراسر الزام ہے۔“ فریدی غرایا۔ ”تم لوگ احسان فراموش ہو۔ تم مجھے مار ڈالنا چاہتے ہو، مار ڈالو گے۔“

خان یوسف پھر کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک تنگ و تاریک سرنگ میں داخل ہو رہے تھے۔ یہاں قریب و دور کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ حقیقتاً یہ کوئی خطرناک جگہ تھی۔

”پھر بھی۔“ خان یوسف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”نہ جانے کیوں مجھے تمہارے لئے افسوس ہے۔“

”افسوس ظاہر کرنے کا طریقہ بھی خوب ہے۔ میں جانتا ہوں کہ خان کا سیہ خانہ کوئی خطرناک جگہ ہوگی۔“

”ہاں...... آج تمہیں صرف تین دن کی رسد ملے گی۔ ظاہر ہے کہ تمہاری بقیہ زندگی اس پر بسر ہونے سے رہی۔“

”خیر دیکھا جائے گا......“ فریدی نے غصیلے لہجے میں کہا اور خاموش ہو گیا۔

خان یوسف نے ایک طرف اندھیرے میں اسے دھکا دیا۔ پھر فریدی نے دھاتوں کے بجنے

ئی آواز سنی۔ شائد دروازہ کسی دھات کا تھا۔

پھر خان یوسف نے کہا۔ ''ٹھہرو میں مشعل جلاتا ہوں اور تم اُس رسی سے خود پیچھا چھڑا سکو گے۔''

فرار

کچھ دیر بعد وہاں مشعل کی سرخ روشنی پھیل گئی۔ خان یوسف کا چہرہ اس روشنی میں عجیب لگ رہا تھا۔

''نہ جانے کیوں۔'' وہ گلوگیر آواز میں بولا۔ ''میرا دل نہیں چاہتا کہ تم اس طرح سسک کر مر جاؤ۔ مجھ پر تمہارا ایک احسان ہے...... مگر میں کیا کروں۔''

''مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کبھی تم پر کوئی احسان کیا ہو۔''

''اس برج میں جب تم نے ہم پر ریوالور تانے تھے بڑی آسانی سے ہمارا خاتمہ کر سکتے تھے۔''

''جاؤ......!'' فریدی جھلائے ہوئے انداز میں ہاتھ جھٹک کر بولا۔ ''میں تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگ سکتا۔''

''مانگو بھی تو میں بے بس ہوں۔'' خان یوسف نے مایوسی سے کہا۔ ''میں خانم سے غداری نہیں کر سکتا۔''

فریدی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور خان یوسف بولا۔

''وہ ادھر بائیں طرف ایک دھار دار تیغہ نصب ہے۔ اس سے اپنی رسیاں کاٹ ڈالو... دیکھو میں حتی الامکان تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔ روزانہ تمہیں کم از کم اتنا کھانا ضرور پہنچے گا جس سے تم اپنی زندگی برقرار رکھ سکو۔''

''مجھے بھیک نہیں چاہئے۔ تم جا سکتے ہو۔ میں بھی پٹھان ہوں خان یوسف۔''

''میں تمہیں یہاں کے خطرات سے آگاہ کئے بغیر نہیں جاؤں گا۔ دیکھو ادھر بائیں طرف ایک

گہری کھڈ ہے۔ اس کی گہرائی کا آج تک کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکا۔ نیچے بہتا ہوا پانی ہے۔ تم اس کی مدھم آواز سن رہے ہو گے۔ دریائے کراغال کی ایک شاخ یہاں زمین کے نیچے بہتی ہوئی نہ جانے کہاں جاتی ہے۔''

''تب تو پھر میں خود کو قیدی نہیں سمجھ سکتا۔ یہی میری راہ فرار ہو گی۔ خان یوسف......'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میں اسے خودکشی کہوں گا۔'' خان یوسف نے کہا۔

فریدی دیوار سے نصب شدہ تیغے سے اپنی رسیاں کاٹ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آزاد ہو گیا اور خان یوسف کی طرف مڑ کر مسکراتا ہوا بولا۔ ''اچھا دوست...... الوداع...... میرے لئے یہی کافی ہے کہ تم اس ظلم پر مغموم ہو۔''

''دیکھو...... جلد بازی اچھی چیز نہیں ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں خورد و نوش کا سامان ملتا رہے گا اور ہو سکتا ہے کہ میں خانم کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔''

''میں خانم جیسی احسان فراموش عورتوں کا احسان لینا پسند نہیں کروں گا۔ اب تم جاؤ میں تنہائی چاہتا ہوں۔''

''خدا کی قسم تم عجیب ہو۔ میں نے ایسا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔ تم کراغال کے خان سے بھی زیادہ پراسرار ہو۔''

اس دوران میں فریدی مشعل اٹھا کر اس کھڈ کا جائزہ لینے لگا۔ خان یوسف سلاخوں دار دروازے کی دوسری طرف کھڑا اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ کھڈ بہت گہری تھی۔ اس کی تہہ تک مشعل کی روشنی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ البتہ فریدی پانی بہنے کی آواز صاف سن رہا تھا۔ لیکن یہ آواز کافی گہرائی سے آرہی تھی۔ بہت ہی ہلکی آواز۔

''تم ایسا نہیں کرو گے لڑکے...... میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔''

''اچھا نہیں کروں گا...... اب تم خدا کے لئے جاؤ۔ میں تنہائی چاہتا ہوں۔''

خان یوسف چلا گیا۔ فریدی کی اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا کہ وہ ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا رہتا۔ ایک بار خان یوسف پھر آیا۔ وہ خورد و نوش کے لئے چیزیں لایا تھا۔

فریدی نے اس سے بات بھی نہ کی۔ آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا۔ ویسے خان یوسف تسکین آمیز

باتیں کئے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر واپس چلا گیا۔ فریدی رات کا منتظر تھا اور بار بار اپنی گھ
طرف دیکھنے لگتا تھا۔

دن گذر گیا۔ پھر رات آئی لیکن وہاں تو دن بھر مشعل جلتی رہی تھی۔ لہٰذا اگر گھڑی نہ ہو
دن کی تقسیم بھی مشکل ہو جاتی۔ بوڑھے خان یوسف نے حتی الامکان اس کے لئے آسانیاں بہم
تھیں۔ وہ مشعلوں میں جلنے والے تیل کی کافی مقدار وہاں چھوڑ گیا تھا۔ ویسے فریدی کو وہاں گھ
احساس تو ہوتا ہی رہا تھا مگر اب مشعل کے دھوئیں نے اسے قریب قریب ناقابل برداشت بنا دی
تھا۔ لیکن پھر بھی وہ مشعل نہیں بجھانا چاہتا تھا۔ معلوم نہیں کیوں؟

ٹھیک ڈیڑھ بجے رات کو خانم آئی۔ وہ سیاہ لباس میں تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا
شکاری تھیلا تھا۔ اُس نے قید خانہ کا دروازہ کھولا اور اندر آ گئی۔ اس کے چہرے پر اداسی کے گہ
بادل تھے۔

"کیا تم تیار ہو؟" اس نے مضمحل آواز میں پوچھا اور پھر بولی۔ "اس تھیلے میں کراغال کا لبا
ہے۔ دو ریوالور...... کارتوس کچھ کھانے کا سامان...... لیکن میں دوبارہ بھی تم سے ملنے کی متمنی رہوں
گی۔"

اُس کی آواز میں بڑا درد تھا۔ فریدی کھڑا ہو گیا۔ مشعل کی سرخ روشنی غار نما تہہ خانے میں
پھیلی ہوئی تھی اور اس ماحول میں خانم ہزاروں سال پہلے کی کوئی عورت معلوم ہو رہی تھی۔ دلکش اور
پراسرار...... فریدی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ صدیوں پہلے کی فضا میں سانس لے رہا ہو۔

"تم پھر آؤ گے کبھی۔" خانم کی غم ناک مگر مترنم آواز پھر اس کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ چونک
پڑا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"میں ضرور آؤں گا...... اب مجھ پر کراغال کی حفاظت بھی فرض ہو گئی ہے۔ میں اسے ان
لوگوں کا پاکٹ نہیں بننے دوں گا۔"

"چلو...... میں تمہارے لئے بہت مضطرب رہوں گی۔ کیا تم اپنے چہرے میں تبدیلی نہیں
کر سکتے۔"

"کر سکتا ہوں مگر یہاں سامان کہاں ملے گا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"سامان موجود ہے...... خان کو بھیس بدلنے میں کمال حاصل تھا۔ اسی لئے وہ قرب و جوار

میں ہونے والی سازشوں سے باخبر رہتے تھے۔"

فریدی کو یاد آ گیا کہ زمانہ حصول علم میں اس نے جس اطالوی ایکٹر سے میک اپ کی ٹریننگ
لی تھی اس سے خان عیسیٰ کے تعلقات بھی تھے۔ ہو سکتا ہے اس نے بھی یہ فن اُسی سے سیکھا ہو۔ وہ
دونوں قید خانے سے باہر آ گئے۔ خانم نے دروازہ بند کر کے قفل میں کنجی گھمائی اور چلنے کے لئے
مڑی۔ فریدی ہاتھ میں مشعل اٹھائے ہوئے تھا۔

"تم آج محل کے اس راز میں شریک ہونے جا رہے ہو۔" خانم نے کہا۔ "جس سے کوئی چوتھا
آدمی واقف نہیں تھا۔ میں تمہیں پوشیدہ سرنگوں سے باہر لے جاؤں گی۔ تم وہ تہہ خانہ دیکھو گے جسے
خان اپنی خاص قسم کی مہمات کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ان جگہوں سے میرے خان اور یوسف
کے علاوہ کوئی واقف نہیں۔"

"میں شکرگذار ہوں خانم......!"

"تمہاری شکرگذاری کا اظہار دراصل تمہاری واپسی ہو گی۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس
ہو رہا ہے جیسے تم میرے خاندان ہی کے ایک فرد ہو۔ خان مرحوم تمہارا تذکرہ بڑے پیار سے کرتے
تھے۔"

"میں آؤں گا خانم...... ضرورت پڑی تو خان عیسیٰ ہی کی شکل میں آؤں گا اور اس کی ضرورت
پڑے گی ایک دن۔ میں جانتا ہوں میں نے خان کی خواب گاہ میں ایک ٹرانسمیٹر دیکھا تھا جرمن
ساخت کا۔ اگر آپ اس کے استعمال سے واقف ہوں تو میں آپ سے برابر رابطہ قائم کر سکتا ہوں۔"

"میں واقف ہوں استعمال سے۔" خانم کی آواز میں مسرت انگیز کپکپاہٹ تھی۔ "اوہ......
مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ انتہائی مسرت۔ میں خود کو دشمنوں میں تنہا نہیں محسوس کروں گی۔"

"اسے اپنی خواب گاہ میں رکھوا لیجئے۔"

"میں ضرور رکھوں گی۔"

وہ ایک طویل سرنگ تھی جس میں وہ اس وقت چل رہے تھے۔ اچانک خانم ایک جگہ رک گئی۔
وہ ایک مقفل دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے جیب سے کنجی نکال کر قفل کھولا اور دروازے
کو دھکا دے کر کھولتی ہوئی اندر گھسی۔ فریدی نے مشعل کی روشنی میں دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑا اسلحہ
خانہ ہے۔ چاروں دیواروں پر مختلف قسم کی رائفلیں لٹکی نظر آ رہی تھیں۔ خانم نے ایک رائفل کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہی وہ رائفل ہے جس کا تذکرہ میں نے تم سے کیا تھا۔''
یہ لمبائی میں دو فٹ سے زیادہ لمبی نہیں تھی۔ فریدی نے اُسے اتار لیا۔ چند لمحے الٹ
اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''اس ساخت کی رائفل میرے لئے نئی ہے۔''

وہاں ایک طرف میک اپ کا سامان موجود تھا۔ فریدی نے سب سے پہلے جلدی جلد
کیونکہ اُسے شیو کرنے کا بھی موقع نہیں ملا تھا۔ ڈاڑھی کافی بڑھی ہوئی تھی۔ خانم مشعل اٹھائے
تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ ایک خالص کراغالی نظر آ رہا تھا۔ خانم کا لایا ہوا لباس
پہن چکا تھا۔

''بالکل کراغالی...... سو فیصدی۔'' خانم نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔

''کیا میں یہاں سے رائفل بھی لے سکتا ہوں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''بڑی خوشی سے۔'' خانم نے جواب دیا۔ ''تم خان کے دوست ہو۔ اس لئے ان کی چ
تمہارا حق ہے۔ اگر تم ان کی زندگی میں آئے ہوتے تو......'' خانم کی آواز گلوگیر ہوگئی۔

وہ پھر اس کمرے سے نکلے اور خانم دروازہ مقفل کرنے کے بعد ایک طرف چل پڑی۔

''ہمیں تقریباً ڈیڑھ میل چلنا پڑے گا۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''آپ تھک جائیں گی۔''

''کراغال کی کسی عورت سے کبھی یہ نہ کہنا۔'' خانم مسکرائی۔

''میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔'' فریدی بھی جواباً مسکرایا۔

کچھ دیر خاموشی سے چلتے رہے پھر خانم نے کہا۔ ''تمہارے بچے پریشان ہونگے اور بیوی بھی''

''بیوی تو پہلے بھی کبھی نہیں تھی البتہ بچے لاتعداد ہیں۔ ایک بوڑھا بچہ میں یہیں چھوڑے
ہوں۔ خان یوسف...... کل وہ بیچارہ مجھے سیہ خانے میں نہ پا کر بہت مغموم ہوگا۔ میں نے اس
تھا کہ میں اس کھڈ میں چھلانگ لگاؤں گا۔''

پھر خانم کے استفسار پر اُس نے پورا واقعہ دہرایا۔

''یہ بہت اچھا ہے۔'' خانم بولی۔ ''اگر اُسے اس پر یقین آ جائے۔ اس راز میں میں نے
بھی نہیں شریک کیا۔''

''ٹھیک ہے...... اچھا خانم...... آپ مجھے کس وقت مخاطب کیا کریں گی۔''

''جس وقت تم کہو۔ مگر میں تمہیں تمہارے نام سے نہیں مخاطب کرنا چاہتی۔ کوئی تیسرا بھی
ہماری گفتگو سن سکتا ہے۔''

''ہوں...... خیال درست ہے...... اچھا آپ مجھے کرنل ہارڈ سٹون کے نام سے مخاطب کر سکتی
ہیں۔''

دفعتاً فریدی کا دل بیٹھنے لگا۔ یہ نام حمید نے اسے دیا تھا۔ پتہ نہیں وہ کس حال میں ہو۔ خدا
جانے...... زندہ ہو یا...... فریدی اس سے آگے نہ سوچ سکا۔ حمید کی موت خود اس کی موت ہوتی۔
اسے اُس سے ایسی ہی محبت تھی۔

''تم خاموش کیوں ہوگئے۔ کیا میری کسی بات سے تکلیف پہنچی ہے۔'' خانم نے کہا۔

''نہیں کچھ نہیں۔ مجھے اپنا ساتھی یاد آ گیا تھا۔ پتہ نہیں اس کا کیا حشر ہوا ہو۔ ہاں مگر آپ مجھے
کراغالی ہی زبان میں مخاطب کریں گی' یہ بھی خطرناک ہے۔ اگر ضیغم کا تعلق ان لوگوں سے ہوا تو یہ
چیز آپ کے لئے مصیبت بھی بن سکتی ہے۔''

''میں کراغالی نہیں استعمال کروں گی۔ انگریزی بھی بول سکتی ہوں۔ خان نے مجھے بہت کچھ
سکھایا ہے۔''

''یہ بہت اچھا ہے...... میں آپ کو کس نام سے مخاطب کروں گا۔''

''ہارڈ اسٹون کی مناسبت سے کچھ ہونا چاہئے۔'' خانم مسکرائی۔

''روبی کیسا رہے گا۔''

''مناسب ہے۔''

مشعل کی روشنی کم ہوتی جا رہی تھی۔ خدشہ تھا کہ وہ تھوڑی ہی دیر بعد بجھ جائے گی۔ خانم نے
اسے محسوس کر لیا اور بولی۔ ''تھیلے میں ایک ٹارچ بھی موجود ہے۔ ویسے مجھے افسوس ہے کہ میں
تمہارے لئے سگار نہ مہیا کر سکی۔ مگر شاید تم عادی نہیں ہو، ورنہ تمہارے چہرے پر اس کا اثر ضرور پڑا
ہوتا۔ تمباکو نہ ملنے پر میں نے بہتیرے بے نور چہرے دیکھے ہیں۔''

''میں سو فیصدی عادی ہوں...... لیکن پابند نہیں۔ میں مہینوں تمباکو کے بغیر بھی رہ سکتا ہوں۔''

''پھر اس عادت کو ترک ہی کیوں نہیں کر دیتے۔''

''چاہوں تو ترک بھی کر سکتا ہوں۔''

"اچھا کرنل...... سرنگ کے دہانے پر تمہیں ایک گھوڑا ملے گا۔ وہ تمہیں شکار گاہ لے جائے گا۔ تم خود کو اُسی کی مرضی پر چھوڑ دینا۔ ان گھوڑوں میں سے ہے جنہیں خود خان ہی نے سدھایا ہے۔ یہ گھوڑا شکار گاہ کے لئے مخصوص ہے۔ لہٰذا تم اس پر اعتماد کر سکتے ہو۔ وہ شکار گاہ سے خود ہی واپس آ جائے گا۔ ویسے اگر تم اسے آگے بھی لے جانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

فریدی کی خواہش تھی کہ اب خانم خاموش ہی رہے تو بہتر ہے کیونکہ وہ اب اپنا لائحہ عمل مرتب کر رہا تھا۔ سرنگ طے کرنے میں آدھا گھنٹہ صرف ہوا لیکن فریدی یہ نہیں دیکھ سکا کہ دہانے پر رکی ہوئی چٹان کس طرح ہٹی تھی۔ چٹان کے ہٹتے ہی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا در آیا۔

"کیا یہ چٹان میکنزم پر تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں...... یہ میکنزم ہی ہے۔"

وہ دونوں سرنگ سے نکل آئے۔ یہ ایک ایسی جگہ تھی جس کے گرد اونچی چٹانیں تھیں۔ زمین مسطح تھی۔ وہیں قریب ہی ایک گھوڑا سفر کے لئے تیار موجود تھا۔

مشعل ابھی بجھی نہیں تھی وہ دونوں خاموش کھڑے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ خانم نے کہا۔ "تمہیں یہاں جتنی بھی تکلیف پہنچی ہو ان کے لئے معافی چاہتی ہوں۔"

"مجھے شرمندگی ہے خانم......" فریدی بولا۔ "میری وجہ سے آپ نہ جانے کتنی الجھنوں میں شکار رہی ہیں۔"

"الوداع......!" خانم ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "صبح ہونے سے پہلے ہی تمہیں شکار گاہ تک پہنچ جانا چاہئے۔ جہاں سے بھی گھوڑے کو چھوڑنا ہو اس کا ساز اتار کر پھینک دینا۔ اگر یہ زین سمیت واپس آیا تو ہو سکتا ہے کہ لوگ شبہات میں مبتلا ہو جائیں۔"

"بہتر ہے...... میں زین اتار کر دریا میں ڈال دوں گا۔"

خانم کچھ کہے بغیر مشعل سنبھالے ہوئے سرنگ کے دہانے میں چلی گئی۔ فریدی نے چٹان کھسکنے کی آواز سنی اس کے بعد پھر وہی پہلے کا سا سناٹا طاری ہو گیا۔

فریدی چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر راس ڈھیلی چھوڑ دی۔

تھوڑی دیر بعد گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ آسمان میں ابر ہونے کی وجہ سے چاندنی دھندلی تھی لیکن گھوڑا اپنے دیکھے بھالے راستے پر بے تکان دوڑ رہا تھا۔

ٹھیک ساڑھے چار بجے وہ شکار گاہ میں پہنچ گیا۔ یہ گھوڑا فریدی کے لئے کم حیرت انگیز نہیں تھا۔ وہ یکساں رفتار سے یہاں تک آیا تھا۔ فریدی اسے دریا کی طرف لیتا چلا آیا۔ پھر اس نے اس کی زین اتاری اور دریا میں ڈال دی۔ یہ فعل غیر دانشمندانہ ضرور تھا لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ راستہ نہ ملنے کی صورت میں دوبارہ محل کی طرف واپسی ناممکن تھی۔ اس لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ گھوڑے کو واپس ہی کر دیا جائے۔ حالانکہ وہ ایک کراغالی کے بھیس میں تھا لیکن زبان پر قدرت نہ ہونے کی بناء پر وہ یہاں خود کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ وہ دریا کے کنارے چلنے لگا۔ بادل چھٹ گئے تھے اور چاندنی بکھر گئی تھی۔

فریدی چلتا رہا...... اُسے کراغالیوں سے زیادہ اُن لوگوں کی فکر تھی جن کی بدولت یہاں تک پہنچا تھا۔ خانم کے بیان کے مطابق وہ کراغال کے پہاڑوں میں آزادانہ رہتے تھے۔ ایک آدھ بار خانم کے سپاہیوں سے ان کی جھڑپیں بھی ہو چکی تھیں۔ لہٰذا ایک کراغالی کی حیثیت سے بھی وہ خطرے میں تھا۔

وہ خیالات میں ڈوبا ہوا چل رہا تھا۔ اس لئے اندازہ نہیں کر سکا کہ منزل مقصود پر پہنچنے میں کتنی دیر لگی تھی۔

بہرحال اب وہ اس مقام پر تھا جہاں سے دریا ایک تنگ سے درے سے نکل کر وادی کراغال میں داخل ہوا تھا۔ فریدی نے درے میں ٹارچ کی روشنی ڈالی لیکن کہیں بھی قدم جمانے کی جگہ نظر نہ آئی۔ اب اُس نے گہرائی کا اندازہ کرنے کے لئے رائفل کو پانی میں ڈالا اور دوسرے لمحے میں اپنی توقعات پر مسرور ہونے کا موقع مل گیا۔ اُس جگہ بمشکل تمام گھٹنوں تک پانی رہا ہوگا۔ لیکن بہاؤ بہت تیز تھا۔ پھر بھی فریدی نے قدم رکھ ہی دیا۔ درہ اتنا تنگ تھا کہ دو آدمی بمشکل تمام برابر سے گذر سکتے تھے۔ فریدی نے داہنے ہاتھ سے رائفل اور بائیں ہاتھ سے ٹارچ پکڑ رکھی تھی اور بایاں شانہ چٹان سے لگائے وہ آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔

فریدی ہی جیسے جفاکش اور مشاق آدمی کا کام تھا اس کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو اب تک اس کے قدم اکھڑ گئے ہوتے۔ غنیمت یہی تھا کہ گہرائی ابھی تک یکساں ہی ملی تھی ورنہ دشواری بڑھ جاتی۔ مگر اب درہ تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی چوڑائی اتنی ہی رہ گئی تھی کہ ایک ہی آدمی گذر سکتا تھا۔ گہرائی بدستور وہی تھی۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ گہرائی شائد یہاں سے اُس غار تک یکساں ہی ہے ورنہ بیہوش

ہو کر گرنے کے بعد وادی کراغال تک پہنچتے پہنچتے اس کے پرخچے اڑ گئے ہوتے۔

مگر اچانک آگے راہ مسدود ہوگئی۔ وہ درہ ایک ٹھوس چٹان سے مل کر ختم ہو گیا تھا۔ لیکن تیز رفتار پانی اب بھی فریدی کے پیروں میں بہہ رہا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی نیچے ڈالی۔ پانی ایک بڑے سوراخ سے نکل رہا تھا لیکن اس سوراخ میں گھسنا کم از کم کسی ذی ہوش کے بس کی بات نہیں تھی۔ اگر بہاؤ دوسری طرف ہوتا تو شاید ایسا کیا بھی جاسکتا تھا۔ یوں سوراخ کافی کشادہ تھا لیکن چونکہ پانی کی سطح اس سے نیچی نہیں تھی اس لئے اس میں داخل ہونے کی کوشش کرنا پاگل پن ہی ہوتا۔ فریدی چٹان سے ٹک کر کھڑا ہو گیا وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اتنی محنت رائیگاں ہی جائے گی۔ کچھ دیر بعد اس نے ٹارچ کی روشنی اوپر ڈالی۔ تقریباً آٹھ یا دس فٹ کی بلندی پر اُسے ایک سوراخ اور نظر آیا۔ اس کا قطر کم از کم چار فٹ ضرور رہا ہوگا مگر وہاں تک پہنچنا بھی آسان کام نہیں تھا۔ ٹارچ کی روشنی دور تک رینگتی چلی گئی۔ پھر اُسے یاد آیا کہ جہاں سے وہ درے میں داخل ہوا تھا اگر وہیں سے اوپر چڑھے تو ممکن ہے کہ اس غار تک رسائی ہو جائے کیونکہ وہاں کی چٹانیں اس قابل تھیں۔

وہ پھر واپس ہوا اور جب درے سے باہر نکلا تو چاندنی مدہم ہو چکی تھی۔ ستارے بھی ایک ایک کر کے ڈوبتے جا رہے تھے اور فضا میں پانی بہنے کے شور کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ فریدی چٹانوں پر پیر جماتا ہوا اوپر چڑھنے لگا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ کیا خانم سچ مچ ہمدردی سے پیش آئی تھی۔ کیا اسے رام گڈھ تک پہنچنے کے دوسرے راستوں کا علم نہ ہوگا لیکن اس سلسلے میں اس نے راز داری ہی برتی تھی اور اس نے اسے یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ محل والی سرنگ کا دہانہ باہر سے کس طرح کھل سکے گا۔ اس کا رویہ فریدی کی سمجھ میں نہ آسکا۔

ویسے وہ اس وقت اس پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ چٹانوں پر قدم رکھتا ہوا اوپر چڑھتا رہا۔ زرد اور بے نور چاند مشرق کی طرف جھک گیا تھا اور آسمان میں اکا دکا ستارے جماہیاں لے رہے تھے۔

وہ غار کے دہانے تک پہنچ گیا۔ ٹھیک اُسی وقت اُسے آوازیں سنائی دیں۔ جیسے بہت سے آدمی کسی اونچی چھت والے کمرے میں چل رہے ہوں۔ قدموں کی گونجیلی آواز اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ پھر وہ دور ہوتی چلی گئیں۔ حتیٰ کہ پھر پہلے ہی جیسا سکوت طاری ہوگیا۔ آوازیں آ

نارے آئی تھیں۔ فریدی کو تقریباً آدھے گھنٹے تک وہیں کھڑے رہنا پڑا۔ اب ستارے بھی غائب ہوگئے تھے اور اچھی طرح اجالا پھیل گیا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی غار میں ڈالی وہ کسی ڈھلوان سڑک کی طرح ناہموار گہرائیوں میں اترتا چلا گیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس میں اُتر گیا۔ وہ جیسے جیسے نیچے اتر رہا تھا پانی بہنے کی آواز واضح ہوتی جا رہی تھی اور پھر تقریباً پندرہ منٹ بعد اس نے خود کو اُس جگہ پر پایا جہاں اس کے بائیں بازو پر گولی لگی تھی۔

نالا ویسے ہی زور و شور کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ درمیان میں ایک ابھری ہوئی چٹان تھی جس پر وہ ایک ہی جست میں پہنچ سکتا تھا اور دوسری جست اسے دوسرے کنارے پر لے جاتی جہاں سے آگے بڑھ کر رام گڈھ کی پہاڑیوں تک پہنچنے کا راستہ بخوبی یاد تھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 58

تیسرا شعلہ

(تیسرا حصہ)

مل گئے

ٹارچ کی روشنی ادھر اُدھر اندھیرے میں رینگتی رہی۔ پھر فریدی ایک ہی چھلانگ میں نالے کے درمیان ابھری ہوئی چٹان پر پہنچ گیا۔

اور واپسی کا سفر جاری رہا۔ اس چڑھائی تک پہنچنے کے بعد جو بیرونی دراڑ تک جاتی تھی وہ رک گیا۔ لیکن یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ اس طرح اپنی تھکن مٹا رہا ہے۔ یا رکنے کا مقصد کچھ اور تھا۔

اس نے اپنی پشت پر لگا ہوا تھیلا اتار کر نیچے رکھ دیا۔ پھر اس میں سے اپنے کپڑے نکالے۔ اس کے جسم پر ابھی تک کراغالیوں ہی کا لباس تھا۔ اس نے اسے اتار کر اپنے کپڑے پہن لئے لیکن میک اپ بدستور قائم رکھا۔

اب وہ ٹارچ روشن کئے بغیر مسطح چٹان پر چل رہا تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی دوبارہ وہ اس چٹان پر چل چکا تھا۔ اس لئے کم از کم اس کے لئے اندازے کی غلطی کا امکان نہیں تھا۔

پھر وہ اس پتلی سی دراڑ میں داخل ہوا، جو حقیقتاً اس حیرت انگیز سفر کا باعث بنی تھی۔ یہیں اس نے حمید کو کھویا تھا۔ یہاں پہنچتے ہی ایک بار پھر حمید بڑی شدت سے یاد آیا۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ اسے دوبارہ زندہ دیکھنے کی توقع نہیں تھی۔ ان لوگوں نے اسے زندہ نہ چھوڑا ہوگا۔

دراڑ سے نکلتے ہی صبح کی خوشگوار ہوا کے لطیف جھونکوں نے اس کا استقبال کیا۔ حالانکہ سردی شدید تھی لیکن پھر بھی وہ اسے موسم بہار ہی کی ہوا کے جھونکے محسوس ہو رہے تھے۔ مشرقی افق میں سرخی پھیل گئی تھی اور دور تک بکھری ہوئی چٹانیں ملگجے اجالے میں انگڑائیاں سی لیتی معلوم ہو رہی

تھیں۔

فریدی جنوب کی طرف بڑھتا رہا۔ نیند کے بادل اس کی آنکھوں سے گزر رہے تھے
چلتے رک گیا۔ اس کی پشت سے لگے ہوئے تھیلے میں ایک تھرموس بھی تھا اس میں شاید کافی
نے تو صرف اتنا ہی کہا تھا کہ تھیلے میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں ہیں لیکن ابھی تک اسے اس
ہی نہیں آیا تھا۔ تھرموس میں یقیناً کافی ہوگی۔ وہ سوچنے لگا اگر وہ کافی ہی ہوئی تو وہ پیدل ہی
بے تکان رام گڈھ تک پہنچ سکے گا۔ وہ اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ ابھی اور اسی وقت ان پراسرار
کی کمین گاہ تلاش کرنے لگتا۔ وہ ایک ایسی جگہ رکا تھا جس کے گرد چھوٹی چھوٹی چٹانیں
ہوئے تھیں۔ اس نے پشت سے تھیلا اتارا۔ تھرموس دیکھ کر ہی اس کے چہرے پر تازگی لہرا گئی
تھی۔

کافی اور باسی پارچوں کے سینڈوچ کھا کر اس نے سگار سلگایا اور ایک چٹان سے ٹک کر
ہلکے کش لینے لگا۔

افق میں پھیلی ہوئی سرخیوں سے سورج ابھر رہا تھا۔ پہلی کرن فریدی کو اپنی روح کی گہرا
میں اترتی محسوس ہوئی ایک عجیب قسم کی لذت آمیز سی لہر اس کے جسم میں دوڑتی پھر رہی تھی
سے بھیگی ہوئی ٹھنڈی چٹان پر اس نے اپنا داہنا گال رکھ دیا۔ اب خنکی تکلیف دہ نہیں رہ گئی تھی
اونگھنے لگا لیکن یہ کیفیت اضمحلال کا نتیجہ نہیں تھی۔ بلکہ کئی دن بعد اسے سگار نصیب ہوا تھا۔
صورت میں پتھر کا آدمی بھی اونگھنے لگتا۔ لیکن اس کا ذہن اب بھی اس کے قابو میں تھا۔ صرف
کہ تھکن دور کرنے کے لئے اس نے اسے آزاد چھوڑ دیا تھا۔

دفعتاً اس نے کسی کے دوڑنے کی آواز سنی اور کسی اونگھتے ہوئے درندے کی طرح چونک
چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے قریب ہی کہیں بڑے بڑے پتھر لڑھک رہے ہوں۔

اس نے چٹانوں کی اوٹ سے سر نکال کر آواز کی طرف دیکھا۔ نشیب میں ایک آدمی
جا رہا تھا اور اس کے پیچھے بڑے بڑے پتھر لڑھک رہے تھے۔

پھر ایک اور آدمی چیختا چنگھاڑتا ہوا ایک طرف سے نمودار ہوا۔ حیرت سے فریدی کے ہ
کھل گئے۔ یہ قاسم تھا اور نشیب میں بڑے بڑے پتھر لڑھکا رہا تھا۔

نشیب میں دوڑنے والے نے بھی اب ایک چٹان کی اوٹ لے کر اوپر کی طرف پتھراؤ

شروع کر دیا تھا۔

"میں تمہیں مار ڈالوں گا سالے۔" قاسم حلق پھاڑ کر دھاڑا اور لفظ "سالے" کو اس وقت تک
کھینچتا رہا جب تک کہ آواز حلق میں گھٹ کر نہیں رہ گئی۔

"میں تمہیں پتھر مار مار کر پھٹا ہوا تربوز بنا دوں گا۔" نیچے سے آواز آئی اور چھوٹے چھوٹے
پتھر بھی برابر آتے رہے۔

یک بیک فریدی کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے حمید کی
آواز صاف پہچان لی تھی۔

"اس نے جلدی جلدی سارا سامان سمیٹ کر تھیلے میں ٹھونسا اور نیچے اترنے لگا۔

دفعتاً قاسم کی نظر اس پر پڑی اور وہ جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ وہ فریدی کو پہچان نہیں سکا تھا۔ پتھر
دھکیلتے دھکیلتے رک کر سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے عجیب انداز میں پلکیں جھپکائیں اور فریدی
نے کہا۔ "میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"قیوں......!" قاسم نے بھاڑ سا منہ پھاڑ دیا۔

"تم سرکاری پتھر برباد کر رہے ہو۔ میں ان کا محافظ ہوں۔"

"سرکار کی تو اب چٹنی بنے گی...... بہت جلد۔" قاسم اسے گھونسہ دکھا کر بولا۔

"تم باغی معلوم ہوتے ہو۔"

"ہاں میں باغی ہوں...... جاؤ اپنا راستہ ناپو ورنہ...... دیکھ لوں گا تمہیں بھی۔"

فریدی نے کاندھے سے رائفل اتاری۔ میگزین درست کی اور قاسم کے سر کا نشانہ لے کر کھڑا
ہو گیا۔ وہ بھی شاید مذاق ہی کے موڈ میں تھا۔

"ارے...... ارے......!" قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں فائر ہوا اور قاسم کی فلٹ ہیٹ اڑ گئی۔

"ارے باپ رے۔" قاسم کی بے ساختہ قسم کی چیخ چٹانوں سے ٹکرا کر دور تک پھیلتی چلی گئی۔
وہ چاروں شانے چت گرا تھا اور اس طرح اپنا سر ٹٹول رہا تھا جیسے وہ سچ مچ اس کے جسم سے الگ
ہو گیا ہو۔

"خبردار......!" فریدی ہنسی ضبط کرتا ہوا بولا۔ "چپ چاپ پڑے رہنا ورنہ سچ مچ دوسری دنیا

کے سفر پر روانہ کر دیئے جاؤ گے۔"

قاسم بے حس و حرکت پڑا رہا۔ دفعتاً ایک پتھر کا ٹکڑا رائفل کے کندے سے ٹکرایا غالباً نشانہ
کے ہاتھ کا لیا گیا تھا۔ مگر اندازے کی غلطی نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔

فریدی نے نشیب میں چھلانگ لگائی اور حمید ایک پتھر کی اوٹ سے اچھل کر بھاگا۔

"ٹھہرو......!" فریدی نے اسے للکارا۔ "ورنہ گولی ماردوں گا۔"

حمید رک گیا اور اس کی طرف مڑ کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"تم لوگ سرکاری پتھر برباد کر رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"تم کون ہو......؟" حمید نے پوچھا۔

"سرحد کا نگہبان۔"

"تو پیارے سرحد کے نگہبان تم نے ایک سرکاری آدمی کو خواہ مخواہ مار ڈالا۔ تمہیں اس کے
جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"اوپر چلو...... تم دونوں کی لاشیں ایک ہی جگہ سے اٹھوانے میں زیادہ آسانی ہوگی۔"

"میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔"

"یہ ثابت کرنے کے لئے تمہیں میدان حشر میں کافی وقت ملے گا...... اوپر چلو۔"

حمید ہاتھ اٹھائے ہوئے چپ چاپ چلنے لگا۔ قاسم تک پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔ وہ اب بھی ا
سطح چٹان پر چت پڑا کسی خوف زدہ پرندے کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا۔

"قاسم...... تم زندہ ہو۔" حمید نے اُسے آواز دی۔

"غاں......!" قاسم اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکا۔

"تم بھی کھڑے ہو جاؤ۔" فریدی نے قاسم سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

قاسم اٹھنے کے لئے ہاتھ پیر مارنے لگا۔ لیکن اٹھ نہ سکا۔

"تم اس کی مدد کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید اسے اٹھانے کے لئے جھکا اور بڑی دقت سے کامیاب ہو سکا۔ اب وہ دونوں اپنے ہاتھ
اوپر اٹھائے کھڑے تھے۔

"تم دونوں کیوں لڑ رہے تھے۔" فریدی نے سوال کیا۔

"مم...... مذاخ...... کار رہے تھے۔" قاسم ہکلایا۔

"تم بتاؤ۔"

"بکواس مت کرو۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر تم نے ہمیں کوئی گزند پہنچایا تو تمہیں
اس کے لئے بھگتنا پڑے گا۔"

"کچھ نہیں...... میرے صرف دو کارتوس خرچ ہوں گے اور اگر تم دونوں ایک دوسرے سے
لپٹ کر کھڑے ہو جاؤ تو ایک ہی سے کام چل جائے گا۔ چلو شاباش۔"

"شش...... شاباش......!" قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

حمید نے یک بیک قاسم کے پیچھے جا کر اس کی کمر پکڑ لی اور اسے فریدی کی طرف دھکیلنے لگا۔
اس طرح کہ خود اس کے پیچھے مکمل طور پر چھپ گیا تھا۔

"اس سے کیا فائدہ......!" فریدی مسکرایا "میں ایک شرط پر تم دونوں کو معاف کر سکتا ہوں۔"

"جالدی بتاؤ شرط۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم دونوں آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا نہ کرنے کا وعدہ کرو۔"

"قیوں......!"

"قیوں......؟" فریدی مسکرایا۔ "وعدہ کرو...... ورنہ......!"

اس نے پھر رائفل سیدھی کر لی اور قاسم بوکھلا کر چیخا۔ "وعدہ...... وعدہ۔"

فریدی نے رائفل نیچے جھکا دی۔ حمید جو اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا اب بھی نہ پہچان

"تم لوگ کہاں جا رہے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"رام گڈھ......!" قاسم نے جواب دیا۔

"چلو میں بھی وہیں جا رہا تھا۔"

"پیدل......!" قاسم نے برجستہ سوال کیا۔

"ہاں پیدل...... کیوں۔ یہاں سے ہمیں صرف بیس میل تک پیدل چلنا پڑے گا۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم سر پکڑ کر بیٹھ گیا لیکن زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکا کیونکہ توندیں
تک اکڑوں بیٹھنے سے وبال جان ہو جاتی ہیں۔ قاسم کے ڈیل ڈول کی مناسبت سے ا

تو نہیں کہا جاسکتا تھا لیکن اگر کسی ہاتھی کے لئے اکڑوں بیٹھنا ممکن ہوتا تو قاسم کو ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہوتی۔ بہر حال وہ پھر کھڑا ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ نشیب میں اتر رہے تھے۔

"تم لوگ یہاں کیا کر رہے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"سلاجیت ڈھونڈھنے نکلے تھے۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ہم لوگ سلاج آڑھت کرتے ہیں۔ تم نے اس دیو سے میرا پیچھا چھڑا کر مجھے ہمیشہ کے لئے ایک شیشی میں ہے۔ لہٰذا میں تمہیں ازراہِ تشکر اصلی سلاجیت استعمال کرنے کا مشورہ دوں گا اگر دوسری جگہ نہ میری دوکان کا پتہ یاد رکھنا۔ شم پشتم میڈیکل ہال ...... فائدہ نہ ہونے کی صورت میں ایمان سے لکھ دینے پر آدھی قیمت واپس۔ میں کوراج وَیدراج فلاں فلاں کا شاگرد رشید ہوں۔"

"اماں کیا بے پر کی اڑا رہے ہو۔" قاسم منہ بنا کر ہنسا۔

فریدی خاموشی سے چلتا رہا۔ وہ ان پہاڑیوں سے نکل جانے سے پہلے اپنا میک اپ بگاڑنا چاہتا تھا۔

فریدی کے رویئے کی بناء پر حمید کو یقین آ گیا تھا کہ یہ انہیں لوگوں میں سے ہے جنہو پچھلی رات اسے اور قاسم کو بے ہوش کر کے زمین دوز دنیا سے باہر نکال دیا تھا۔ قاسم سے پہ اسے ہوش آ گیا تھا اور حمید اب سوچ رہا تھا کہ اگر قاسم کو اس سے پہلے ہوش آیا ہوتا تو شاید خود ہوش میں آنے کا موقع کبھی نہ نصیب ہو سکتا کیونکہ قاسم آنکھیں کھولتے ہی اس پر جھپٹ پڑا تھا۔ کا خیال تھا کہ شائد حمید ہی اسے اس زمین دوز جنت سے نکال لایا ہے۔ حالانکہ وہ پہلے ہی واضح کر چکا تھا کہ وہ وہاں سے نہیں نکلنا چاہتا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس کا چھ لاکھ کا بینک بل صاف ہو گیا تھا جس کی صفائی اس کے باپ کو یقینی طور پر گراں گذرتی اور وہ اس کے عوض اس گوشت پر سے کھال صاف کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ اب بھی بلا تکلف ہنٹر لے کر قاسم پر پل پڑ اور ایسے مواقع کے متعلق قاسم کا خیال تھا کہ اسے سو تک کی گنتی بھی نہیں یاد آتی۔

وہاں سے نکلنے پر آمادگی ظاہر نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ وہاں کئی تگڑی تگڑی لڑکیاں سے خاصی بے تکلف ہو گئی تھیں۔

حمید نے چلتے چلتے ایک بار پھر اپنے اجنبی ساتھی پر قہر آلود نظر ڈالی اور خون کے گھونٹ پی کر

گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب یہ آدمی ہمیشہ اس کے سر پر مسلط رہے گا۔ یہ بات قرین قیاس بھی تھی کیونکہ وہ لوگ جو اس پر ایک نئے قسم کا تجربہ کر چکے تھے نتائج سے آگاہ ہوتے رہنے کے لئے کسی نہ کسی کو اس کے پیچھے ضرور لگائیں گے۔

وہ تجربہ بڑا عجیب وغریب تھا لیکن ڈاکٹر زبیری نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ حقیقتاً وہ سب کچھ ایک ڈھونگ ہی ہوگا کیونکہ وہ تجربہ ڈاکٹر زبیری ہی کو کرنا تھا۔ وہ تجربہ عجیب وغریب اس لئے تھا کہ ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی حمید کو اس کی تفصیل یاد نہ آئی۔ اس کے ذہن میں اس سے متعلق اس قسم کی کوئی خلش بھی نہیں پائی جاتی تھی، جو اکثر کسی بھولے ہوئے خواب کو یاد کرتے وقت پیدا ہو جاتی ہے۔

بہر حال اس کے فرشتوں کو بھی اس تجربے کی نوعیت کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ ویسے ڈاکٹر زبیری کے بتائے ہوئے پروگرام کے مطابق خود کو نیلے آسمان کے نیچے پا کر اس نے سوچا تھا کہ وہ اس تجربے کے بعد ہی وہاں سے نکالا گیا ہوگا۔ ڈاکٹر زبیری نے اسے تاکید کر دی تھی کہ وہ خواہ کچھ بھی کرے اسے بعض اوقات اس قسم کی حرکتیں بھی کرنی پڑیں گی جو اس کے بدلے ہوئے نظریات کی ترجمانی کر سکیں۔ اس کی اسی بات سے حمید نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ لوگ بہت قریب سے اس کی نگرانی کریں گے۔

حمید چپ چاپ چلتا رہا۔ وہ آئندہ کے لئے اپنا پروگرام مرتب کر رہا تھا۔ اکثر اسے اپنی بے بسی پر ہنسی بھی آنے لگتی۔ لیکن بے بسی پر ہنسی آنے سے حالات نہیں بدلا کرتے۔ اسے ہر حال میں جم کر مقابلہ کرنا تھا۔ دفعتاً اُسے فریدی یاد آ گیا۔ پتہ نہیں وہ کہاں اور کس حال میں ہوگا اگر حمید کا بس چلتا تو وہ اس کے لئے زمین و آسمان ایک کر دیتا۔ بعض اوقات اس کے ذہن میں بُرے خیالات بھی چکرانے لگتے اور وہ یہ سوچ کر لرز جاتا کہ کہیں فریدی ان کی گولیوں ہی کا شکار نہ ہو گیا ہو۔

مگر اب...... بظاہر اسے فریدی کا دشمن بننا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ملاقات ہونے پر وہ اسے اس سے آگاہ کرے یا نہ کرے۔

"ہا...... ہہ ہہ۔" دفعتاً قاسم نے چلتے چلتے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ وہ چل نہیں بلکہ لڑھک رہا تھا۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا جیسے اب گر ہی پڑے گا۔ ایسے موقع پر اس کے حلق سے بیک وقت کئی طرح کی آوازیں نکلتیں۔

تھوڑی دیر بعد خاموشی حمید کو کھلنے لگی۔ بہت دنوں بعد اسے کھلی فضا ملی تھی اور پھر قاسم کا
تھا۔ ایسی صورت میں واپسی کے سفر کا سوگوار انداز گراں گزرنے لگا۔

"وہ...... ظلنی بالا...... مجھے بے حد یاد کرتی ہوگی۔" اس نے قاسم سے کہا۔

"تمہاری ایسی کی تیسی۔" قاسم جھلائے ہوئے انداز میں رک گیا اور پھر دہاڑا۔ "میں تمہیں
بھوسہ بنادوں گا۔"

"ہائیں...... ہائیں...... پھر شروع کر دیا تم لوگوں نے۔" فریدی دونوں کو گھورنے لگا۔

"یہ کیوں اپنی ظلنی خالہ کا نام لے رہا ہے۔" قاسم پھر دہاڑا۔

"خالہ تو وہ تمہاری ہے بھانجے۔ پچھلی رات وہ میرے کمرے میں رہی تھی۔" حمید نے آہستہ
سے کہا۔

"تمہارے باپ کے بھی کمرے میں نہیں رہ سکتی۔" قاسم نے حمید پر دوہتڑ چلایا اور حمید اچھل
کر پیچھے ہٹ گیا۔ نتیجہ قاسم کو اوندھے منہ زمین پر چلا آنا پڑا

اور پھر وہ فریدی کی طرف دیکھ کر بلبلایا۔ "مارو...... گولی...... سالے کو...... اسی نے چھیڑا تھا۔"

"میں سچ مچ گولی ماردوں گا۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"میں تم سے کمزور نہیں ہوں دوست۔" حمید نے اکڑ کر جواب دیا۔ "مجھے کسی چٹان کی آڑ
لینے دو۔ پھر تمہاری گولیاں اور میرے پتھر۔"

"نہیں...... تم اسے پکڑ کر میرے حوالے کردو۔" قاسم نے فریدی سے ملتجیانہ انداز میں کہا
"میں اس کی طرح اچھل کود نہیں کرسکتا ورنہ خود ہی پکڑ لیتا۔"

فریدی کو ہنسی آ گئی اور قاسم جھلاہٹ میں اسے منہ چڑھانے لگا۔

"یہ ظلنی بالا کون ہے۔" اس نے پوچھا۔

"میری محبوبہ......!" حمید جلدی سے بول پڑا۔

"تیرے باپ کی محبوبہ ہے۔" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا اور اسے کھانسی آنے لگی۔ ظلنی بالا ایک
موٹی عورت تھی جس کیلئے ایک بار زمین دوز دنیا میں بھی ان دونوں نے خاصی ہڑبونگ مچائی تھی۔

"میرے باپ کی نہیں...... میری محبوبہ ہے۔" حمید نے پھر کہا۔

اور قاسم دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹنے لگا۔ بال نوچنے لگا۔ فریدی ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گیا

تھا۔ قاسم اور حمید ایک دوسرے سے الجھتے رہے۔ قاسم شاید بہت تھک گیا تھا۔
اس لئے اس کی صرف زبان ہی چل رہی تھی۔ یک بیک وہ خاموش ہوکر اپنا منہ چلانے لگا۔
کیونکہ اس نے فریدی کو سینڈوچ کھاتے دیکھ لیا تھا۔

حمید کو اس کی اس حرکت پر ہنسی آ گئی اور وہ جھینپے ہوئے انداز میں اسے پھر برا بھلا کہنے
لگا...... اور فریدی مسکرا کر بولا۔

"تمہارے لئے کم از کم دس سیر سینڈوچوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ اتنے میرے پاس نہیں
ہیں۔"

"نہیں تم کھاؤ۔" قاسم ایک طرف منہ پھیر کر تھوک کر پچکاری مارتا ہوا بولا۔

"اور تم......!" فریدی نے حمید کی طرف دیکھا۔

"میں ہفتے میں ایک بار کھالیتا ہوں۔"

"نہیں...... تم دو سینڈوچ لو گے ورنہ میں تمہیں گولی ماردوں گا۔"

"تم اسے صرف ایک سینڈوچ دے کر چار بار گولی مار سکتے ہو۔" حمید نے قاسم کی طرف
اشارہ کر کے کہا۔ "اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

قاسم نے اس بار جھلا کر ایک بہت بڑا پتھر حمید پر کھینچ مارا اور وہ بال بال بچا۔

فریدی بڑی مشکل سے اس ہڑبونگ پر قابو پا سکا۔ اس کے لئے اسے سارے سینڈوچ بچی کھچی
کافی قاسم کے حوالے کرنی پڑی۔ بہرحال اس سے اتنا ہوا کہ قاسم کا چڑچڑا پن کسی حد تک دور ہو گیا
اور وہ پھر چل پڑے۔ رام گڈھ والی سڑک پر پہنچ کر وہ پھر ستانے کے لئے رکے۔ دراصل قاسم
پیدل چلنے کے معاملے میں صفر تھا۔ صفر نہیں بلکہ پہاڑ کہنا چاہئے۔

کچھ دیر ستانے کے بعد وہ پھر چلے اور شائد اب تقدیر اُن پر مہربان ہو گئی تھی کیونکہ تھوڑی ہی
دور چلنے پر انہیں ایک ایسا ٹرک دکھائی دیا جس میں کوئی نقص پیدا ہو گیا تھا اور ڈرائیور انجن پر جھکا ہوا
اُسے ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

فریدی اس سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے رکا...... اور ڈرائیور کی ایماء پر وہ بھی اس کا ہاتھ
بٹانے پر تیار ہو گیا۔ انجن کے درست ہونے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوئے۔ ٹرک
ڈرائیور رام گڈھ ہی جا رہا تھا۔ ڈرائیور نے بڑی خندہ پیشانی سے انہیں رام گڈھ تک کے سفر کی

اجازت دے دی۔

فریدی حمید کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے بے چین تھا لیکن نہ جانے کیوں اس نے خود کو ظاہر نہیں کیا اور اب وہ اس طرح خاموش تھا جیسے اُن دونوں سے واقف ہی نہ ہو۔ البتہ حمید اسے رہ رہ کر گھورنے لگتا تھا۔ مگر اسی خیال کے تحت کہ وہ انہیں مجرموں میں سے ہوسکتا ہے جنہوں نے اُسے زمین دوز دنیا کی سیر کرائی تھی۔

دفعتاً فریدی نے حمید سے کہا۔ ''میں تم لوگوں کی طرف سے مطمئن ہوں، لیکن ضابطے کی خاطر پری تو کرنی ہی پڑے گی۔''

''یعنی......!''

''میں تمہیں اپنے ساتھ کوتوالی لے جاؤں گا اور تمہیں وہاں اپنا بیان درج کرانا پڑے گا کہ تم وہاں کیا کررہے تھے۔ مگر اس موٹے کو وہاں نہ لے جانا ورنہ وہ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے گا جو پولیس کی نظر میں یقیناً مشتبہ ہوگی۔ کیا یہ پاگل ہے؟''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کی جرأت پر صرف عش عش کرتا رہا۔ ویسے اس نے اس کے مشورے سے اختلاف نہیں کیا۔ شہر پہنچ کر اس نے قاسم کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ روحی کے گھر چلا جائے جہاں نوشابہ اس کے عشق میں ہتھنی ہوگئی ہوگی۔ قاسم کے لئے اس سے بہتر اور کیا مشورہ ہوتا وہ بے چوں و چرا راضی ہوگیا۔

فریدی حمید کو ایک ریستوران میں لایا۔

''کیا یہ کوتوالی ہے۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں فرزند......!'' فریدی نے اپنے اصل لہجے میں کہا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا سر گردن سے علیحدہ ہوکر فضا میں ناچنے لگا ہو۔

''آپ......!'' اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ہاں......میں۔''

''یقین نہیں آتا۔''

''یہی حال میرا بھی ہے۔''

پھر ذرا ہی سی دیر میں حمید نے کسی حیرت زدہ بچے کی طرح زمین دوز دنیا کی ''الف لیلیٰ'' چھیڑ دی لیکن اسے یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ فریدی کے چہرے پر استعجاب کے آثار نہیں ہیں۔ پوری کہانی سن لینے کے بعد اس نے اتنا ہی کہا کہ اسے ان واقعات میں اُسی تنظیم کی جھلک پہلے بھی نظر آئی تھی۔ اپنے متعلق حمید کو اس سے زیادہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کسی نہ کسی صورت سے بچ نکلا تھا۔ وادی کرانال کے تجربات کا تذکرہ نہیں کیا۔

''مگر جناب......!'' حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''مجھے توقع نہیں ہے کہ اس بار ہمیں کامیابی ہو۔''

''مایوسی میرے مذہب میں حرام ہے۔''

''خیر چھوڑیئے......اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''تمہیں......!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''انہیں مایوس نہ کرنا چاہئے۔ وقتاً فوقتاً ان کی توقعات پوری کرتے رہنا۔''

''یعنی......!''

''فریدی پر ناکام حملے۔''

''گویا آپ ان کے مقابلے میں شکست کا اعلان کررہے ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ آپ اس تجویز پر مجھے گولی ماردیں گے۔''

''نہیں......تم اسی طرح میرے کام آؤ گے جس طرح وہ لوگ چاہتے ہیں......اچھا دیکھو اب یہاں فی الحال تین آدمی ہماری لسٹ پر ہیں۔ سردار شکوہ......ڈاکٹر سلمان اور دلکشا کا منیجر۔ سردار شکوہ اور منیجر تو مجھے معمولی قسم کے ایجنٹ معلوم ہوتے ہیں لیکن ڈاکٹر سلمان۔''

''اب تو مجھے روحی پر بھی شبہ ہورہا ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

فریدی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ ریستوران کے باہر دیکھ رہا تھا جہاں فٹ پاتھ پر ایک ادھیڑ عمر کا آدمی کھڑا اپنی انگلیوں کی پوروں پر کسی چیز کا شمار کررہا تھا۔

مرمت

فریدی اُسے دیکھتا رہا۔ دفعتاً حمید کی نظر بھی اُس طرف اٹھ گئی اور وہ ادھیڑ عمر آدمی نہ جانے کیوں اسے جانا پہچانا سا معلوم ہونے لگا۔ اس کے ذہن میں کچھ اسی قسم کی خلش پیدا ہوگئی جیسے بھولا ہوا خواب یاد آتے آتے رہ جائے...... اس کی آنکھیں...... وہ جانی پہچانی سی تھیں۔

"میں اب ریالٹو میں قیام کروں گا۔" فریدی حمید کی طرف مڑا اور اُسے بھی اسی نشست والے آدمی کی طرف دیکھتا پا کر مسکرایا۔

"کیوں...... تم اسے گھور رہے ہو جب کہ اس کی توجہ ہماری طرف نہیں ہے۔"

"اوہ......!" حمید چونک پڑا پھر آہستہ سے بولا۔ "اسکی آنکھیں کچھ جانی پہچانی سی ہیں۔"

"ہیں نا...... مگر مجھے حیرت ہے کہ تم صرف آنکھوں ہی تک محدود رہے اس کے ہاتھوں پر غور کرو...... داہنے ہاتھ کا انگوٹھا۔"

"اوہو...... کیا انور...... یہ یہاں کیا کررہا ہے۔" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔ "کیا آپ نے اسے بھی بلالیا ہے۔"

"نہیں...... مجھے اس کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ خیر اچھا تو اب میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ تم روحی کے پاس جاؤ اور وہیں قیام کرو۔"

"تو کیا آپ بھی اُس پر شبہ کررہے ہیں۔"

"نہیں ابھی اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔"

"لیکن اسے ذہن میں ضرور رکھئے گا کہ موجودہ طاقت کوئی عورت ہے۔"

"عورت بجائے خود ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ اتنی بڑی کہ مرد پیدا کرتی ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"اچھی بات ہے...... میں جارہا ہوں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"جاؤ...... میں تمہیں فون کروں گا اور اپنا فون نمبر بھی بتاؤں گا۔"

حمید جیسے ہی باہر نکلا ادھیڑ عمر آدمی اس کے پیچھے لگ گیا۔ فریدی نے بیرے کو طلب کر کے

بل چکائے اور وہ بھی ریستوران سے اٹھ کر اسی سمت چل پڑا جدھر وہ دونوں گئے تھے۔ حمید ٹیکسیوں کے اڈے پر پہنچ کر شاید روحی کی کوٹھی تک پہنچنے کا انتظام کرنے لگا تھا۔ فریدی نے تعاقب کرنے والے کو بھی ایک ٹیکسی میں بیٹھتے دیکھا اور اس نے رفتار تیز کردی۔ ٹیکسی اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی فریدی ادھیڑ آدمی کے برابر پچھلی نشست پر تھا۔

ڈرائیور نے مڑ کر دیکھا۔

"کھل بالا......!" فریدی نے برجستہ کہا اور ادھیڑ آدمی اسے گھورنے لگا۔ حمید کی ٹیکسی سڑک پر نکل کر آگے بڑھ گئی تھی۔

"کیا مطلب......!" ادھیڑ آدمی جھلا گیا۔

"نہیں برخوردار......!" فریدی مسکرایا۔ "حمید کا تعاقب کرنے سے کیا فائدہ۔ خدا کی زمین بہت وسیع ہے...... اور ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں۔"

"اوہ...... تو یہ آپ ہیں۔" انور کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نہ ہوتا تو تمہیں پہچانتا کون۔" فریدی نے کہا اور ڈرائیور کو پھر کھل بالا چلنے کی ہدایت کی۔

اس بار انور نے بھی اس کا ساتھ دیا اور کار سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔

"مگر...... تم......!" فریدی نے انور سے کہا۔ "یہاں کیوں نظر آرہے ہو۔"

"اپنے ایک موکل کے لئے۔" انور نے جواب دیا۔

"لیکن حمید کا اُس سے کیا تعلق......!"

"میرے موکل کا یہی خیال ہے کہ اُسکے معاملات کا تعلق حمید ہی کی ذات سے ہوسکتا ہے۔"

"قاسم کا معاملہ تو نہیں۔"

"آپ ٹھیک سمجھے۔ میں اس کی بیوی کے لئے کام کررہا ہوں۔ وہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ یک بیک قاسم کا بنک بیلنس کیسے صاف ہوگیا۔ چھ لاکھ کی رقم معمولی نہیں ہوتی۔"

"اس سلسلے میں تم نے کیا معلوم کیا۔"

"یہی کہ وہ دونوں فلم اسٹار روحی کے یہاں مقیم تھے۔" انور نے جواب دیا۔

"اور قاسم نے ساری رقم روحی پر خرچ کردی۔" فریدی مسکرایا۔

"میں اتنی جلدی نتائج اخذ کرنے کا عادی نہیں ہوں اور پھر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کچھ

نامعلوم آدمی قاسم کو زبردستی پکڑ لے گئے تھے۔"

"میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ اس چکر میں نہ پڑو۔" فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اگر تم نے معلوم بھی کرلیا کہ اس نے چھ لاکھ کہاں گنوائے ہیں تو اس پر کسی کو یقین نہیں آئے گا۔"

"کیوں......؟"

"طاقت کی تنظیم پھر جاگ پڑی ہے۔"

"نہیں......!" انور متحیر نظر آنے لگا۔

"ہاں......اور اس بار کی رپورٹیں پہلے سے کہیں زیادہ تشویش ناک ہیں۔"

"ٹھہرئیے......مگر قاسم کے چھ لاکھ سے اس کا کیا تعلق۔"

"ہر تنظیم کی ریڑھ کی ہڈی روپیہ ہوتا ہے......لہٰذا یہ تنظیم بھی اس کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ مگر چونکہ یہ ایک خفیہ تنظیم ہے اس لئے کھل کر سامنے نہیں آسکتی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں اس کے مالی وسائل غیر قانونی ہی ہوں گے۔ وہ لوگ قاسم کو پکڑ لے گئے......اسے کچھ دنوں تک اپنے ساتھ رکھا۔ اس کے معیار کی عورتیں پیش کیں اور سادہ چیکوں پر دستخط لیتے رہے اور پھر......اُسے دھکا دے دیا۔"

"میں نہیں سمجھا......!"

"اب وہ تمہیں پھر روحی کی کوٹھی میں ملے گا۔"

"اوہ......!"

"اسی لئے میرا مشورہ ہے کہ تم اس چکر میں نہ پڑو۔ اس کی بیوی اس داستان پر ہرگز یقین نہیں کرے گی۔ تم اسے کسی طرح یہ بات نہ سمجھا سکو گے کہ بنک بیلنس کی اس صفائی میں روحی کا ہاتھ نہیں ہے۔"

انور کسی سوچ میں پڑ گیا......کار کھل بالا والی سڑک پر رینگ رہی تھی۔ کھل بالا کافی بلندی پر واقع تھا۔

"کیا قاسم ان لوگوں کی نشان دہی نہیں کرسکتا۔"

"حشر تک نہیں......شاید حمید بھی نہ کرسکے، جو اُن لوگوں میں کچھ دن گذار آیا ہے۔"

"وہ کس طرح۔"

فریدی نے اسے اتنا ہی بتایا تھا جتنا ضروری سمجھا۔ اپنے کراغال جا پہنچنے کا تذکرہ اس سے بھی نہیں کیا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "اب تم میرے لئے بھی تھوڑا سا کام کرو۔"

"فرمائیے۔"

"کل صبح یہاں سے جہاز جائے گا......تم واپس جاؤ......اور میرا کچھ سامان لے کر جہاز ہی سے واپس آجاؤ۔"

"لیکن قاسم کی بیوی سے کیا کہوں گا۔"

"میں نہیں چاہتا کہ یہ بات اپنی اصلیت سمیت پھیلے۔ تم اسے یہی سمجھنے دو کہ روحی نے قاسم کو ٹھگ لیا۔ مگر ٹھہرو......کیا اُسے علم ہوگیا ہے کہ وہ روحی کے یہاں مقیم تھا۔"

"نہیں میں نے ابھی تک اسے رپورٹ نہیں دی۔ ویسے اُسے اس کا علم ہے کہ وہ حمید کے ساتھ یہاں آیا تھا۔"

"تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ وہ دونوں رام گڈھ میں نہیں ملے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بڑبڑایا۔ "مگر کہیں ماتھر نے اس کے باپ کو اس کی گمشدگی کی اطلاع نہ دے دی ہو۔"

"آپ ماتھر سے کب سے نہیں ملے۔"

"کئی دن گزرے......خیر ہٹاؤ۔ تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ تمہیں کامیابی نہیں ہوئی۔"

کھل بالا پہنچ کر ڈرائیور نے پوچھا۔ "کہاں لے چلوں۔"

"شکوہ محل......!" فریدی نے جواب دیا۔ "ہم واپس بھی جائیں گے۔"

انور نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "اس ڈاڑھی میں آپ مہذب لباس میں ہونے کے باوجود بھی کسی غیر مہذب قبیلے کے فرد معلوم ہوتے ہیں۔"

"میں تمہاری ذہانت کا پہلے ہی قائل ہوں۔" فریدی مسکرایا۔ "ہاں یہ میک اپ ایک قبائلی ہی کا ہے۔"

شکوہ محل ایک چھوٹی سی خوبصورت عمارت تھی۔ ایسی چھوٹی بھی نہیں تھی لیکن لفظ 'محل' کے ساتھ ایک اچھا خاصہ مسخرا پن ضرور تھا......کار پھاٹک پر رک گئی۔

"تم میرا انتظار کرو گے۔" فریدی نے انور سے کہا۔ "بلکہ بہتر تو یہ ہوگا کہ گاڑی یہاں سے

"کچھ دور کھڑی کراؤ۔"

وہ نیچے اتر کر پھاٹک میں داخل ہوگیا۔ فی الحال وہ صرف اس بات کا اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ سردار شکوہ کس قسم کا آدمی ہے۔ اس کے لئے اس نے سوچا تھا کہ وہ خود کو روحی کا نیا باڈی گارڈ ظاہر کرکے اُس تک اس کا کوئی اوٹ پٹانگ پیغام پہنچائے گا...... اس طرح وہ اس کا ردعمل بھی دیکھ سکے گا۔

سردار شکوہ گھر ہی پر موجود تھا۔ فریدی نے ایک نوکر سے کہلوایا کہ روحی کا آدمی اس سے ملنا چاہتا ہے پھر وہ جلد ہی اندر بلوالیا گیا۔ لیکن سردار شکوہ اُسے دیکھتے ہی بے ساختہ چونک پڑا۔

"تم...... تم......" وہ اس کی طرف انگلی اٹھا کر ہکلایا۔ اور تھوک نگل کر رہ گیا۔ اُس کے رویہ پر فریدی کو حیرت ضرور ہوئی لیکن اپنے چہرے سے اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ سردار شکوہ کی اس بوکھلاہٹ کی وجہ کیا ہوسکتی ہے۔

"روحی خانم...... بولے...... شام...... اس کو...... مل جاؤ۔" فریدی نے کسی غیر ملکی کی طرح اردو بولنے کی کوشش کی۔ لہجہ قبائلیوں کا سا تھا۔

"تم کون ہو۔" سردار شکوہ کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"اس کا نوکر۔"

"بیٹھ جاؤ۔" سردار شکوہ نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "تم کب سے ہو...... اُس کے یہاں۔"

"آج سے۔"

"روحی کے گھر کون کون ہے۔" سردار شکوہ نے اس انداز میں پوچھا، جیسے اس کا امتحان لے رہا ہو۔

"ایک موٹا عوریت...... ایک موٹا مرد...... ایک بالکل مرد...... جیسا ہم بالکل مرد...... جیسا ہم بالکل مرد۔"

"تم کس قبیلے سے ہو۔"

"کس واسطے بتائے۔ نہیں بتائے گا۔" فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

اچانک سردار شکوہ نے ریوالور نکال کر اس کا رخ فریدی کی طرف کرتے ہوئے کراغالی زبان میں کہا۔ "اگر تم پہلے بچ بھی گئے تھے تو اب نہیں بچ سکتے۔"

بڑی خلاف توقع بات تھی۔ فریدی اس کیلئے تیار نہیں تھا اُسے وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ رام گڑھ میں کوئی اُسے کراغالی زبان میں مخاطب کرے گا اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔

"کراغالیوں کا داخلہ یہاں سرکاری طور پر ممنوع ہے۔" سردار شکوہ مسکرا کر بولا۔

"اگر میں تمہیں گولی مار کر شارع عام پر بھی ڈال دوں تو کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا...... سمجھے۔"

"مگر تم ایسا نہیں کرسکو گے۔" فریدی نے کراغالی ہی میں جواب دیا اور لہجے کی خامی چھپانے کے لئے بڑی شدومد سے کھانسنے لگا۔ پھر کھانستے کھانستے اُسے دوہرا ہوجانا پڑا۔ سردار شکوہ کا ذہن اس کی کھانسیوں کی طرف بھٹک گیا تھا۔ دفعتاً فریدی نے اس پر چھلانگ لگادی اور پہلے ہی حملے میں ریوالور سردار شکوہ کے ہاتھ سے نکل کر دور جاپڑا۔

سردار شکوہ بھی ایک قوی ہیکل جوان تھا۔ اس لئے اس کی مدافعت کسی طرح بھی کمزور نہیں تھی۔ مگر فریدی دور ہی سے لڑنا چاہتا تھا۔ لپٹ پڑنے کی صورت میں اس کی مصنوعی ڈاڑھی خطرے میں پڑجاتی۔ سردار شکوہ کی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح ریوالور تک پہنچ جائے لیکن ہر بار فریدی کا گھونسہ اُسے پیچھے دھکیل دیتا تھا۔

اچانک فریدی کو اُسی لڑائی کے دوران میں یاد آ گیا کہ اس نے اپنی شکل خانم کے مشیر خان یوسف سے ملتی جلتی بنائی تھی۔ خان یوسف ہی نے اسے ایک بار بتایا تھا کہ اس کا ایک چھوٹا بھائی جو قریب قریب اس کا ہم شکل تھا ایک مہم میں کام آ گیا تھا۔

فریدی نے میک اپ کرتے ہوئے خان یوسف کے چہرے کی ساخت کا خیال رکھا تھا۔ پھر آئینے پر نظر ڈال کر خود بھی اعتراف کیا تھا کہ وہ جوان خان یوسف معلوم ہوتا ہے۔ خانم شاید جلدی میں تھی اس نے اس پر غور کرکے رائے زنی ضروری نہیں سمجھی تھی۔

فریدی نے جلد ہی اسے قابو میں کرلیا لیکن یہ سردار شکوہ کا گھر تھا اور کسی لمحے میں بھی حالات بدل سکتے تھے۔ فریدی نے اسے گریبان سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کرتے ہوئے کراغالی میں کہا۔

"تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔"

ساتھ ہی ریوالور کی نال اس کے پہلو سے لگاتا ہوا بولا۔ "میری جیب میں ریوالور ہے اور انگلی ٹریگر پر...... تم اسی طرح چپ چاپ میرے ساتھ چلو گے۔"

سردار شکوہ آگے بڑھا۔ فریدی اس سے لگا ہوا چل رہا تھا۔ اس کا ہاتھ جیب میں تھا اور جیب

میں پڑے ہوئے ریوالور کی نال سردار شکوہ کی بائیں پسلی میں چبھ رہی تھی۔

"تم مجھے کہاں لے جاؤ گے۔" سردار شکوہ نے آہستہ سے پوچھا۔ لیکن وہ خوفزدہ نہیں ہو رہا تھا۔

"چپ چاپ چلتے رہو۔" فریدی کے لہجے میں سختی تھی۔ سردار شکوہ کے ملازم انہیں مشتبہ نظر سے دیکھ رہے تھے، لیکن فریدی نے اسے کسی قسم کا اشارہ کرنے کا بھی موقع نہیں دیا۔

کمپاؤنڈ سے باہر نکل کر فریدی نے اسے ٹیکسی کی طرف چلنے کو کہا، جو تھوڑے ہی فاصلے پر موجود تھی۔

"تم اپنی موت کو دعوت دے رہے ہو۔" سردار شکوہ بڑبڑایا۔

لیکن فریدی اس طرح چلتا رہا جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو۔ ٹیکسی کے قریب پہنچ کر اس نے بائیں ہاتھ سے ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھول کر سردار شکوہ کو اپنے شانے سے دھکا دیا۔ انور دوسری طرف کھسک گیا۔

سردار شکوہ انور اور فریدی کے درمیان تھا اور اس کی بائیں پسلی میں اب بھی ریوالور کی نال چبھ رہی تھی۔

"تم واپس چلے گا...... ڈرائیور۔" فریدی نے ڈرائیور سے کہا اور انور گفتگو کے اس بدلے ہوئے انداز پر چونک پڑا۔ لیکن خاموش ہی رہا۔ اب سردار شکوہ کے چہرے پر بھی اضطراب ظاہر ہونے لگا تھا۔

ٹیکسی چل پڑی۔ وہ تینوں خاموش تھے۔ کچھ دیر بعد فریدی نے انور سے کہا۔ "تم روحی خان کے گھار...... امارہ انتی زار کرے گا...... ام...... ایدھر...... راہ میں اُوترے گا۔"

"اچھا...... اچھا......!" انور سر ہلا کر بولا اور ٹیکسی اترائیوں میں فراٹے بھرتی رہی۔

"تم مجھے کہاں لے جاؤ گے۔" سردار شکوہ نے کراغالی زبان میں پوچھا۔

"توم چوپ بیٹھنے کا......!"

"تم اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔ اگر یہ مذاق ہے تو میں بھی دل کھول کر قہقہے لگانے میں کسی سے پیچھے نہ رہوں گا...... لیکن کیا تم یہ پوچھ گچھ روحی کی ایماء پر کر رہے ہو۔"

"چوپ راؤ......!" فریدی نے گرج کر کہا۔

تقریباً دو میل چلنے کے بعد فریدی نے ڈرائیور سے گاڑی روکنے کو کہا۔ ٹیکسی رک گئی اور فریدی نے اپنا سامان سمیٹتے ہوئے سردار شکوہ کو دھکیل کر کار سے نیچے اتارا۔

یہ ایک ویرانہ تھا۔ یہاں بھورے رنگ کی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔

"اب تم جاؤ......" پتہ نہیں فریدی نے ڈرائیور کو مخاطب کیا تھا یا انور کو...... بہرحال دوسرے ہی لمحے میں ٹیکسی انہیں وہیں چھوڑ گئی۔

"سردار شکوہ......!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اس ویرانے میں اگر میں تمہیں قتل بھی کر دوں تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔"

"مجھے مار ڈالنا آسان نہیں ہوگا...... خان یامین۔" سردار شکوہ کے لہجے میں تلخی تھی۔ "میں خان عیسٰی کے ساتھیوں میں سے ہوں۔"

خان عیسٰی کا نام جس کا سیاہ مجسمہ فریدی وادی کراغال میں دیکھ چکا تھا کافی سنسنی خیز تھا۔ فریدی کو بہت زیادہ محتاط ہو جانا پڑا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

"مگر تم نے خان عیسٰی کے ساتھ غداری کی۔"

"خان عیسٰی مجھ سے بڑا غدار تھا۔"

"آہا تو خان عیسٰی بھی اسی سیاہ تنظیم سے تعلق رکھتا تھا۔" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"تم نابدان کے کیڑے اسے سیاہ تنظیم کہہ رہے ہو۔" سردار شکوہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "تم جو ہمیشہ بہت نیک کام کرتے رہے ہو۔ کیا تم دونوں بھائی خان ضیغم کو برسر اقتدار نہیں لانا چاہتے تھے۔"

"ہاں...... ہم اب بھی یہی چاہتے ہیں۔" فریدی نے فخریہ انداز میں کہا۔ "وہ کراغال سے غداری کر کے کسی سیاہ تنظیم کو پروان نہیں چڑھانا چاہتا۔"

"خانم اس سے بھی زیادہ نیک اور شریف عورت ہے۔ تم اس کا ساتھ کیوں نہیں دیتے۔" سردار شکوہ کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"وہ عورت ہے، کوئی عورت کراغالیوں پر حکومت نہیں کر سکتی۔"

"تو تم لوگ خان عیسٰی کی موت کے راز سے واقف ہو گئے ہو حالانکہ خانم اسے چھپانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔"

"میں نے وہ مجسمہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ایک دن تم سب سیاہ مجسموں میں تبدیل ہو جاؤ گے۔" سردار شکوہ نے مسکرا کر کہا۔ پھر دفعتاً وہ چونک پڑا اور اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھنے لگا جیسے ابھی تک خواب دیکھتا رہا ہو۔

"تم......!" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم کراغالی ہرگز نہیں ہو سکتے......تمہارا لہجہ۔"

فریدی نے اس کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔ سردار شکوہ اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ فریدی کا ہاتھ پڑتے ہی دوسری طرف الٹ گیا۔ فریدی نے اسے دوبارہ اٹھنے کا موقع نہیں دیا۔ پے در پے ٹھوکریں رسید کرتا رہا۔ حتیٰ کہ سردار شکوہ کی ناک اور منہ سے خون بہنے لگا اور اس نے اٹھ کھڑے ہونے کی کوشش ترک کر دی۔

"ہاں...... میں کراغالی نہیں۔" اس نے قہقہہ لگایا۔ "لیکن اب تمہیں مجھے بہت سی کہانیاں سنانی پڑیں گی...... ورنہ موت بھی تم سے پناہ مانگے گی۔"

"تت......تم کون ہو۔" سردار شکوہ نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"وہی جس نے نصرت خان، کنور شمشاد اور زوبی کو موت کی آغوش میں سلا دیا تھا۔"

"کک......کرنل فریدی۔"

"ہاں......اب تم مجھے ادارہ روابط عامہ کے متعلق بتاؤ۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

فریدی نے شکار کے تھیلے سے چاقو نکالتے ہوئے کہا۔ "تمہاری ہڈیوں سے گوشت الگ کر دوں گا۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے...... یہ کس قانون......!"

"قانون کا نام مت لو اپنی زبان سے......میری بات کا جواب دو۔"

"تم مجھ سے کچھ نہیں معلوم کر سکو گے۔"

"تم نے روحی کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ادارہ روابط عامہ سے مدد طلب کرے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

"ارے تم یہ بھی نہیں جانتے جس کا اعتراف خود روحی کر چکی ہے۔"

"میں کسی روحی کو نہیں جانتا۔"

"حالانکہ تم نے گھر پر روحی کے متعلق بہت سے سوالات کئے تھے۔"

سردار شکوہ کچھ نہ بولا۔

"میں یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ رام گڈھ کی اس معصوم لڑکی نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جس کو اس کی شادی کے دن سیاہ مجسمے میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

فریدی نے اسکے بازو میں چاقو اتار دیا اور سردار شکوہ کسی چوپائے کی طرح حلق پھاڑ کر چیخا۔

"بتاتا ہوں۔"

"بتاؤ...... مجھے اس کالی تنظیم کے چوہے پر بھی رحم نہیں آ سکتا۔"

"اس کے چچازاد بھائی نے......تنظیم کے فنڈ میں تین لاکھ کا اضافہ کیا تھا۔" سردار شکوہ کراہ کر بولا۔

"گویا تنظیم کا فنڈ اسی طرح کے جرائم سے بڑھایا جاتا ہے......اس کے چچازاد بھائی کا نام اور پتہ۔"

"اس کا ایک ہی چچازاد بھائی ہے میں نام سے واقف نہیں ہوں۔"

"کیا وہ اپنے چچا کی جائیداد حاصل کرنا چاہتا تھا۔"

"ہاں......اُف......میرا خیال ہے کہ......اُف......"

"خیر چھوڑو......اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہو سکتی......اب ادارہ روابط عامہ......!"

لیکن سردار شکوہ جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی بیہوش ہو گیا

"تم بیہوش نہیں ہوئے سردار شکوہ...... میں زندگی بھر تمہارے ہوش میں آنے کا انتظار کر سکتا ہوں۔ تم شوق سے بیہوش ہو جاؤ۔ مجھے تم پر بالکل رحم نہ آئے گا۔ میں کچھ دن پہلے بھی سرحدی پہاڑیوں میں تمہارے تقریباً ایک درجن آدمیوں کو موت کی نیند سلا چکا ہوں۔ اب آنکھیں کھولو ورنہ اس بار یہ چاقو تمہاری ناک پر چلے گا۔"

سردار شکوہ نے آنکھیں کھول دیں اور ہولے ہولے کراہنے لگا۔

"روحی کا باڈی گارڈ شاہد اجمل کہاں ہے؟"

"نشاط ہوٹل کے ایک تہہ خانے میں۔"

"بہت خوب......اب ادارہ روابط عامہ کی اصلیت مجھ پر ظاہر ہو گئی۔ تمہیں اس کے متعلق

تکلیف نہیں دوں گا کیونکہ ڈاکٹر سلمان نے روحی سے کہا تھا کہ وہ کٹل بالا کے ایک ہوٹل میں
اب میں تم سے نشاط ہوٹل اور اس کے منیجر کے متعلق بھی کچھ نہیں پوچھوں گا۔ لیکن اب تمہارے
کیا کروں۔ تمہیں پولیس کے حوالے کرنا بھی فضول ہی ہوگا...... کیونکہ ہوسکتا ہے تمہاری سیاہ تنظیم
آدمی اس محکمے میں بھی موجود ہوں اور تم مفت میں طبی امداد حاصل کر کے صحت یاب ہونے کے
جیل سے فرار ہو جاؤ۔ اچھا تم ہی بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کروں۔"

سردار شکوہ کراہتا رہا۔

"اچھا سنو...... تم اٹھ کر مجھ پر حملہ کرو تاکہ میں تمہیں موجودہ تکلیف سے نجات دلا دوں۔"

"نہیں......!" سردار شکوہ دونوں ہاتھ آگے پھیلا کر ہذیانی انداز میں چیخا۔

"میں غلطی پر تھا...... سردار شکوہ مجھے تم پر رحم نہ کھانا چاہئے۔ کیا تم کسی زخمی سانپ پر رحم کھا
اسے چھوڑ دو گے۔"

"نہیں...... نہیں۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ "مجھے مت مارو۔"

"کیا تم تنظیم سے قطع تعلق کر سکتے ہو۔" فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

سردار شکوہ کچھ نہیں بولا۔

"نہیں کر سکتے۔" فریدی مسکرایا۔ "اگر انہیں اس کا شبہ بھی ہو گیا تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑ
گے۔ پھر کیوں نہ تم میرے ہی ہاتھوں مرنا پسند کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں زیادہ تکلیف
ہوگی۔ ٹھیک دل پر فائر کروں گا۔"

"نہیں...... نہیں...... خدا کے لئے۔"

"آہا...... تم لوگوں کو خدا بھی یاد آ سکتا ہے۔"

"میں مرنا نہیں چاہتا...... رحم کرو۔" سردار شکوہ گڑگڑایا۔

"تمہیں اس معصوم لڑکی پر بھی رحم آیا تھا جس کا سیاہ مجسمہ اب بھی ماں کی چھاتی سے چمٹا ہوا
ہے۔"

"میں نے کچھ نہیں کیا...... کچھ نہیں کیا۔"

"کراغال کی خانم نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ اوہ...... ٹھہرو...... میں نے عیسیٰ خان کے متعلق تو
کچھ پوچھا ہی نہیں۔ کیا وہ تنظیم سے متعلق تھا۔"

"ہاں......!"

"پھر اسے کیوں سیاہ مجسمے میں تبدیل کر دیا گیا۔"

"اس نے تنظیم سے غداری کی تھی۔"

"وہ کس طرح۔"

"تنظیم کے خلاف یہاں کی حکومت سے ساز باز کر رہا تھا۔"

"خان یوسف کا بھائی...... خان یامین کس طرح مارا گیا تھا۔"

"اسے خان عیسیٰ ہی نے مار ڈالا تھا۔ لیکن شاید کراغال میں کسی کو بھی اس کا علم نہ ہو۔ خان
یامین غالباً اسی لئے مارا گیا تھا کہ اسے تنظیم کے متعلق کوئی خاص بات معلوم ہوگئی تھی۔"

"خیر...... اسے بھی چھوڑو۔ کیا تنظیم خان ضیغم یعنی کراغال کے والی کے بھتیجے کو مسند اقتدار پر
دیکھنا چاہتی ہے۔"

"تنظیم کو کراغال حکومت سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"ڈاکٹر سلمان حقیقتاً کون ہے۔"

"میں نہیں جانتا...... میں اسے صرف ڈاکٹر سلمان ہی کے نام سے جانتا ہوں۔"

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم میرے اس احسان کو یاد رکھو گے کہ میں نے تمہیں جان سے نہیں مارا۔" اس نے کچھ
دیر بعد کہا۔

"یاد رکھوں گا......!" سردار شکوہ کراہا اور اپنے زخمی ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"تم بھی کراغالی ہو......؟"

"نہیں......!"

"کیا پہلے تم خان عیسیٰ کے ایجنٹ تھے؟"

"تم سب کچھ جانتے ہو۔ پھر مجھے بولنے پر کیوں مجبور کر رہے ہو۔ میری زبان کئی جگہ سے
کٹ گئی ہے۔"

"تم دوسروں سے رحم اور انسانیت کی توقع کیوں رکھتے ہو جب کہ بہیمیت پر تمہارا ایمان ہے۔
مجھے اس معصوم لڑکی کا سیاہ مجسمہ ہر وقت یاد رہتا ہے۔"

"اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں عائد ہو سکتی۔"

"تم پر عائد ہوتی ہے۔ تنظیم کے ہر فرد پر عائد ہوتی ہے۔ تم سب قاتل سازشی اور غدار ہو۔ جانتے ہو میں تمہیں کیوں نہیں مارنا چاہتا۔"

سردار شکوہ خاموش ہی رہا۔ فریدی پھر بولا۔ "تم لوگ مجھے بے بس کر کے مار ڈالنے کا پروگرام بنا چکے ہو۔ اس لئے میں تمہیں دکھانا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔"

"میں بالکل بے قصور ہوں۔"

"تمہارے ذمے کیا کام ہے۔"

"میں...... میں...... ادارہ روابط عامہ کے لئے کام کرتا ہوں۔ اور بس......!"

"لوگوں کو اس کے کارنامے بتا کر اُس سے مدد لینے پر اکساتے ہو۔"

"ہاں...... میرے ہاتھ تشدد سے پاک ہیں۔"

"میں تمہیں اس لئے چھوڑ رہا ہوں کہ تم اپنی تنظیم کو فریدی کے خطرے سے آگاہ کرو۔ اپنے سرگروہ کو بتا دو کہ فریدی بہت کچھ جانتا ہے۔"

"میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔" سردار شکوہ گڑگڑایا۔

"کیوں......؟"

"میں احسان فراموش نہیں ہوں۔"

"تمہارا موجودہ حکمران کون ہے؟"

"کوئی عورت...... اسے کوئی نہیں جانتا۔"

"مجھے بھی کوئی نہیں جانتا سردار شکوہ...... جو جانتے ہیں وہ بھی نہیں جانتے۔ اس بار میں اس تنظیم کو بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دوں گا۔"

"مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔" سردار شکوہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اٹھو......!" فریدی اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھاتا ہوا بولا۔ "ادھر یہاں اس پتھر پر بیٹھ جاؤ...... تھوڑی دیر بعد کٹل بالا کی بس آ جائے گی۔"

وہ اسے اس پتھر پر حیرت زدہ چھوڑ کر سڑک کی بائیں جانب والی ڈھلان میں اترتا چلا گیا۔ سردار شکوہ میں اتنی بھی ہمت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ کھڑا ہو کر اسے جاتے دیکھتا۔

قاسم اور پراٹھے

قاسم سب سے پہلے روحی کے یہاں پہنچا۔ روحی گھر پر موجود نہیں تھی۔ لیکن نوشابہ تھی۔ قاسم کو دیکھ کر اس نے دہاڑتے ہوئے خوش آمدید کہی۔

"آپ...... اُفوہ...... کہاں تھے آپ؟"

"خو چھ نہیں...... کچھ نہیں...... کوئی بات نہیں...... ہی ہی ہی...... لیکن مجھے بھوخ...... لگ رہی ہے۔"

"اوہو...... ضرور...... ادھر چلئے...... میرے کمروں میں...... روحی صاحبہ تو ہیں نہیں۔"

"آپ تو ہیں...... ہی ہی ہی۔"

وہ اسے ایک کمرے میں لائی اور اسے وہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی بولی۔ "ٹھہرئیے...... میں آپ کے لئے چائے تیار کردوں اور کھانا تو آپ کا دیکھ ہی چکی ہوں۔"

"میں بھی وہیں چل رہا ہوں...... باورچی خانے میں آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا۔"

"اوہو...... آپ......!" نوشابہ نے اپنی گونجیلی آواز میں حیرت ظاہر کی۔

"ارے میں...... میں تو بڑی اچھی چپاتیاں پکاتا ہوں...... ہی ہی ہی......"

قاسم سر جھکا کر کسی شرمیلی لڑکی کی طرح اپنی انگلیاں مروڑ رہا تھا۔

"نہیں آپ یہیں بیٹھئے۔" نوشابہ ہنستی ہوئی چلی گئی۔ قاسم اداس ہو گیا۔ وہ بار بار ٹھنڈی آہیں بھرتا اور پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگتا۔ وہ اس لئے اداس نہیں تھا کہ نوشابہ اسے تنہا چھوڑ گئی تھی بلکہ اس لئے مغموم ہو گیا تھا کہ فرائی پین میں تلے جانے والے پراٹھوں کی بو سے محروم ہو جائے گا۔ اسے کچھ اسی شدت سے بھوک لگ رہی تھی۔

وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس وقت نہ اسے زمین دوز دنیا یاد تھی اور نہ وہاں کی تنگڑی لڑکیاں۔ اس وقت تو اس کے ذہن پر بکرے کی ران مسلط تھی۔ اسے اس کی فکر بھی نہیں تھی کہ وہ چھ لاکھ روپے گنوا چکا ہے۔

آدھے گھنٹے تک اسے نوشابہ کی واپسی کا منتظر رہنا پڑا۔ لیکن یہ انتظار نتیجے کے اعتبار سے کچھ

ایسا مہنگا بھی نہیں پڑا کیونکہ چائے کی کشتی بہت وزنی تھی۔ اس میں تقریباً بیس عدد پراٹھے اور ا
درجن نیم برشت انڈے موجود تھے۔

"آپ کو بہت انتظار کرنا پڑا۔"

"قوئی......کوئی بات نہیں۔" قاسم کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلاتا ہوا بولا۔

اور پھر وہ اتنے انہماک سے اس کشتی پر ہاتھ صاف کرنے لگا کہ نوشابہ کی موجودگی بھی یا
رہی۔

"آپ کو وہاں کھانے پینے کی تکلیف ضرور رہی ہوگی۔" نوشابہ نے کہا۔

"جی......!" قاسم اس طرح چونکا کہ نوالہ ہاتھ سے چھوٹ پڑا لیکن پھر فوراً ہی اسے اٹھا
منہ میں ڈالتا ہوا بولا۔ "نہیں...... بالکل نہیں...... داؤں...... داؤں...... مگر وہ سالا...... چھنک
چھنک......داؤں......داؤں......ہی ہی ہی۔"

"میں نہیں سمجھی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"ارے......وہ کچھ نہیں......بندر تھا بندر......!"

نوشابہ نے کچھ اس انداز میں بوکھلا کر قاسم کی طرف دیکھا جیسے اس کے صحیح الدماغ ہونے پر
شبہ ہو۔ ساتھ ہی قاسم کو یاد آ گیا۔ حمید نے چلتے وقت تاکید کی تھی کہ زمین دوز دنیا کے متعلق کچھ
کچھ نہ بتائے ورنہ لوگ اسے پاگل سمجھیں گے۔ کسی کو یقین نہ آئے گا۔ پھر قاسم نے یہ بھی سوچا کہ
وہاں لڑکیاں بھی تھیں۔ ممکن ہے کہ ان کا تذکرہ آ جائے اور پھر نوشابہ سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں۔
اس نے دفعتاً چپ سادھ لی۔ لیکن یہ خاموشی بھی اسے نامناسب معلوم ہونے لگی۔ ممکن ہے نوشابہ
سوچے کہ وہ اسے کچھ بتانا نہیں چاہتا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ روحی کمرے میں داخل ہوئی۔

"اغ......اغ......!" قاسم بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھئے......بیٹھئے...... مجھے ابھی ملازموں سے معلوم ہوا کہ آپ آ گئے ہیں۔ کیسے آئے......
کہاں تھے......حمید صاحب بھی لاپتہ ہو گئے ہیں۔"

قاسم بیٹھ کر پھر پراٹھوں کے ساتھ انصاف کرنے لگا۔ وہ اسے کیا بتاتا۔ حمید نے منع کر دیا تھا
مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اس کے بجائے کیا کہے گا۔

"وہ سالے بدمعاش تھے۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا اور مزید کہنے کے لئے سوچنے لگا۔ اسے

خود پر غصہ آیا کہ اسے بات بنانا بھی نہیں آتا۔

"لے کیوں گئے تھے آپ کو......؟" روحی نے پوچھا۔

یہ سوال قاسم جیسے کوڑھ مغز کے لئے بھی غیر متوقع نہیں تھا اور وہ پہلے ہی سے اس کا کوئی
معقول سا جواب سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ارے......وہ......کوئی خاص بات نہیں۔ ان بدمعاشوں نے مجھ سے چھ لاکھ روپے وصول
کر لئے۔"

"کتنے......!" نوشابہ کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔

"چھ لاکھ...... یہ پراٹھے بڑے......لچھ......لذیذ ہیں۔"

"کیا آپ کے پاس اتنی رقم موجود تھی۔" روحی نے پوچھا۔

"چیک بک......انہیں میری چیک بک مل گئی تھی۔"

"میرے خدا......!" نوشابہ نے ایک طویل سانس لی۔ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ "تو اس
رات وہ لوگ شاید آپ کی چیک بک تلاش کر رہے تھے۔"

"ہاں......ہاں......ضرور......یہی بات ہے۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "چیک بک میرے
سوٹ کیس میں تھی۔"

"کیا انہوں نے آپ پر تشدد کیا تھا......؟" روحی نے پوچھا۔

"نہیں وہ سالا چھنک چھنک مجھے کھانا نہیں کھانے دیتا تھا۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

قاسم پھر سنبھل گیا۔ مگر اسے کیا کرتا کہ "سالا چھنک چھنک" مستقل طور پر اس کے ذہن سے
چپک گیا تھا۔ اُس کی گول مول باتوں سے روحی اندازہ نہ کر سکی۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ بھی اسے اسی
انداز میں دیکھنے لگی جیسے وہ صحیح الدماغ نہیں ہو۔ دونوں کبھی ایک دوسرے کو دیکھتیں اور کبھی قاسم کو
دیکھنے لگتیں۔ جو سر جھکائے انڈوں اور پراٹھوں سے نپٹ رہا تھا۔

پھر چائے انڈیلتے وقت اس کی ذہنی رو بہک گئی اور اس نے پھر "چھنک چھنک" کا تذکرہ
چھیڑ دیا۔

"وہ ایک بندر تھا......بندر یعنی کہ بندر......آپ سمجھتی ہیں نا......جب میں چیک پر دستخط

کرنے سے انکار کردیتا تھا تو وہ سالا مجھے کھانا نہیں کھانے دیتا تھا۔ میں بھوک کے علاوہ اور کچھ برداشت کرسکتا ہوں۔ اگر میرے بنک بیلنس میں چھ ہزار لاکھ ہوتے تب بھی میں خالی ہاتھ آتا۔"

"تو اس بندر کی وجہ سے آپ نے......!"

"ہاں......وہ بڑا موذی تھا۔ ہاتھ نہیں آیا ورنہ ٹانگیں چیر کر پھینک دیتا۔"

"فریدی اور حمید صاحبان کو بھی آپ کی تلاش تھی۔"

"صاحبان کون......؟"

"میرا مطلب ہے وہ دونوں صاحب۔"

"ارے حمید بھی تو تھا میرے ساتھ۔" قاسم نے آہستہ سے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"کیا......نہیں۔" روحی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ارے ہاں......اسے بھی تو پکڑ لے گئے تھے وہ لوگ۔"

ان دونوں نے پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے انہیں یقین نہ آیا ہو۔

"اسے تو کٹہرے میں بھی بند کردیا گیا تھا...... ہاں......!"

اچانک اسی وقت حمید اسی کمرے میں دراتا چلا آیا۔ شاید اس نے قاسم کا آخری جملہ سن لیا تھا۔ قاسم اسے دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"اررر......تم......حمید بھائی۔"

چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "اٹھو......اپنا سامان اٹھاؤ اور چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ محض تمہاری وجہ سے ہم لوگوں کو اتنی پریشانیاں اٹھانی پڑیں۔"

"ارے واہ......!" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "تم خود اٹھاؤ سامان...... یہاں سے اور چلے جاؤ بڑے آئے دھونس جمانے والے......ابے ہاں......تم کٹہرے میں بند کردیئے گئے تھے......تم ہوا میں اڑے تھے......اُس نے مجھے بتایا تھا......کیا نام......!"

دفعتاً حمید بہت زیادہ مغموم نظر آنے لگا اور پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ روحی کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کمرے میں آئے۔

"تم نے دیکھا۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"شاید اُن لوگوں نے اسے بہت زیادہ اذیتیں دی ہیں۔"

"آپ کہاں تھے؟"

"اوہ......میں......میں اسی کی تلاش میں تھا۔ لیکن ان لوگوں نے شاید اسے خود ہی چھوڑ دیا۔ مگر اس کے عوض انہوں نے اس کے باپ سے بھاری رقم وصول کی ہوگی۔"

"مگر وہ تو کہتے ہیں کہ ان سے بیشمار چیکوں پر دستخط لئے گئے تھے۔ ان کا اندازہ ہے کہ تقریباً چھ لاکھ کا بینک بیلنس صاف ہوگیا۔"

"بکواس ہے......اس کا کوئی ذاتی بیلنس نہیں تھا۔"

"آپ کو یقین ہے کہ ان کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔"

"مجھے یقین ہے۔ کیا آپ اس کی بے سروپا باتوں سے اندازہ نہیں کرسکتیں۔ مجھے وہ اس وقت ملا تھا جب کسی خیالی بندر پر پتھراؤ کررہا تھا۔"

"بندر......ہاں......وہ کسی بندر کا بھی تذکرہ کررہے تھے۔"

اتنے میں ایک ملازم نے آکر اطلاع دی کہ فون پر حمید کی کال ہے۔

روحی اور حمید ساتھ ہی اس کمرے میں آئے جہاں فون تھا۔ حمید اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا تھا کہ دوسری طرف فریدی ہی ہوگا۔ مگر وہ انور نکلا اور حمید کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ انور فریدی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔

"میں نہیں جانتا وہ کہاں ہیں۔"

"اچھا جب آئیں تو لالہ زار کے لئے رنگ کرنا میں وہیں مقیم ہوں۔ روم نمبر ۲۷ میں۔"

"دیکھا جائے گا" حمید نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ انور کی اچانک آمد اُسے اچھی نہیں لگی تھی۔

پھر وہ روحی کی طرف مڑ کر بولا۔ "تم اپنی سناؤ......تم پر پھر کوئی حملہ تو نہیں ہوا۔"

"نہیں ابھی تک تو محفوظ ہوں......مگر آپ اچانک اس طرح غائب کہاں ہوگئے تھے۔"

"رام گڈھ سے باہر نہیں گیا تھا۔ یہی ہے ہماری زندگی جو عام آدمیوں کو بڑی پرکشش نظر آتی ہے مگر حقیقت کوئی مجھ سے پوچھے۔"

"فریدی صاحب کہاں ہیں؟"

"ہاں......!" حمید نے ایک طویل سانس لی۔ چند لمحے ہونٹ بھینچے......روحی کو گھورتا رہا پھر شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ "میں نہیں جانتا ہوں کہاں ہیں۔ تم ان کے متعلق مجھ سے کچھ نہ پوچھا کرو۔"

"کیوں......؟"

"میری طبیعت متنفر ہوتی ہے ان کے تذکرے سے۔" حمید نے خلاء میں گھورتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "میں خود نہیں سمجھ سکتا کہ مجھ میں یہ تبدیلی کیوں ہوئی ہے۔ میں کرنل فریدی کے پسینے کی جگہ خون بہانے کو تیار رہتا تھا۔ مگر اب......میں نہیں سمجھ سکتا۔"

وہ اس طرح اپنی پیشانی رگڑنے لگا جیسے کسی الجھن میں ہو۔ بولنے کا انداز بھی ایسا ہی تھا جیسے اسے وہاں روحی کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔

"کیا بات ہے۔ میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

حمید چونک کر اسے گھورنے لگا۔ پھر تیز قسم کی سرگوشی میں بولا۔ "میں......میں کرنل فریدی کو قتل کردوں گا۔ میں اسے نہیں پسند کرتا کہ تم بار بار اُس کا تذکرہ چھیڑو۔"

فریدی کا دشمن

فریدی ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے انور کو فون کر رہا تھا۔ اس نے پہلے حمید کو فون کیا تھا اور اس سے انور کا پتہ معلوم کرنے کے بعد اب اسے یہاں سے واپس جانے کے متعلق ہدایات دے رہا تھا۔ اس نے اپنی ضروریات کی بہتیری چیزیں منگوائی تھیں جن میں جرمن ساخت کا ایک ٹرانسمیٹر بھی تھا کیونکہ سردار شکوہ سے اتنی معلومات حاصل ہو جانے کے بعد وہ ہر حال میں کراغال کی خانم سے رابطہ قائم رکھنا چاہتا تھا۔

ریسیور ہک سے لگا کر وہ باہر نکل آیا۔ اس نے اب اپنے چہرے سے ڈاڑھی الگ کر دی تھی لیکن خدوخال اب بھی کراغال ہی کے سے برقرار رکھے تھے۔

رات تاریک اور سرد تھی۔ اس نے السٹر کے کالر کھڑے کر لئے اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھکاتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔

اگر کسی دوسرے کو اس کی اس حرکت کا علم ہو جاتا کہ اس نے سردار شکوہ کو ان اہم ترین اعترافات کے بعد بھی چھوڑ دیا تو وہ اسے یقینی طور پر پاگل سمجھتا۔ کیا سردار شکوہ کو سلطانی گواہ بنا کر ادارہ روابط عامہ کے خلاف قانونی کاروائی نہیں کی جاسکتی تھی؟ ضرور کی جاسکتی تھی......مگر فریدی اتنا جلد باز نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سردار شکوہ عدالت میں حاضر ہو کر ان الزامات کے اعترافات ہرگز نہ کرے گا۔ اسے ہر لحظہ خدشہ لاحق رہے گا کہ بر سر عدالت میں بھی اسے گولی ماری جاسکتی ہے۔ وہ معمولی ڈاکوؤں اور اچکوں کی تنظیم تو تھی نہیں۔ یقیناً ان لوگوں کے وسائل لامحدود ہوں گے جو ایک بڑی حکومت سے ٹکرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہی نہیں ان کے حوصلے بین الاقوامی بھی تھے۔

ایسے موقعہ پر اگر فریدی کی جگہ اور کوئی ہوتا تو اس کے ہاتھ پیر پھول جاتے۔ لیکن اس کے سکون میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ وہ سب کچھ اپنی سوچی سمجھی اسکیموں کے ماتحت کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس سلسلے میں زیادہ شور و شر مچانا فضول ہی ہوگا کیونکہ مجرموں کے حوصلے بلند ہیں۔ وہ یقیناً خود کو اتنا محفوظ اور مضبوط سمجھتے ہیں۔ حمید کا اس طرح چھوڑ دیا جانا ہی ان کی دیدہ دلیری کی ایک کھلی ہوئی دلیل تھی کہ وہ اس قسم کی حرکت کر سکیں۔ کیا یہ حکومت کو ایک کھلا ہوا چیلنج نہیں تھا جس کا مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ اس خبر سے ملک میں سراسیمگی اور انتشار پھیلے۔

وہ پیدل ہی چلتا رہا۔ سردار شکوہ سے نپٹنے کے بعد اس نے ادارہ روابط عامہ کے متعلق معلومات حاصل کرنی شروع کر دی تھیں۔ ڈاکٹر سلمان جو ادارہ کا انچارج تھا رام گڑھ ہی میں رہتا تھا اور وہاں کے متمول اور باعزت لوگوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ فی الحال فریدی نے ڈاکٹر سلمان ہی کو تختہ مشق بنانے کی اسکیم تیار کی تھی۔ مگر اس کا یہ طریق کار اس کے محکمے کو ایک آنکھ نہ بھاتا۔ کیونکہ اس میں ضابطے کی کاروائیاں شامل نہ تھیں۔

ویسے فریدی کو یقین تھا کہ اگر ضابطے کی کاروائی شروع کی گئی تو قیامت تک کامیابی نہیں ہو سکے گی۔

وہ فیریز ڈریم (Fairy's Dream) کی عمارت کے قریب رک گیا۔ یہ یہاں کا سب

سے زیادہ شاندار نائٹ کلب تھا اور اسے توقع تھی کہ وہ یہاں کچھ نہ کچھ کام ضرور کر سکے گا
لئے تھی کہ ڈاکٹر سلمان یہاں کا مستقل ممبر تھا۔

یہ عمارت ایک بڑی پرفضا جگہ پر واقع تھی۔ اس کی روشنیاں پکھی تال کے پرسکون
لہریئے بناتی رہتی تھیں۔

فریدی نے کلوک روم میں جاکر السٹر اتارا، فلٹ ہیٹ ریک پر رکھی اور وسیع ہال میں
ہوگیا۔ گو اس کے چہرے پر رام گڈھ کے باشندوں کے لئے اجنبیت تھی لیکن لباس سے
حیثیت آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

ہال میں آرکسٹرا کی مدہم موسیقی گونج رہی تھی اور مرکزی ٹیوب کی دودھیا روشنی میں خوا
چہروں پر پھٹکاری برس رہی تھی۔ کم از کم فریدی کا یہی خیال تھا کہ اس قسم کی روشنی کسی میوزیم
خانے ہی کے لئے موزوں ہوسکتی ہے۔

وہاں ابھی بہتیری میزیں خالی تھیں۔ فریدی نے سرسری طور پر ہال کا جائزہ لیا اور اچانک
جگہ اس کی نگاہ رک گئی۔ وہ منظر یقیناً غیر متوقع تھا اس نے ایک میز پر حمید کو دیکھا۔ وہاں
موجودگی غیر متوقع یا حیرت انگیز نہیں تھی۔ مگر وہ تنہا نہیں تھا اور وہ دوسرا آدمی جس سے وہ گفتگ
تھا ڈاکٹر سلمان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ دراز قد اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ چہرے پ
کٹ ڈاڑھی اور باریک تراشی ہوئی مونچھیں تھیں۔ آنکھوں پر رم لس فریم کی عینک اس کے خد
سے کافی ہم آہنگ معلوم ہوتی تھی۔

فریدی کو حمید پر بڑا غصہ آیا۔ اسے ایسی حرکت نہ کرنی چاہئے تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا
میز پر آیا جو ان سے زیادہ دور نہیں تھی اور وہ یہاں سے ان کی گفتگو بہ آسانی سن سکتا تھا۔

وہ ان کی طرف پشت کر کے بیٹھ گیا۔

حمید ڈاکٹر سلمان سے کہہ رہا تھا۔ ''آپ حیران نہ ہوں ڈاکٹر صاحب۔ میں بہت دیر
آپ کی تلاش میں تھا۔ آپ کے لئے اجنبی ضرور ہوں مگر ذرا سی دیر میں ہم ایک دوسرے کے
اجنبی نہ رہ جائیں گے۔ آپ نے کبھی نہ کبھی میرا نام ضرور سنا ہوگا۔''

''اگر نہ سنا ہو تب بھی مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوگی۔'' ڈاکٹر سلمان کے لہجے میں سکون
ٹھہراؤ تھا۔ ''زیادہ مجھ سے اجنبی ہی ملتے ہیں۔''

''میرا کارڈ.....!'' حمید نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا اور
زیدی کی الجھن بڑھ گئی۔ مگر وہ خاموش سنتا رہا۔

''آہا.....اوہ.....کیپٹن حمید۔'' ڈاکٹر سلمان بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ''ہاں
مجھے علم تھا کہ آپ یہیں مقیم ہیں..... غالباً..... ہاں روحی صاحبہ نے تذکرہ کیا تھا۔ آپ شاید انہیں
کے ساتھ ہیں۔''

''جی ہاں..... میں وہیں ہوں..... روحی کے ساتھ.....!''

''کیا آپ اسی مسئلہ پر گفتگو کریں گے۔''

''نہیں..... میں صرف اسلئے آپ سے ملنے کا خواہش مند تھا کہ آپ ماہر نفسیات ہیں۔''

''میں نہیں جانتا کہ میں ہوں بھی یا نہیں۔'' ڈاکٹر سلمان نے خاکسارانہ انداز میں مسکرا کر کہا۔

''نہیں..... میں نے آپ کی تعریف متعدد آدمیوں سے سنی ہے۔ آپ کا ادارہ ملک و قوم کی
گرانقدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس نوعیت کے ادارے تو شائد ان ممالک میں بھی نہ ملیں جو
خود کو ہر معاملے میں دنیا کا امام سمجھتے ہیں۔''

''حوصلہ افزائی ہے آپ کی۔''

''اب ان باتوں کو چھوڑ کر میرے معاملے کی طرف آیئے..... میں بہت پریشان ہوں۔''

حمید کچھ سوچنے لگا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ پھر وہ بائیں ہتھیلی سے اپنی
پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ ''آج صبح سے میں خود میں ایک عجیب و غریب تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔''

''اچھا..... کس قسم کی تبدیلی.....؟''

''کس طرح بیان کروں۔'' حمید اس انداز میں بڑبڑایا جیسے خود سے مخاطب ہو۔

''کہہ ڈالئے..... فضول سے فضول بات بھی حقیقتاً بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی کوئی نہ کوئی
نفسیاتی وجہ ضرور ہوتی ہے۔''

''آج دن میں کئی بار میں نے سوچا ہے کہ کرنل فریدی کو قتل کر دوں۔''

ڈاکٹر سلمان ہکا بکا رہ گیا۔ پھر اس کے چہرے پر کچھ اس قسم کے آثار نظر آنے لگے جیسے اسے
اس بات سے بڑا صدمہ پہنچا ہو۔

فریدی نے [illegible]ب اپنا رخ بدل دیا تھا۔ اب وہ اس پوزیشن میں تھا کہ انہیں بہ آسانی دیکھ

سکتا تھا۔

"کیا آپ میری قابلیت کا امتحان لے رہے ہیں۔" ڈاکٹر سلمان کچھ دیر بعد مسکرا کر
لیکن یہ مسکراہٹ جاندار نہیں تھی۔

"اسی لئے مجھے پس و پیش تھا۔" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"میں خود بھی یقین نہیں کر سکتا کہ کبھی فریدی صاحب کی طرف سے میرے دل میں ا
کے خیالات بھی پیدا ہو سکیں گے...... مگر میں اسے خیال نہیں کہہ سکتا...... یہ تو جنون تھا...... کھلا ہوا جنون۔

"اگر آپ اسے جنون تسلیم کرتے ہیں تب تو وہ ہرگز جنون نہیں تھا۔" ڈاکٹر سلمان ا
آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"ٹھہرئیے...... کیا آپ کی دانست میں اس کی کوئی وجہ بھی ہے۔"

"نہیں کوئی نہیں...... ہمارے تعلقات ہمیشہ بہت اچھے رہے ہیں۔"

"تعلقات کو چھوڑئیے...... جب ہم ایسے معاملات پر کسی بات کی وجہ دریافت کرتے
ہیں تو تعلقات کی حیثیت یونہی سطحی سی ہوتی ہے کیونکہ تعلقات منطقی شعور کے رہین منت ہوتے ہ
ان کا تعلق لاشعور سے نہیں ہوتا۔ یہ تو آپ کی کوئی لاشعوری گرہ ہے جس نے یک بیک ایک نئ
اختیار کر لی ہے۔"

حمید اس طرح منہ کھولے بیٹھا رہا جیسے اس گفتگو کا ایک لفظ بھی اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو۔

"آپ نہیں سمجھے۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر پوچھا۔

"جی نہیں...... بالکل نہیں۔"

"اچھا ٹھہرئیے۔ کیا واقعی آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کبھی آپ کا ہاتھ کرنل فریدی پر اٹھ جائے گا۔"

"میرے خدا......!" حمید پھر اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ "میں کس طرح کہوں کہ اگر آج
میرے سامنے ہوتے تو شائد...... اُف......!"

حمید آنکھیں بند کر کے خاموش ہو گیا۔ ڈاکٹر سلمان اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ حمید
کچھ دیر بعد آنکھیں کھولیں اور فریدی دل ہی دل میں اس کی اس شاندار ایکٹنگ کی تعریف کر
لگا۔ حمید کی آنکھیں کچھ ایسی لگ رہی تھیں جیسے وہ کافی لمبی نیند کے بعد جاگا ہو۔ اس نے بھرائی ہ

آواز میں کہا۔ "میں اسے قتل کر دوں گا...... سب بکواس ہے۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ میں
اسے قتل کر دوں گا...... دنیا کی کوئی طاقت مجھے باز نہیں رکھ سکتی۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ گیا اور اس طرح دروازے کی طرف بڑھنے لگا جیسے اندھا ہو۔ پھر وہ ایک
میز سے ٹکرا کر گرتے گرتے بچا۔ میز الٹ گئی۔ لوگ چونک پڑے لیکن حمید اس سے لاپرواہ دروازے
کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

کلب کے محافظوں نے آگے بڑھ کر اسے روکنا چاہا لیکن ڈاکٹر سلمان نے انہیں ٹھہرنے کا
اشارہ کیا۔ جس میز سے حمید ٹکرایا تھا وہ خالی تھی۔ مگر ایک اعلیٰ قسم کے گلدان کا نقصان ضرور ہوا تھا۔

"میں گلدان کی قیمت ادا کر دوں گا۔" ڈاکٹر سلمان نے محافظوں سے کہا۔

"وہ میرے دوست تھے...... نشہ زیادہ تھا...... جاؤ...... کلرک سے کہہ دو...... میرے حساب
میں ڈال دے۔"

محافظ چپ چاپ واپس چلے گئے۔ ڈاکٹر سلمان نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا۔ ایک
سگریٹ منتخب کی اور اسے سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

فریدی بڑی دلچسپی سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ
حمید پر اس کی محنت ضائع نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر سلمان نے ایک ویٹر سے کچھ کہا اور وہ کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ جو تھوڑی دیر بعد ٹرے
میں ایک گلاس اور ایک بوتل لے کر واپس آیا۔

فریدی نے تھوڑی ہی دیر بعد محسوس کر لیا کہ ڈاکٹر بلانوشوں میں سے ہے۔

فریدی کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔ ڈاکٹر سلمان کی شخصیت اس کے لئے کافی دلچسپ تھی۔ وہ
اسے اور زیادہ قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔

ہال میں موسیقی کی لہریں نقرئی قہقہوں سے ہم آہنگ ہوتی رہیں۔ کچھ دیر بعد فریدی کو ڈاکٹر
سلمان کی میز کے قریب ایک جانا پہچانا سا چہرہ نظر آیا۔ یہ دلکشا کا منیجر تھا۔ ڈاکٹر سلمان نے سر ہلا کر
اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ فریدی دلکشا کے منیجر کے انداز میں احساس کمتری کی جھلکیاں محسوس کر رہا
تھا۔

"کیا خبر ہے؟" ڈاکٹر سلمان نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"آج کسی نے سردار شکوہ کو بہت بُری طرح زدوکوب کیا ہے۔"

"کیا مطلب......؟" ڈاکٹر سلمان نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کون تھا۔ خود سردار شکوہ نے بتایا۔"

"کیا وہ حملہ آور کو پہچانتا نہیں تھا۔"

"نہیں......اس کے بیان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی جانا پہچانا آدمی تھا۔"

"کیا تمہارے دونوں جملوں میں کسی قسم کا ربط موجود ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"دیکھئے میں عرض کرتا ہوں۔"

"جلدی کرو۔"

"اسے جس نے بھی پیٹا ہے بُری طرح پیٹا ہے۔"

"اور آئندہ کے لئے اسے تاکید کردو کہ ہمیشہ اچھی طرح پیٹا کرے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرا کر بولا۔ پھر انتہائی خشک لہجے میں کہنے لگا۔ "وہ لوگ جو کم سے کم الفاظ میں اپنا مافی الضمیر نہیں بیان کر سکتے انہیں مر ہی جانا چاہئے۔ کیونکہ جب وہ زبان ہلانے کے آرٹ سے ناواقف ہیں تو ان سے کوئی اچھی توقع کس طرح کی جاسکتی ہے۔"

"سردار شکوہ کہتا ہے کہ یہ میرا نجی معاملہ ہے۔ اس لئے میں اس کی تفصیلات میں جانا پسند نہیں کرتا۔ اس واقعے کا تنظیم سے کوئی تعلق نہیں۔"

"پھر شاید اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے ایک طویل سانس لے کر کہا اور چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد دلکشا کے منیجر کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "اس نے جو کچھ بھی کہا ہے اس سے بغاوت کی بو آتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ تنظیم میں شامل ہو جانے کے بعد آدمی کا کوئی بھی معاملہ انفرادی نوعیت کا حامل نہیں رہ جاتا۔ اس کے جسم کی ایک ایک حرکت تنظیم کی امانت ہوتی ہے۔"

"کیا آپ کٹل بالا جائیں گے؟"

"جانا ہی پڑے گا......اور میں اسی وقت جاؤں گا۔"

ڈاکٹر سلمان اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی دلکشا کا منیجر بھی اٹھا اور دونوں ہال سے چلے گئے۔

فریدی کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

نئے ساتھی

سردار شکوہ کی حالت ابتر تھی۔ جب بس وہاں پہنچی تو اس نے پتھر پر بیٹھے ہی بیٹھے ہاتھ اٹھا کر ڈرائیور کو روکنے کا اشارہ کیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں یہ بات بھی اس پر روشن ہو گئی کہ اب اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہو سکے گا کیونکہ شاید اس کا ایک ٹخنہ بھی اتر گیا تھا۔

وہ کٹل بالا کی جانی پہچانی ہوئی شخصیتوں میں سے تھا۔ شاید بس کے کچھ مسافر اسے پہچانتے تھے۔ انہوں نے اسے بس پر بیٹھنے میں مدد دی۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کو اس واقعے پر حیرت ہوئی ہوگی۔ لیکن وہ سردار شکوہ سے صحیح بات نہیں معلوم کر سکے۔

بہرحال اس کی حالت ایسی تھی کہ اسے ایک ہسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ پھر ذرا ہی سی دیر میں یہ خبر چاروں طرف مشہور ہو گئی......کہ سردار شکوہ ایک ویرانے میں زخمی پایا گیا ہے۔

یہ خبر تنظیم سے تعلق رکھنے والے کسی آدمی کے ذریعہ دلکشا ہوٹل کے منیجر تک بھی پہنچی اور وہ استفسار حال کے لئے کٹل بالا آیا۔ لیکن سردار شکوہ نے اسے بھی اصلیت سے آگاہ نہیں کیا۔ پھر اس نے ڈاکٹر سلمان کو اس واقعے کی اطلاع دی۔ فیریز ڈریم میں فریدی بھی موجود تھا۔ اس طرح دلکشا کے منیجر کے متعلق رہے سہے شکوک بھی رفع ہو گئے اور اس کا شمار بھی انہیں لوگوں میں کرنے لگا جن سے اسے نپٹنا تھا۔

فریدی نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ دونوں اب سیدھے کٹل بالا ہی جائیں گے۔ اس لئے وہ بھی فیریز ڈریم سے نکل آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ انہیں بھی راہ میں روک کر حیرت زدہ کیا جائے۔ مگر پھر یہ خیال ترک کر دیا۔ وہ سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ سردار شکوہ ڈاکٹر سلمان سے کیا بتاتا ہے۔

اس نے باہر نکلتے ہی ایک ٹیکسی لی اور کٹل بالا کی طرف روانہ ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے
دیکھا دور کسی کار کی ہیڈ لائیٹس نظر آ رہی تھیں اور وہ شائد ڈاکٹر سلمان ہی کی کار تھی......اس
راستے پر صرف دو ہی کاریں دوڑ رہی تھیں۔

کٹل بالا تک کار اس کی ٹیکسی کے پیچھے ہی رہی تھی۔ کٹل بالا پہنچ کر فریدی کی ٹیکسی
کے عقب میں ہونا پڑا اور فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔

''اسی کار کے پیچھے لگے رہو۔''

جب ڈاکٹر سلمان کی کار ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں داخل ہونے لگی تو فریدی نے ٹیکسی سڑک
پر رکوادی اور ڈرائیور کے ہاتھ میں دس دس کے تین نوٹ دیتا ہوا بولا۔ ''میرا انتظار کرنا۔''

''اچھا صاب......!'' ڈرائیور نے پرمسرت لہجے میں کہا۔ رام گڈھ سے کٹل بالا تک بڑ
تمام سات روپے بنتے لیکن اس مسافر کی فیاضی پر اسے حیرت بھی ہوئی اور شبہ بھی۔ لیکن اسے
سے کیا سروکار ہو سکتا تھا۔

فریدی کار سے اتر کر چپ چاپ ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔ دلکشا کا منیجر ڈا
سلمان کو پرائیویٹ وارڈ کی طرف لے جا رہا تھا۔ فریدی ان کے ساتھ ہی چلتا رہا اور انہیں شاید
پر شبہ کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی۔

جیسے ہی وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے فریدی چکر کاٹ کر وارڈ کی پشت پر پہنچ گیا۔ کمرا
کی ساخت سے اس نے پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ ہر کمرے میں عقبی کھڑکی ضرور ہوگی...... وارڈ
پشت پر چیڑ کا گھنا جنگل تھا...... فریدی کھڑکی کے نیچے دبک گیا...... کھڑکی سے آنے والی روشنی ایک
درخت کی شاخوں پر پڑ رہی تھی اور نیچے گہرا اندھیرا تھا۔

اس نے سردار شکوہ کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ ''میں تنگ آ گیا ہوں اپنے ہمدردوں سے......
اور میرا دل چاہتا ہے کہ خودکشی کر لوں...... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں کیا بتاؤں۔''

''لیکن تم مجھے بتاؤ گے۔'' یہ ڈاکٹر سلمان کی آواز تھی۔

''آپ کو تو بتانا پڑے گا لیکن یہ میرا نجی معاملہ ہے...... قطعی نجی۔''

''تمہارا کچھ بھی تمہارا نہیں ہے...... تم سب کچھ تنظیم کے لئے وقف کر چکے ہو۔''

''میری خدمات...... میری دولت...... ان کے علاوہ آپ اور کس چیز کی توقع رکھتے ہیں۔ کیا

میں اپنی محبت...... اپنی نفرت...... اور دشمنی کے جذبات بھی تنظیم کیلئے وقف کر چکا ہوں۔''

''تم باہر ٹھہرو......!'' ڈاکٹر سلمان نے غالباً دلکشا کے منیجر سے کہا تھا۔

فریدی نے قدموں کی آواز سنی جو بتدریج دور ہوتی ہوئی سناٹے میں مدغم ہو گئی۔

''یہ سب کچھ ایک عورت کے لئے ہوا ہے ڈاکٹر......!'' سردار شکوہ کی آواز آئی۔

فریدی ایک طویل سانس لے کر مسکرانے لگا۔ پھر اس نے ڈاکٹر سلمان کی آواز سنی جو کہہ رہا
تھا۔ ''اوہ...... تم اپنی عادتوں سے باز نہیں آؤ گے۔''

''میں مجبور ہوں ڈاکٹر...... نفسیاتی طور پر...... میری تفریح عورت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ مجھے
سب کچھ ایک عورت میں مل جاتا ہے اور جب عورت نہیں ملتی تو میری روح کسی شیر خوار بچے کی طرح
بلکتی رہتی ہے۔''

''تمہیں شاید ماں باپ کا پیار نہیں ملا۔'' ڈاکٹر سلمان بولا۔

''ہاں جب میں ایک سال کا تھا...... میری ماں مر گئی تھی۔''

''تو وہ تمہارا کوئی رقیب تھا۔''

''ہاں...... ڈاکٹر...... یہ میرا نجی معاملہ ہے۔ میں اُس سے سمجھ لوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ ''تنظیم سے اس کا کوئی تعلق نہیں لیکن میں ذاتی طور پر
تمہاری مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''شکریہ...... مجھے آپ سے یہی توقع تھی لیکن میں خود ہی نپٹ لوں گا۔ میرے لئے باعث
شرم ہے کہ میں اس چھوٹے سے معاملے کے لئے آپ سے مدد طلب کروں۔ بس میں دھوکے میں
مار لیا گیا...... وہ کئی تھے۔''

ایک بار پھر فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''مجھے دراصل اس لئے تشویش تھی کہ اس وقت وہ خونخوار بھیڑیا ہماری نظر میں نہیں ہے اور کوئی
نہیں جانتا کہ وہ کب کیا کر بیٹھے۔'' ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

''خونخوار بھیڑیا...... میں نہیں سمجھا۔''

''فریدی۔'' ڈاکٹر سلمان نے کہا اور تھوڑی دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔

ٹھیک اسی وقت فریدی نے فیصلہ کیا کہ اب حمید سے دور ہی رہے گا۔ کیونکہ ایسے حالات میں

اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنا عقلمندی سے بعید ہوگا۔

ایک طویل خاموشی کے بعد ڈاکٹر سلمان کی آواز پھر سنائی دی۔ وہ اب زخموں کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہا تھا۔

فریدی چپ چاپ وہیں جما رہا۔ لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ یہاں وقت برباد کرنا فضول ہے کیونکہ ان کی گفتگو زیادہ تر رسمی تھی۔ فریدی سمجھا تھا شاید اب وہ تنظیم کے متعلق بھی کچھ گفتگو کریں گے مگر شائد وہ اس مسئلے پر بہت زیادہ محتاط تھے۔ بہر حال فریدی اس وقت تک وہیں رہا جب تک کہ ڈاکٹر سلمان رخصت نہیں ہوگیا۔

وہاں سے نکل کر فریدی پھر ٹیکسی کی طرف واپس آیا اور ڈرائیور سے ریالٹو کی طرف چلنے کو کہہ کر پچھلی نشست کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ لیکن ذہن جاگ رہا تھا۔ سردار شکوہ کے متعلق سوچنے لگا۔ اس کے بارے میں بھی اس سے اندازے کی غلطی نہیں سرزد ہوئی تھی۔ سردار شکوہ نے اس کا نام نہیں لیا تھا۔ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ ڈاکٹر سلمان اسے زندہ چھوڑتا وہ یہ سوچتا کہ فریدی نے اسے صرف زدوکوب ہی کر کے چھوڑ دیا۔ اگر اسے اس پر شبہ تھا تو باضابطہ کاروائی کیوں نہیں کی۔ سوچتے سوچتے وہ اسی نتیجہ پر پہنچتا کہ فریدی نے سردار شکوہ پر تشدد کر کے اس سے کچھ اگلوالیا ہے اور پھر مزید کاروائی کی ضرورت نہ سمجھ کر اُسے زخمی حالت میں چھوڑ گیا۔ غالباً سردار شکوہ نے بھی یہی سوچا ہوگا۔ اسی لئے اس نے کسی خیالی رقابت کا قصہ چھیڑ دیا تھا۔

بہر حال اب تک جو کچھ بھی ہوا تھا فریدی کے حق میں بہتر ہی ہوا تھا۔

ریالٹو پہنچ کر اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو دس کا ایک نوٹ اور دیا ٹیکسی چلی گئی۔ فریدی ریالٹو کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوا...... یہ ہوٹل بالا کا سب سے اچھا ہوٹل تھا۔

فریدی نے یہاں رات کا کھانا کھایا اور واپسی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کی نظر ڈاکٹر سلمان پر پڑی۔ شاید وہ پینے کیلئے یہاں رک گیا تھا۔ لیکن اب دلکشا کا منیجر اس کے ساتھ نہیں تھا۔

فریدی نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر سلمان بے تحاشہ پیتا ہے۔ اس نے اٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ ویسے اس کا خیال تھا کہ ریالٹو کے ویٹروں کے لئے ڈاکٹر سلمان کی شخصیت نئی نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے قریب سے گذرتے وقت نہایت ادب سے سلام کرتے تھے۔

فریدی سگار سلگا کر قرب و جوار کی میزوں کا جائزہ لینے [illegible] نداز ایسا تھا جیسے لڑکیوں کو گھور رہا

ہو۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ ان لوگوں میں سراسیمگی ہی پھیلائی جائے۔

ڈاکٹر سلمان جلد اٹھتا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اس نے کافی مقدار میں شراب طلب کی تھی اور اب اس کی میز پر پیشہ ور قسم کی دو لڑکیاں بھی پہنچ گئی تھیں۔ انداز سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہوٹل میں ٹیبل پارٹنر بننے والی لڑکیاں ہیں ویسے ہوسکتا تھا کہ وہ بھی تنظیم کے متعلق رہی ہوں۔

فریدی بل ادا کر کے باہر آیا...... چند لمحے کمپاؤنڈ میں کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر ڈاکٹر سلمان کی کار کے قریب آکر اس کے ڈیش بورڈ کو ٹٹولنے لگا۔ ڈاکٹر نے شاید کھڑکیوں کو مقفل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ فریدی نے نہایت اطمینان سے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کردیا۔ دوسرے ہی لمحے میں کار کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ رام گڈھ والی سڑک پر موڑ دی گئی۔

رات آدھی گذر چکی تھی۔ کار فلک بوس پہاڑوں کے دامن میں دوڑتی رہی۔ رام گڈھ پہنچ کر فریدی نے دفتر روابط عامہ کا رخ کیا۔ یہ ایک بڑی عمارت میں واقع تھا۔ عمارت کے تین کمرے ادارہ کے اسٹاف کے لئے وقف تھے اور بقیہ حصے میں ڈاکٹر سلمان خود رہتا تھا۔

فریدی نے کار پھاٹک کے سامنے روک دی۔ پھاٹک بند تھا......اور کمپاؤنڈ میں بھی روشنی نہیں نظر آرہی تھی۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ ڈاکٹر سلمان عموماً راتیں گھر سے باہر گذارتا ہے۔ کار روک کر وہ پھاٹک پر آیا اور چند لمحے ٹھہر کر اندازہ کرتا رہا کہ اندر کوئی چوکیدار تو موجود نہیں ہے لیکن اندر سے کسی قسم کی آواز نہیں آئی۔ فریدی کار پشت پر لے آیا۔ ڈکے کو اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ مقفل تھا۔ اس نے جیب سے ایک باریک سا اوزار نکالا...... پھر ڈکے کا قفل کھولنے میں ایک منٹ سے زیادہ وقت بھی نہیں صرف ہوا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی۔

یہاں بھی اس کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ وہاں پٹرول کے کئی ٹن موجود تھے۔ فریدی نے انہیں نکال کر کار پر انڈیلنا شروع کردیا۔ دو یا تین منٹ بعد وہ کار سے آٹھ یا دس گز کے فاصلے پر کھڑا تھا اور کار سے یہاں تک بہتے ہوئے پٹرول کی ایک لکیر اس کے پیروں کے قریب پہنچی ہی تھی کہ اس نے دیا سلائی کھینچ کر اس پر پھینک دی اور خود پوری قوت سے دوسری طرف دوڑنے لگا۔

جب تک وہ ڈھال سے نیچے نہیں اتر آیا اسے برابر روشنی دکھائی دیتی رہی۔ تقریباً چار فرلانگ تک دوڑنے کے بعد وہ رک گیا۔ دستانے اتار کر جیب میں رکھے اور پھر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

اب وہ اپنی قیام گاہ کی طرف واپس جا رہا تھا۔

اس نے آج ہی اپنے قیام کا انتظام بھی کرلیا تھا۔ چند ہی گھنٹوں میں کچھ دوست بھی بنالئے تھے لیکن یہ قیام گاہ بھی خطرناک تھی اور دوست بھی اچھے آدمی نہیں تھے۔ رام گڈھ کے چھٹے ہوئے بدمعاش اور یہ قیام گاہ بھی افضل خان کی سرائے۔ سرائے ایسی جگہ واقع تھی جہاں سے بھوری پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا اور بھوری پہاڑیوں کو پولیس کی اصطلاح میں مجرموں کی آغوش مادر کہا جاتا تھا۔ رام گڈھ کے مفرور ملزم ہمیشہ انہیں پہاڑیوں کا رخ کرتے اور پولیس کے لئے انہیں دوبارہ ڈھونڈھ نکالنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا تھا۔

فریدی نے پہلے ریالٹو میں قیام کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن سردار شکوہ سے نپٹنے کے بعد اس نے سوچا کہ کوئی غیر معروف اور گھٹیا سی جگہ زیادہ مناسب رہے گی۔ افضل خان کی سرائے "غیر معروف" تو نہیں تھی لیکن اس کے متعلق یہ نہیں سوچا جاسکتا تھا کہ وہاں فریدی جیسا آدمی بھی قیام کرسکے گا۔

سرائے پہنچ کر وہ اپنی کوٹھری میں چلا گیا۔ نہ اسے یہاں کی گندگی کی پرواہ تھی اور نہ گھٹن کی۔ وہ اپنے گھر پر ایک انتہائی نفاست پسند آدمی نظر آتا تھا لیکن یہاں اسے دیکھنے والے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ نچلے ہی طبقے کا ایک فرد نہیں ہے۔ ویسے اس کے عمدہ سلے ہوئے سوٹ کے متعلق ان کا یہی خیال تھا کہ وہ اندھیری رات کی کسی مہم میں ہاتھ آیا ہوگا...... وہ اس کے متعلق چہ میگوئیاں کرتے لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس سے کچھ پوچھتا۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو اسے سراغ رساں سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ان کی ٹوہ میں آیا ہے لیکن پھر سوچتے کہ اگر یہ بات ہوتی تو اتنا اچھا سوٹ پہن کر اس سڑی سی سرائے میں قیام نہ کرتا...... بلکہ ایسے پھٹے حالوں یہاں آتا کہ انہیں اس پر شبہ بھی نہ ہوسکتا۔

فریدی نے ایک گوشے میں پڑا ہوا کمبل اٹھایا اور اسے زمین پر بچھا کر تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا...... پھر ایک سگار سلگا کر لیٹ گیا۔ اس کے چہرے پر گہرے سکون کے آثار تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسے اس کی اپنی خواب گاہ میں نفیس ترین بستر پر آرام کرتے وقت ہوا کرتے تھے۔

یہ فریدی تھا۔ اپنے وقت کا پراسرار ترین آدمی، جس کی زندگی کے ہزار ہا پہلو اب بھی پردہ راز میں تھے۔ شائد کیپٹن حمید بھی ان سے ناواقف تھا۔ صرف ایک ہی حیرت انگیز دریافت اس کے حیران رہ جانے کیلئے کافی تھی اور وہی اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ یہ تھی فریدی کی بلیک

فورس...... وہ نہیں جانتا تھا کہ اس میں کتنے آدمی ہیں اور یہ کس قسم کی تنظیم ہے۔ وہ لوگ فریدی کے لئے مفت کام کرتے ہیں یا انہیں اس کا معاوضہ ملتا ہے۔ معاوضہ ملتا ہے تو کہاں سے؟ کیا اس کا بار فریدی کی اپنی جیب پر ہے مگر یہ بات قرین قیاس نہیں تھی۔ کیونکہ فریدی کے بیانات سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ بلیک فورس میں لاتعداد آدمی ہیں۔

فریدی لیمپ کی روشنی کم کرنے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون ہے؟"

"کھولو یار...... تم بھی بس۔" باہر سے آواز آئی۔

فریدی نے دروازہ کھول دیا۔ باہر ایک بے ہنگم سا آدمی کھڑا دانت نکالے اسے گھور رہا تھا۔

"میں نے کہا کیا کچھ چال پھیر کا بھی شوق ہے؟" اس نے ہتھیلی پر ہتھیلی رگڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... آں ہے کیوں نہیں۔" فریدی بھی اسی انداز میں ہنس کر بولا۔ "مگر میں ہمیشہ لمبا کھیل کھیلتا ہوں۔"

"او...... ہو...... کتنا لمبا......؟"

"جتنا بھی لمبا ہوسکے۔"

"تو آؤ......!" وہ آدمی ہاتھ جھٹک کر بولا۔

فریدی نے باہر نکل کر دروازہ مقفل کیا اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔ اس نے ابھی تک کپڑے نہیں اتارے تھے۔

وہ ایک بوسیدہ سے دلان میں آئے جہاں ایک بڑا سا لیمپ روشن تھا اور زمین پر پڑی ہوئی دری پر چار آدمی بیٹھے تھے۔ درمیان میں تاش کے پتے بکھرے ہوئے تھے۔ ان میں سے تین کو فریدی پہچانتا تھا۔ وہ یہیں سرائے ہی میں رہتے تھے۔ چوتھا اجنبی تھا۔ شائد وہ اسے کہیں باہر سے پھانس کر لائے تھے۔ آدمی مالدار معلوم ہوتا تھا۔ لیکن صورت سے شریف یا سیدھا سادہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے مکاری ٹپکتی تھی۔

ان لوگوں نے فریدی کا استقبال بڑی گرم جوشی سے کیا۔

کھیل شروع ہوگیا اور ان میلے کچیلے خستہ حال بدمعاشوں کی جیبوں سے سو سو کے نوٹ نکلنے لگے۔

اچانک تھوڑی دیر بعد فریدی نے اپنے پتے رکھ دیئے اور داؤں پر پڑے ہوئے نوٹوں میں سے ایک اٹھا کر لیمپ کی روشنی میں دیکھنے لگا۔ یہ نوٹ اسی اجنبی کے جیب سے نکلا تھا۔ دوسرے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور اجنبی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کے لئے خود کو تیار کر رہا ہو۔

"کیوں بے۔" دفعتاً فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ "استادوں سے استادی۔"

"کیا مطلب......؟" وہ پیچھے کھسکنے لگا۔

"ہمیں لوٹنے آئے ہو......جعلی نوٹ۔"

"بکواس ہے۔"

فریدی نے الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ بقیہ چار حیرت سے منہ کھولے انہیں دیکھ رہے تھے۔ مار کھا کر اس آدمی نے چھرا نکال لیا اور پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے جا لگا۔

"اگر کوئی میرے قریب آیا......تو......" وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"مار ڈالو سالے کو۔" چاروں بیک وقت چیخے۔

"ٹھہرو......!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس کے پاس لمبی رقم معلوم ہوتی ہے......مگر جعلی......تم لوگ چپ چاپ بیٹھے رہو۔ میں دیکھتا ہوں۔"

فریدی آہستہ آہستہ خونخوار اجنبی کی طرف بڑھنے لگا۔

"آؤ......آؤ......تمہاری موت ادھر لا رہی ہے۔" اس نے کہا۔

فریدی اس سے ایک گز کے فاصلے پر رک گیا۔ اچانک اجنبی نے اس پر جست لگائی لیکن اس کا چاقو والا ہاتھ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کی آہنی گرفت میں تھا......اور پھر وہ فریدی کی کمر سے لگتا ہوا کسی شہتیر کی طرح چاروں خانے چت فرش پر گرا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔

اور اب پھر اس میں اتنی سکت کہاں رہ گئی تھی کہ فریدی کا گھٹنا اپنے سینے پر سے ہٹا سکتا۔

"بڑے جیالے ہو۔" فریدی اس کے گال پر تھپڑ مارتا ہوا بولا۔

چاروں بے تحاشہ ہنس رہے تھے......فریدی نے دوسرا تھپڑ مارتے ہوئے اسے سیدھا کر دیا۔

"اگر تم نے ذرا بھی ہاتھ پیر ہلائے تو اپنے پیروں سے چل کر یہاں سے نہیں جا سکو گے۔ ہم غریبوں کو لوٹنے آئے تھے۔ ہماری ہار اور جیت دونوں ہی افسوس ناک ہوتیں۔" پھر اس نے ان چاروں سے کہا۔ "ارے یارو کیا دیکھتے ہو......اس کی تلاشی لو۔"

یہ کام بڑے سکون کے ساتھ ہو گیا۔ اس کی جیبوں سے تیس ہزار کے جعلی نوٹ برآمد ہوئے۔ کچھ اچھی کرنسی بھی تھی۔ لیکن اس کی تعداد اڑھائی سو سے آگے نہیں بڑھی اور جسے فریدی نے اسی وقت ان چاروں آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔

"اب بتاؤ۔" فریدی پھر اس کے چہرے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "یہ نوٹ تمہیں کہاں سے ملے تھے؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔ اس طرح چپ سادھ لی تھی جیسے گونگا ہو۔

فریدی نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ بقیہ چاروں اب اسے شبہے کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں۔ دفعتاً وہ ان کی طرف مڑ کر بولا۔ "کمائی کیلئے یہ بہترین موقع ہے اسے کہیں بند کر دینا چاہئے۔"

"کیا کرو گے؟"

"پہلے اسے کہیں بند تو کر دیں پھر بتائیں گے۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔" اجنبی نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "کمائی کیا کرو گے؟"

"ہم کر لیں گے بیٹا......تم اپنی چونچ بند رکھو۔" فریدی نے ایک بھدا سا قہقہہ لگایا۔

اتنے میں سرائے والی غل غپاڑہ مچاتی ہوئی وہاں آ گئی۔

"کیا شور مچا رکھا ہے تم لوگوں نے۔"

"ارے......جاؤ......کچھ نہیں ہم لوگ بگڑی بنا رہے ہیں یہ لو۔" فریدی اسے دس دس کے تین نوٹ دیتا ہوا بولا۔ "چپ چاپ جا کر سو جاؤ۔"

"ابھی کیسے سو جاؤں......کئی حرامیوں لاخیروں نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔"

"اچھا......بس اب جاؤ۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر ہاتھ جھٹکتا ہوا بولا۔

"یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔" دفعتاً اجنبی نے چیخ کر کہا۔

"تو تم یہاں آئے کیوں ہو......حرام کے جنو۔" اس نے لاپروائی سے کہا اور مٹکتی ہوئی چلی گئی......پھر ان لوگوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اجنبی کو دھکیل کر ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔

اسکے ہاتھ پیر باندھ دیئے گئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا تا کہ وہ شور نہ مچا سکے۔

پھر وہ چاروں فریدی کے بولنے کا انتظار کرنے لگے۔

''سنو دوستو!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ایسے مواقع روز روز ہاتھ نہیں آتے...... اگر ہم نے ان لوگوں کو جکڑ لیا تو مالا مال ہو جائیں گے۔ ہمیشہ لمبے ہاتھ مارنے کی فکر میں رہا کرو۔''

''بات بھی تو بتا یار مرے۔'' ایک نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہمیں ان لوگوں کا پتہ لگانا پڑے گا جو نقلی نوٹ بناتے ہیں۔''

''تب پھر تم ہمیں پولیس میں بھرتی کرادو۔'' دوسرے نے قہقہہ لگایا۔

''تم سمجھتے نہیں...... ہم پولیس کو اسکی ہوا بھی نہ لگنے دیں گے۔ خود کمائی کریں گے کیا سمجھے۔''

''کچھ نہیں سمجھے یار...... پھر کوشش کرو۔'' ایک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''ہم تمہیں اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ تم جاسوس ہو...... اور اب یہاں سے بچ کر نہیں جاسکتے۔''

وہ فخریہ انداز میں سینہ تانے فریدی کے سامنے کھڑا تھا اور اس کے بقیہ تین ساتھیوں نے اپنی دانست میں فرار کی ساری راہیں مسدود کر دی تھیں۔

''تم لوگ پاگل ہو گئے ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اگر میں جانا چاہوں تو تمہارے فرشتے بھی نہ روک سکیں گے۔ ہماری دوستی بالکل نئی ہے۔ اگر تم لوگ میرے ہاتھوں زخمی ہوئے تو مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔''

سامنے کھڑے آدمی نے فریدی پر ہاتھ چھوڑ دیا لیکن وہ اسی کے ایک ساتھی کے سر پر پڑا۔ فریدی ان کے نرغے سے دور کھڑا مسکرا رہا تھا۔

ایک بار پھر اس نے کہا۔ ''وہم میں نہ پڑو...... اب بھی میرا دل تمہاری طرف سے بُرا نہیں ہوا۔ ویسے تم مجھے کبھی نہ پاسکو گے۔ میں تم جیسے چالیس آدمیوں کو اسی طرح جھکاتا ہوا بھوری پہاڑیوں تک پہنچ جاؤں گا۔''

وہ چاروں بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ فریدی پھر بولا۔ ''میں کوشش کرتا ہوں کہ قتل سے بچ سکوں مگر میری تقدیر...... میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ تم لوگ مجھے اس پر مجبور کر دو گے اور مجھے زندگی بھر کوفت رہے گی کہ میں نے کسی کو دوست کہہ کر قتل کر دیا۔''

اس نے جیب سے چاقو نکال کر کھولا...... کڑکڑاہٹ کی آواز سناٹے میں گونج کر رہ گئی۔ پھر

نے کہا۔ ''تم لوگ بھی اپنے چاقو نکال لو...... میں تمہیں ایک شاندار کھیل دکھاؤں گا۔''

''نہیں دوست......!'' لمبے آدمی نے آہستہ سے کہا۔ ''چاقو رکھ لو۔ ہم غلطی پر تھے۔''

فریدی چاقو کا پھل چوم کر اسے بند کرتا ہوا بولا۔ ''خدا کا شکر ہے۔''

''خدا کا شکر ہے۔'' چاروں نے بیک وقت دہرایا۔ پھر ایک ایک کر کے وہ چاروں اس سے بغلگیر ہوئے۔

''اب پھر ہمیں معاملے کی بات کرنی چاہئے۔'' فریدی نے دری پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے ہمیشہ لمبے ہاتھ مارے ہیں۔ بہت اونچے قسم کے معاملات میں شریک رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ٹولی ان لوگوں کے لئے صرف کام کرتا ہوگا جو جعلی نوٹ بناتے ہیں۔ بنانے والے خود کبھی انہیں بازار میں نہیں پھیلاتے۔ یہ کام ان کے ایجنٹ کرتے ہیں۔ بنانے والوں کا کام تو نقلی کے عوض اصلی کرنسی سمیٹنا ہوتا ہے۔ اگر کسی طرح ہم ان لوگوں تک پہنچ جائیں تو انہیں بلیک میل کر سکتے ہیں۔''

''بلیک میل کیا ہوتا ہے۔'' لمبے آدمی نے پوچھا۔

''کسی کو ڈرا دھمکا کر روپیہ وصول کرنے کو کہتے ہیں۔ ہم انہیں پولیس کا خوف دلا کر ان سے بڑی بڑی رقمیں اینٹھیں گے...... کیا سمجھے۔''

''اگر انہوں نے نقلی ہی نوٹ تھما دیئے تو۔''

''میں کہیں مر گیا ہوں...... تم نے دیکھا کہ میں نے ایک ہی جھلک دیکھ کر تاڑ لیا تھا کہ نوٹ نقلی ہیں۔''

''اچھا...... اور...... تیس ہزار۔''

''انہیں جلا دیں گے...... کچا کام کبھی نہ کرنا چاہئے۔ پولیس سے بچنا ہی چاہئے۔''

''ٹھیک ہے...... اچھا تو چلو اس سے پوچھیں۔''

''ٹھہرو...... پہلے ایک بات کا فیصلہ کر لو۔''

''کہہ ڈالو......!'' لمبے آدمی نے کہا۔

''تمہیں ہر حال میں میری بات ماننی پڑے گی تم اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکو گے۔''

''منظور ہے پارٹنر......!'' وہ فریدی کے ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ ''ایسے دوست کہاں ملتے ہیں یار۔''

نئی راہ پر

حمید نے اخبار اٹھایا اور اس کی نظر سب سے بڑی سرخی پر جم گئی۔

"دشمنوں کو دوست بنانے والا خود ہی کسی کی دشمنی کا شکار ہو گیا۔" اور پھر نیچے دی ہوئی
بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ یہ ڈاکٹر سلمان کی کار کی پراسرار کہانی تھی جسے کوئی کھل بالا سے لے
تھا...... ڈاکٹر سلمان کو وہاں سے گھر تک ٹیکسی میں آنا پڑا اور جب وہ گھر پہنچا تو اسے پھاٹک
سامنے اپنی کار جلی ہوئی ملی...... حمید کا خیال فریدی کی طرف گیا۔ وہ یقین کرنے پر مجبور تھا
حرکت فریدی ہی کی تھی۔ وہ اکثر ایسے ہی بے تکے کام کر گذرتا تھا...... بظاہر وہ بے تکے ہوتے
حمید کی نظر سے آج تک کوئی ایسا واقعہ نہیں گذرا تھا جس کے نتائج دور رس نہ ثابت ہوئے ہوں
حمید نے اس خبر کو کئی بار پڑھا...... پھر باہر جانے کے لئے تیاری کرنے لگا۔ لیکن اسی دوران میں
اس طرح خیالات میں گم ہوا کہ آدھے کپڑے جسم پر اور آدھے کرسی کی پشت گاہ پر پڑے رہ
وہ سوچ رہا تھا کہ اب ایک دلچسپ ڈرامہ ہوا ہے۔ ایسا دلچسپ کہ شائد زندگی میں ایک ہی بار
سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے۔ وہ خود کو کرنل فریدی کا دشمن ظاہر کر رہا تھا مگر وہ تجربہ کیا تھا
اس پر اس زمین دوز دنیا میں کیا گیا تھا۔ وہ لوگ سارے کام سائینٹیفک اصولوں پر کرتے تھے۔
یہ کس اصول کے تحت ہو سکتا ہے کہ حمید صرف ایک آدمی سے سالہا سال کے تعلقات ختم کر کے ا
دشمن ہو جاتا۔ یہ کسی جادوگر کا کمال تو ہو سکتا ہے لیکن شائد سائنس سے اس کا دور کا بھی علاقہ
ہوتا...... کافی سوچ بچار کے بعد یہ بات حمید کی سمجھ میں آئی کہ اس تجربے کا مقصد پچھلی ذہنی زندگی
متاثر کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی پچھلے تمام تر تعلقات کے سلسلے میں دشمنی کے جذبات کا ابھارنا......
اس طرح صرف فریدی کے خلاف بغض و عناد کا اظہار یقیناً بے تکا ہوتا۔ اس نے سوچا کہ اب ا
سارے پرانے تعلقات پر دشمنوں کی طرح نظر ڈالنی چاہئے کیوں نہ اس سلسلے میں روحی ہی
شروعات کی جائے۔ یقیناً اس چیز کی بے تحاشہ پبلسٹی ہوگی اور اس کا مطمح نظر بھی یہی تھا کہ کسی طر
تنظیم کے آدمیوں تک اس کے بدلتے ہوئے رجحانات کی اطلاع پہنچ جائے۔

وہ تھوڑی دیر خاموش بیٹھا رہا...... پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی۔ ا

بلیرڈ روم سے بلیرڈ کھیلنے کی ایک لکڑی حاصل کی اور باہر برآمدے میں آ گیا۔ جہاں روحی،
شابہ اور قاسم تاش کھیل رہے تھے۔ وہ حمید کو بھی اپنی تفریحات میں شریک کرنا چاہتے مگر حمید انکار
دیتا۔ ان سے الگ تھلگ گم سم بیٹھا رہتا۔ قاسم کو بھی اس کے اس رویہ پر حیرت تھی...... بہرحال
وہ روحی اور نوشابہ کا بلاشرکت غیرے مالک بن بیٹھا تھا...... روحی بہت کم گھر سے نکلتی...... زیادہ
انہیں لوگوں میں گذارتی۔ شاید اسی کی خاطر نوشابہ نے بھی اپنے اسکول سے ایک ماہ کی چھٹی
لی تھی۔

اس وقت بھی انہوں نے حمید کو برآمدے میں آتے دیکھ کر چہکارتی ہوئی آوازوں سے اس کا
استقبال کیا لیکن حمید کی پیشانی پر پڑی ہوئی سلوٹیں کسی طرح بھی رفع نہ ہوئیں۔

وہ چپ چاپ قاسم کی کرسی کی پشت پر کھڑا ہو گیا۔ وہ لوگ کھیلتے رہے۔ دفعتاً حمید نے روحی
سے کہا۔ "یہ اُلو کا پٹھا...... تمہارے کارڈ دیکھ رہا ہے۔"

"قون......!" قاسم چونک پڑا پھر ہنس کر بولا۔ "نہیں تم کیوں جھوٹ بولتے ہو۔"

مگر اس کی ہنسی دیر تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ حمید کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ
قاسم کو گالیاں دیتے دیتے خاموش ہو گیا ہو۔ قاسم کو فوراً ہی یاد آ گیا کہ حمید نے اسے اُلو کا پٹھا کہا
تھا۔ اس نے جھینپی ہوئی نظروں سے نوشابہ اور روحی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی متحیر انداز میں حمید کو دیکھ
رہی تھیں۔ حمید قاسم کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے چوری سے کسی کے کارڈ دیکھ لینا قتل کر دینے کے
مترادف ہو۔

"اے تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" قاسم غرا کر کھڑا ہو گیا۔

"چپ رہو بدتمیز......!" حمید نے چھوٹتے ہی لکڑی اس کے سر پر رسید کر دی۔

"ہائیں......!" قاسم نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اور اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے
نکلتی ہوئی معلوم ہونے لگیں۔ ان پر حیرت اور غصے نے بیک وقت حملہ کیا تھا۔

نوشابہ اور روحی بھی بوکھلا کر کھڑی ہو گئیں تھیں۔

"کمینے...... کتے۔" حمید نے دوبارہ لکڑی گھمائی اور وہ اس بار قاسم کے شانے پر پڑی اور
قاسم کھوپڑی سے باہر ہو گیا۔

"مار ڈالوں گا......!" وہ دہاڑتا ہوا حمید کی طرف لپکا۔ لیکن حمید نے جھکائی دے کر پھر ایک

لکڑی رسید کردی۔

"ابے پاگل ہوگیا ہے...... مارڈالوں گا۔" اس بار قاسم نے پوری قوت سے حملہ کیا لیکن
لکڑی بھی اس کے مقدر میں تھی۔

"یہ کیا ہوگیا ہے آپ کو۔" روحی نے چیخ کر کہا۔

"شٹ اپ......!" حمید نے اس کی طرف بھی لکڑی گھمائی اور وہ برآمدے کے
پڑی۔ قاسم کا دوسرا حملہ اسے برآمدے سے نیچے لے گیا۔ جیسے ہی قاسم زمین پر گرا...... حمید
تین لکڑیاں اور رسید کردیں۔

غصے کی وجہ سے قاسم کی حالت دگرگوں تھی۔ وہ پھر اٹھا اور زمین سے بڑے بڑے پتھر
حمید پر پھینکنے لگا۔ وہ حمید کی طرح اچھل کود نہیں سکتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے حمید نے ریوالور نکال
برآمدے میں کھڑی ہوئی عورتیں چیخنے لگیں۔ حمید نے فائر کردیا۔ قاسم چیختا ہوا زمین پر ڈھیر
حالانکہ یہ حقیقت تھی کہ گولی اس کے سر سے ایک فٹ اونچی گئی تھی۔

پھر اس نے ایک فائر برآمدے کی طرف بھی کیا۔ کسی دروازے کا شیشہ جھنجھنا کر چور ہو
دونوں عورتیں چیختی ہوئی ایک دوسرے پر گرنے لگیں۔

اس کے بعد حمید دو ہی تین جستوں کے بعد پائیں باغ کے باہر تھا۔ وہ پوری قوت سے
پر دوڑتا رہا لیکن اس کے پیچھے دوڑنے والا کوئی نہیں تھا۔ روحی کے نوکر ان لوگوں کو سنبھالنے م
گئے تھے۔

تقریباً دو تین فرلانگ تک وہ ایک ہی رفتار سے دوڑتا رہا...... پھر اس کی سانس پھول
چونکہ وہ اترائی تھی اس لئے اتنی دور تک چلا بھی آیا تھا۔ ورنہ چڑھائی پر اس طرح دوڑنا ناممکن
ہوتا...... وہ سڑک کے کنارے ایک چٹان سے ٹک کر دم لینے لگا۔

یہاں سے شہر تک پہنچنا بھی ایک مشکل مسئلہ تھا۔ وہ جلد از جلد ان اطراف سے نکل جانا
تھا۔ اسے یقین تھا کہ روحی اس واقعے کی اطلاع ماتھر کو ضرور دے گی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اب تک
مطلع کر بھی چکی ہو کیونکہ کوٹھی میں فون موجود تھا۔

وہ پھر اٹھا اور چلنے لگا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں قاسم ہی اس کی تلاش میں نہ چل پڑے
اب وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان لوگوں سے دوبارہ مڈھ بھیڑ ہو۔ لہٰذا وہ سڑک کے بائیں جانب والے

میں اترنے لگا۔ دفعتاً اسے کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ مگر وہ کسی ٹرک ہی کی کرخت آواز ہوسکتی
تھی۔ روحی کی اسٹیشن ویگن بے آواز تھی۔ حمید چلتے چلتے رک گیا۔ موڑ پر اسے ٹرک کا اگلا حصہ دکھائی
دیا اور حمید پھر بڑی پھرتی سے سڑک پر آگیا۔ ہاتھ اٹھا کر ٹرک رکوائی اور جھنجھلائے ہوئے ڈرائیور کو
کسی نہ کسی طرح اس بات پر آمادہ کر ہی لیا کہ وہ اسے شہر پہنچا دے اور اس کے عوض اس نے دس
دس کے دو نوٹ ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ اس نے اسے اپنے پاس ہی بٹھا لیا اور حمید بڑبڑانے
لگا۔ "یہ سالے دوست بھی بڑے کمینے ہوتے ہیں۔ ایسا مذاق کرتے ہیں کہ گولی مار دینے کو جی چاہتا
ہے۔"

ڈرائیور جو اسے شبہے کی نظر سے دیکھ رہا تھا بولا۔ "کیوں صاحب......"

"ارے ہم جا رہے تھے پکنک پر جھلوار...... راستے میں پیشاب کے لئے مجھے اترنا پڑا۔ کم
بخت گاڑی نکال لے گئے۔ میں وہیں کا وہیں رہ گیا۔ خدا غارت کرے۔"

ڈرائیور ہنسنے لگا اور غالباً اس کے شکوک وشبہات ختم ہوگئے۔

شہر پہنچ کر حمید نے ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی کی راہ لی۔ چار بج چکے تھے اسے وہاں پہنچنے میں دیر
نہیں لگی کیونکہ شہر پہنچتے ہی اس نے ایک ٹیکسی لے لی تھی۔ آتش زدہ کار اب بھی پھاٹک کے سامنے
موجود تھی۔ اسے اس جگہ سے ہٹا کر کہیں اور نہیں لے جایا گیا تھا۔ حمید ٹیکسی سے اتر کر پھاٹک کی
طرف بڑھا اور نہایت اطمینان سے باغ کی روش پر ٹہلتا ہوا پورچ کی طرف جانے لگا۔ پوری عمارت
پرسکون طاری تھا۔ شاید ادارہ روابط عامہ کا دفتر بھی بند ہوچکا تھا۔

حمید نے جیسے ہی پورچ میں قدم رکھا اس کی عاقبت روشن ہوگئی۔ پام کے بڑے گملے پر ایک
پیر رکھے اور ستون سے ٹیک لگائے ایک بڑی خوبصورت لڑکی خلاء میں گھور رہی تھی۔ وہ یقیناً
خوبصورت تھی اور اس کی آنکھیں خواب ناک سی تھیں۔ خفیف سے کھلے ہوئے ہونٹوں کے درمیان
سفید دانتوں کی چمکدار لکیر جھانک رہی تھی اور ایک آوارہ سی لٹ اس کے بائیں گال پر جھول گئی تھی۔

حمید کو دیکھ کر وہ سیدھی کھڑی ہوگئی۔

"میں ڈاکٹر سے ملنا چاہتا ہوں۔" حمید نے بڑی شائستگی سے کہا۔

لڑکی چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر بولی۔ "کیوں ملنا چاہتے ہیں؟"

اس کا لہجہ حمید کو اچھا نہیں لگا لیکن پھر بھی اس نے اپنی پہلی سی شائستگی کے ساتھ جواب دیا۔

"یہ انہیں معلوم ہے۔"

"وہ گھر میں موجود ہیں مگر نہیں ملیں گے۔" لڑکی نے کہا اور برابر بولتی رہی۔ دم لئے بغیر پھر ایک لمحے کے لئے رکی اور اس طرح سر جھکا کر گردن اکڑائی جیسے تھوک نگلنے کے لئے رکی ہو۔ اس کے بعد پھر زبان چل پڑی۔ "آدمی کتے سے برتر نہیں ہوتا۔ مجھے آدمیوں سے نفرت ہے۔ بھائی جان ماہر نفسیات ہیں۔ اخبار والے بھی اتنے کتے ہیں کہ ان پر طنز کر رہے ہیں۔ دشمنوں کو دوست بنانے والا خود ہی کسی کی دشمنی کا شکار ہو گیا۔ لعنت ہے اس کالی صحافت پر، ہمدردی ظاہر کرنے کے بجائے طنز کرتے ہیں کتے...... آپ تشریف لے جایئے۔ بھائی جان...... آپ سے نہیں ملیں گے۔"

"آپ آدمی کو کتا سمجھتی ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں...... میں سمجھتی ہوں...... پھر......!"

"تب ہم دونوں کے خیالات میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ میں آدمی کو گدھا سمجھتا ہوں۔"

"آپ غلط سمجھے...... ہمارے خیالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"کیوں...... میں غلط کیوں سمجھا ہوں۔"

"گدھے ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرتے۔"

"معاف کیجئے گا...... آپ گدھوں کے متعلق کچھ نہیں جانتیں۔"

"آپ کیا بکواس کر رہے ہیں۔" لڑکی کی آواز غصیلی ہو گئی۔ "آپ میری معلومات کو چیلنج نہیں کر سکتے۔"

"میں کر سکتا ہوں...... میں گدھوں پر اتھارٹی ہوں۔ خیر اگر آپ کی معلومات گدھوں کے متعلق بہت وسیع ہیں تو یہی بتا دیجئے گا کہ گدھے کس عمر میں بالغ ہوتے ہیں؟"

"میں نہیں جانتی...... آپ چلے جایئے۔" وہ جھنجھلا گئی۔

"میں ڈاکٹر سلمان سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

لڑکی پیر پٹختی ہوئی اندر چلی گئی۔ حمید سمجھا شاید وہ ڈاکٹر سلمان کو اطلاع دینے گئی ہے لیکن جب پانچ منٹ تک اسے یونہی کھڑا رہنا پڑا تو اس نے یہ خیال ترک کر دیا کہ لڑکی نے ڈاکٹر سلمان سے اس کا تذکرہ بھی کیا ہوگا۔

وہ پھر برآمدے میں پہنچ کر گھنٹی کا بٹن دبانے لگا۔ جلد ہی دروازے میں ایک ملازم کی شکل

ائی دی۔ حمید نے اسے اپنا کارڈ دیا۔ پھر اسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ نوکر نے واپس کر اسے ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا۔

ڈاکٹر سلمان بھی ڈرائنگ روم میں جلد ہی آ گیا۔ حسب معمول اس وقت بھی اس کا چہرہ کھلا اٹھا۔

"کہئے کیپٹن کیسے تکلیف فرمائی۔" اس نے حمید سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"سب سے پہلے تو میں آپ کے اس نقصان پر افسوس ظاہر کروں گا۔"

"اوہ......!" ڈاکٹر سلمان نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "جانے بھی دیجئے...... اگر ایک آدمی یا یوں کو اسی سے کچھ قلبی سکون حاصل ہوا ہو تو یہ سودا میرے لئے مہنگا نہیں۔"

"آپ سچ مچ دیوتا ہیں۔" حمید اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"نہیں کیپٹن میں صرف انسان ہوں۔"

"اگر انسان بھی ہیں تو میں آپ کو سپر مین کہوں گا۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ ہاں فرمایئے...... میرے لائق ئی خدمت۔"

حمید کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ آہستہ سے بولا "میں تو سمجھا تھا کہ آپ ئج مجھ سے نہ ملیں گے۔"

"کیوں......؟" ڈاکٹر سلمان چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"وہ ایک صاحبہ باہر ملی تھیں۔ بڑی دیر تک مجھے دھتکارتی رہیں۔ پھر اندر چلی گئیں۔ وہ کہہ ہی تھیں کہ آپ اب کسی سے نہ ملیں گے اور آدمی دراصل کتا ہے۔"

"اوہ......!" ڈاکٹر سلمان یک بیک مغموم نظر آنے لگا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"مجھے افسوس ہے کیپٹن...... وہ میری بہن ساحرہ رہی ہوں گی۔ جتنا میں انسان ہوں، اتنی ہی تا ہے وہ۔"

"کوئی بات نہیں...... کوئی بات نہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"نہیں کیپٹن...... میں اس کے لئے بہت مغموم رہتا ہوں۔"

پھر کمرے کی فضا پر گہری خاموشی مسلط ہو گئی۔

"میں دراصل......!" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "اپنی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔"

"نہیں......ایسا نہ کہئے۔ قوم کی بہت سی امیدیں آپ کی ذات سے وابستہ ہیں۔"

"اس لئے میں خودکشی کر لینا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے تمام دوستوں سے نفرت ہو گئی ہے، ہر ایک کے متعلق سوچتا ہوں کہ اسے کوئی نہ کوئی نقصان پہنچا دوں۔"

"آپ صرف اپنے ماحول سے اکتاہٹ کے شکار معلوم ہوتے ہیں اور یہ کوئی مستقل مرض نہیں ہے جس کے لئے آپ پریشان ہوں۔"

"یہاں میں آپ سے متفق نہیں ہو سکوں گا۔ آپ مجھے کسی طرح بھی مطمئن نہ کر سکیں گے کیونکہ ماحول سے اکتائے ہوئے لوگ کوئی خطرناک قدم نہیں اٹھا سکتے۔"

"میں نہیں سمجھا کیپٹن۔" ڈاکٹر سلمان اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

"آج میں نے اپنے تین دوستوں پر گولیاں چلائی ہیں اور میں نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہیں یا مر گئے۔"

"نہیں......؟" ڈاکٹر سلمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں ڈاکٹر......یقین کیجئے، کچھ تعجب نہیں کہ اس وقت تک رام گڈھ کی پولیس میرے خلاف حرکت میں آ گئی ہو......میں نے روحی، اس کی کرایہ دار نوشابہ اور اپنے دوست قاسم پر گولیاں چلائی تھیں۔"

"کہاں......؟"

"روحی کی کوٹھی میں......میرا قیام چند گھنٹے پہلے وہیں تھا۔"

"اوہ تب تو یہ واقعی بہت بُرا ہوا......ٹھہرئیے......میں فون......!"

"نہیں ڈاکٹر......آپ پوچھ گچھ کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ اگر آپ کو میرے بیان پر شبہ ہو تو وہ کل صبح تک رفع ہو جائے گا۔ اخبارات میں خبر ضرور آئے گی۔"

"خیر جانے دیجئے......ہو سکتا ہے پولیس کو کسی قسم کا شبہ ہو جائے۔"

"یہی مطلب ہے اور پھر کرنل فریدی بھی یہیں کہیں مقیم ہے۔ اگر اسے معلوم ہو گیا کہ میں کہاں ہوں تو میرا رخ ٹھیک پھانسی گھر کی طرف ہو گا۔"

"کرنل فریدی ہیں کہاں......؟"

"کاش میں جانتا ہوتا......وہ اب تک مجھ سے فراڈ کرتا رہا ہے۔ مجھے ہر خطرناک موقع پر قربانی کا بکرا بناتا رہا ہے۔ میں جب اس کی پچھلی حرکتوں پر غور کرتا ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔"

"تو کیا آپ کرنل فریدی پر بھی اسی طرح حملہ کر سکتے ہیں۔"

"ہاں ڈاکٹر......میں یہی محسوس کرتا ہوں۔ وہ جب بھی سامنے آیا اس کی کھوپڑی اڑا دوں گا......خواہ شارع عام ہی پر مجھے ریوالور نکالنا پڑے۔"

ڈاکٹر سلمان کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اگر یہ صحیح ہے کہ آپ نے ان تینوں پر گولیاں چلائی ہیں تو اب آپ کا کیا پروگرام ہے۔"

"مجھے پولیس سے چھپنا پڑے گا اس وقت تک جب تک کہ فریدی کا کام تمام نہیں کر لیتا۔ اس کے بعد خواہ مجھے کتوں سے نچوا ڈالا جائے مجھے پرواہ نہ ہو گی۔"

"کیپٹن میں تمہارا علاج کروں گا۔ یہ کیس میرے لئے بالکل انوکھا ہے۔ اس کیلئے میں پولیس کا خطرہ بھی مول لے سکتا ہوں۔ یعنی آپ یہیں قیام کریں گے۔"

"نہیں ڈاکٹر میں آپ کو کسی مصیبت میں نہیں پھنسانا چاہتا۔"

"دیکھئے۔ اگر میں آپ کو مجرم سمجھتا ہوتا تو آپ اس وقت یہاں نہ دکھائی دیتے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ جس وقت آپ نے ان لوگوں پر گولی چلائی تھی ہوش میں نہیں تھے۔"

"قطعی نہیں......مجھے بس اتنا ہی یاد ہے کہ میں نے ان پر فائر جھونک مارے تھے اور اس کے بعد وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔ میرا سارا سامان بھی وہیں رہ گیا ہے۔"

"تو آپ یہاں رام گڈھ کس طرح پہنچے۔ کیا پیدل آئے ہیں؟"

"نہیں......اتفاقاً ایک ٹرک مل گیا تھا۔"

"اچھا تو بس اب آپ کہیں نہیں جائیں گے۔" ڈاکٹر سلمان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"جیسی آپ کی مرضی۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"مگر کیپٹن......!" ڈاکٹر سلمان کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "آپ سیدھے یہیں کیوں چلے آئے۔ آپ کو یقین تھا کہ آپ کے ساتھ یہی برتاؤ کروں گا۔"

"ہاں مجھے یقین تھا۔"

"آخر کس بناء پر......؟"

"میں نہیں جانتا...... میرا دل کہتا تھا کہ آپ اس حال میں بھی مجھ سے انسانیت ہی کا برتاؤ کریں گے۔"

"گویا...... یہاں بھی آپ بیہوشی ہی کے عالم میں آئے ہیں۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"کیوں...... نہیں تو...... بھلا میں بیہوشی کے عالم میں ٹرک ڈرائیور سے باتیں کیسے بناتا۔"

پھر حمید نے اسے بتایا کہ اس نے کس طرح ٹرک ڈرائیور کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ اس کے چند دوست اسے وہاں شرارتاً چھوڑ گئے تھے۔

"یہ ایک بہت زیادہ الجھا ہوا نفسیاتی کیس ہوگا۔" ڈاکٹر سلمان نے تشویش کن لہجے میں کہا۔ چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "کیا کبھی آپ کے دل میں میرے خلاف نفرت کے جذبات بھی پیدا ہوئے تھے۔"

"بلاشبہ پیدا ہوئے تھے۔" حمید نے اعتراف کیا۔

"کیوں......؟"

"میرا خیال تھا کہ ادارہ روابط عامہ فراڈ ہے۔ آپ نے روحی سے روپے وصول کرنے کے لئے خود ہی اس پر حملے کرائے تھے۔ یقیناً اس وقت دل میں آپ کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہوئے تھے۔ مگر اب نہ جانے کیوں میں سوچتا ہوں کہ آپ تو دیوتا ہیں۔ بیسویں صدی کے گوتم بدھ۔"

"میرے خدا......!" ڈاکٹر سلمان ہنسنے لگا۔ "آپ میری طرف سے اتنے بدگمان تھے۔"

"مجھے انتہائی ندامت ہے ڈاکٹر۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے یہ بات آپ پر کیوں ظاہر کی۔ شائد میں اب بھی ہوش میں نہیں ہوں۔"

حمید خاموش ہو کر مضطربانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "اب میں سوچ رہا ہوں کہ دوسری بات بھی آپ کو بتاؤں یا نہ بتاؤں۔"

"دوسری بات کون سی ہے۔" ڈاکٹر سلمان آگے جھک آیا۔

"کرنل فریدی سے متعلق ہے۔"

"ضرور بتائیے۔"

"اس نے آپ کے متعلق ایک بہت بڑا شبہ ظاہر کیا تھا۔"

"وہ کیا......؟"

"یہی کہ آپ طاقت کی تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا...... طاقت کی تنظیم...... کیا مطلب......؟"

"میں نہ جانے کیا بک رہا ہوں ڈاکٹر...... کچھ نہیں...... یہ سب کچھ آپ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔" حمید دفعتاً اپنے بال نوچنے لگا۔

"اوہو...... اوہو......!" ڈاکٹر سلمان جلدی سے اٹھ کر اس کے ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔ "مت سوچئے وہ باتیں...... جن سے آپ کو الجھن ہوتی ہے۔ چلئے میں آپ کو وہ کمرہ دکھادوں جہاں آپ کا قیام ہوگا۔"

دوسری آگ

فریدی نے اس جعلساز کو اس لئے نہیں پکڑا تھا کہ ان بدمعاشوں پر اس کا رعب پڑے۔ بلکہ آج کئی ماہ سے اس قسم کے جعلی نوٹ بازار میں پھیل رہے تھے لیکن ابھی تک کوئی ایسا آدمی نہیں پکڑا جا سکا تھا جس کے پاس سے زیادہ تعداد میں نوٹ برآمد ہوتے۔ ویسے لاکھوں روپیوں کی جعلی کرنسی بازار میں موجود تھی۔

طاقت کی تنظیم کا دوبارہ سراغ ملتے ہی فریدی نے سوچا تھا ممکن ہے اس حرکت کا تعلق بھی اُسی سے ہو۔ کیونکہ اتنے پراسرار طریقے پر جعلی کرنسی کا پھیلا دینا معمولی آدمیوں کے بس کا روگ نہیں اور پھر وہ جعلی کرنسی بھی ایسی ہی تھی کہ ماہرین کے علاوہ شائد ہی کوئی اس کی شناخت کر سکتا۔

بہرحال یہ پہلا ہی آدمی تھا جس کے پاس اتنی زیادہ تعداد میں اُسی قسم کے جعلی نوٹ ملے تھے۔ پچھلی رات اس نے اس آدمی کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ سب کچھ اگل دے اور اس کی تدابیر اس سلسلے میں کارگر ہی ہوئی تھیں۔

اس نے صبح تک اُسے بند رکھا اور پھر چھوڑ دیا مگر نوٹ اسے واپس نہیں کئے۔ صرف اتنا ضرور
اسے دیا گیا تھا کہ وہ رام گڈھ سے باہر چلا جائے اور فریدی نے سرائے ہی کے بدمعاشوں میں سے
ایک کو اس کے پیچھے لگا دیا تھا کہ وہ اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھے۔ یعنی وہ اس کے مشورے پر رام
گڈھ سے باہر جاتا بھی ہے یا نہیں۔

اُس نے ایک عمارت کا پتہ بتایا تھا جہاں سے جعلی نوٹ آدھی قیمت پر دستیاب ہوئے تھے۔
اب فریدی نے ان چاروں آدمیوں کو اس نئے کام سے متعلق ٹریننگ دینی شروع کی اور جلد ہی
اندازہ کرلیا کہ وہ کام کے ثابت ہوسکیں گے۔

وہ عمارت جس کا پتہ اس نے بتایا تھا سرائے سے زیادہ دور نہیں تھی اور وہاں رام گڈھ کی ایک
بدنام ترین متمول عورت رہتی تھی۔ وہ چاروں تو اس کا نام ہی سن کر کانپ گئے تھے انہوں نے اسے
بتایا کہ وہ ایک خطرناک عورت ہے۔ رام گڈھ کے حکام اس کے قبضے میں ہیں اور وہ روزانہ درجنوں
غیر قانونی کام کر ڈالتی ہے۔ رام گڈھ کے اونچے اونچے بدمعاش اس کی مٹھی میں ہیں۔ اس کا نام سن
کر انہوں نے فریدی کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ انہیں پہچانتی ہے۔
بمشکل تمام فریدی نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ لوگ پس منظر ہی میں رہ کر اس کے لئے
کام کریں گے۔

فریدی اس عورت تاریہ کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ انہیں چاروں کی زبانی اسے بہتیرے
حالات معلوم ہوئے۔ وہ ایک مقامی رئیس کی بیوہ تھی لیکن یوریا کی رہنے والی تھی۔ نہ صرف اردو بلکہ
مشرق کی کئی زبانیں بے تکان بول سکتی تھی۔ کافی دولت مند تھی اور کئی مقامی حکام اس کے قرض دار
تھے۔

فریدی کو اس کی شخصیت بڑی دلچسپ معلوم ہوئی۔

یہ اسی شام کی بات ہے جب حمید نے ڈاکٹر سلمان کے یہاں پناہ لی تھی۔ فریدی اپنے
ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ "تم ڈرو نہیں...... میں رام گڈھ کے اونچے سے اونچے بدمعاش سے ٹکرانے
کی ہمت رکھتا ہوں۔"

"اگر پولیس سے مڈبھیڑ ہوگئی تو" ایک نے کہا۔ "تاریہ کے خلاف نہیں جائے گی پولیس۔"

"پولیس کس چڑیا کا نام ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "کبھی رن پڑے تو پھر دیکھنا

ے کمال۔"

"یار تم بڑے تیس مار خاں بنتے ہو۔" لمبے آدمی رانو نے کہا۔

"رانو...... تم مجھے نہیں جانتے۔ میں خاندانی آدمی ہوں کبھی سلطانہ ڈاکو کا نام سنا ہے۔"

"ارے واہ...... کس نے نہ سنا ہوگا۔"

"وہ میرا چچا لگتا تھا۔"

"نہیں......!" رانو کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں دوست! یہ سب کچھ خاندانی فیض ہے۔ چچا نے کئی گر مجھے سکھائے تھے جو آج میرے
علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم۔ پولیس سے کس طرح بچنا چاہئے اگر ساتھی غداری کریں تو انہیں مار ڈالنے
کی سب سے آسان تدبیر کیا ہو سکتی ہے۔ پانی میں کم از کم آٹھ گھنٹے تک ڈوبے رہنے کے باوجود بھی
زندہ رہنا...... بہتیری باتیں رانو...... اور یہ سارے گر مجھ سے وہی حاصل کر سکے گا جو میرا چہیتا
...... آخر وقت تک میرے لئے جان لڑاتا رہے۔"

وہ چاروں خاموش رہے ابھی تک ان کی حیرت رفع نہیں ہوئی تھی۔

اسکیم کے مطابق فریدی کو سات بجے سرائے چھوڑ دینی تھی۔ ساڑھے چھ بجے وہ آدمی واپس
آیا جسے اس جواری کے پیچھے لگایا گیا تھا۔ اس نے اطلاع دی کہ جواری نے رام گڈھ چھوڑ دیا ہے۔
وہ خود اسے ٹرین پر بیٹھتے دیکھ چکا تھا۔

فریدی ٹھیک سات بجے سرائے سے نکل گیا۔ وہ ابھی تک اُسی پرانے میک اپ میں
تھا۔ یہاں پر اس کے پاس میک اپ کا دوسرا کوئی سامان نہیں تھا ورنہ وہ اسی جواری کے میک اپ کو
ترجیح دیتا۔ حقیقتاً اسے اس وقت جو کچھ بھی کرنا تھا اسی جواری کی حیثیت سے کرنا تھا۔ اس نے اسے
جعلی نوٹ حاصل کرنے کا طریقہ بتاتے ہوئے سارے مراحل سے آگاہ کر دیا تھا۔

وہ ریجنٹ سینما کے قریب پہنچا۔ اس جگہ بہت سی کاریں کھڑی تھیں پھر وہ ساڑھے سات بجے
کا انتظار کرتا رہا۔ ابھی دس منٹ باقی تھے۔ اس نے ایک سگریٹ سلگایا اور بجلی کے کھمبے سے ٹک کر
کھڑا ہو گیا۔

ٹھیک ساڑھے سات بجے اس نے ہونٹ سکوڑ کر تین بار سیٹی بجائی۔ پاس ہی کی ایک کار سے
اسے قریب آنے کا اشارہ کیا گیا۔ کار میں ڈرائیور کی سیٹ پر ایک ہی آدمی تھا۔ فریدی اس کا دروازہ

کھول کر پچھلی نشست پر بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد کار پھر رکی اور وہ
کی بستی میں تھا۔ ڈرائیور نے ایک بالا خانے کے زینوں کی طرف اشارہ کیا۔ فریدی دروازہ
نیچے اترا اور کار آگے بڑھ گئی۔

دوسرے لمحے میں وہ زینے طے کرتا ہوا اوپر جا رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ کوٹ کی
میں تھے اوپر ایک ادھیڑ عمر عورت نے اس کا استقبال کیا۔

"تشریف رکھئے جناب۔" وہ اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتی ہوئی بولی۔ "آپ نے غلط انتخاب نہیں کیا۔ ہم اعلیٰ پیمانے پر آرام و آسائش کا انتظام رکھتے ہیں۔ جس قوم یا نسل کی لڑکی کو پسند ہو مجھے آگاہ کریں۔"

"میں ایسی لڑکی چاہتا ہوں جس کا نام "ت" سے شروع ہوتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ...... اچھا...... ٹھہریئے۔" اس نے ایک میز کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

پھر وہ میز پر جھک کر کچھ لکھنے لگی۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا جسے اس
کچھ کہے بغیر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

"شکریہ۔" فریدی پرزے پر نظر ڈالتا ہوا بولا اور الٹے پاؤں زینوں سے نیچے اترتا چلا
سڑک پر پہنچ کر اس نے ایک ٹیکسی لی اور ڈرائیور سے "پیتل وار" چلنے کو کہتا ہوا پچھلی نشست
گیا۔ "پیتل وار" میں زیادہ تر نچلے طبقے کے لوگ آباد تھے خال خال کوئی بڑی عمارت نظر آجا
اور انہیں بڑی عمارتوں میں سے ایک کا پتہ لکھ کر اس عورت نے فریدی کو دیا تھا۔ "پیتل وار"
پہنچنے میں ایک گھنٹہ صرف ہوا۔ ٹھیک اسی عمارت کے سامنے ٹیکسی رک گئی جہاں فریدی کو پہنچنا تھا۔

عمارت بڑی ضرور تھی لیکن اس کے سامنے پائیں باغ نہیں تھا۔ حالانکہ یہ چیز کم از کم
گڈھ کے ماحول کے خلاف تھی جہاں معمولی سے معمولی عمارت بھی پائیں باغ سے محروم نظر نہیں
تھی۔ رام گڈھ والوں کو پھولوں اور ہریالی سے عشق تھا۔ وہ لوگ جو گلی سڑی لکڑی کی جھونپڑیوں
رہتے تھے وہ بھی کم از کم ان پر عشق پیچاں کی ایک آدھ بیل ضرور چڑھا دیتے تھے۔

فریدی نے ٹیکسی واپسی پر کی تھی۔ اس نے ڈرائیور کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ وہ اُسے عما
کے سامنے چھوڑ کر کچھ آگے بڑھ جائے گا...... اور وہیں اس کی واپسی کا منتظر رہے گا۔

صدر دروازے پر پہنچ کر اس نے دستک دی۔ دروازہ کھلا لیکن اندھیرا ہونے کی بنا

دروازہ کھولنے والے کی شکل نہیں دیکھ سکا۔

"کیا بات ہے......؟" اندھیرے سے آواز آئی۔

"پانچ سو پچپن......!" فریدی نے جواب دیا۔

"ایک نکال دو۔" اندھیرے میں کہا گیا۔

"چار سو چوالیس......!" فریدی نے شائد جواباً کہا کیونکہ لہجہ جواب ہی دینے کا سا تھا۔

"آجاؤ......!" اندھیرے سے کہا گیا اور طویل راہداری میں فریدی کو ٹارچ کی روشنی دکھائی دی...... وہ اندر داخل ہو گیا...... مگر اس کے دونوں ہاتھ اب بھی کوٹ کی جیبوں میں تھے۔

راہداری طے کر کے وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں بہت ہی گھٹیا قسم کا فرنیچر موجود تھا اور فرش پر پڑے ہوئے قالین سالخوردہ تھے مگر وہاں بہت زیادہ قوت کے بلب روشن تھے اور اس تیز روشنی میں وہاں کا گھٹیا سامان اور زیادہ بدنما معلوم ہوتا تھا...... کمرے میں فریدی اور اس کے راہبر کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

اب فریدی نے اس آدمی کو روشنی میں دیکھا جس نے دروازہ کھولا تھا۔ ایک لمبا تڑنگا اور مضبوط ہاتھ پیر کا آدمی تھا۔ گردن اور چہرے کی بناوٹ خصوصیت سے کسی گینڈے کی یاد دلاتی تھی...... وہ فریدی کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

"ہوں......!" اس نے اس طرح کہا جیسے آمد کا مقصد معلوم کرنا چاہتا ہو۔ مگر فریدی نے اس کی آنکھوں سے جھلکتی ہوئی بے یقینی صاف پڑھ لی تھی۔

فریدی مسکرا کر بولا۔ "بزنس......!"

"اچھا...... اچھا...... تم یہیں ٹھہرو...... میں اطلاع کرتا ہوں۔"

وہ دوسرے دروازے سے نکل گیا۔ فریدی انتظار کرتا رہا۔ اس کے دونوں ہاتھ اب بھی کوٹ کی جیبوں میں تھے۔ کچھ دیر کے بعد وہ ایک آدمی کے ساتھ واپس آیا اور دوسرا آدمی بھی آتے ہی فریدی کو گھورنے لگا۔ یہ متوسط اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ عمر بھی تیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

"کیوں...... بزنس......!" اس نے آہستہ سے کہا۔ لیکن اس کی تیز آنکھیں فریدی ہی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم لوگ وقت کیوں برباد کر رہے ہو میرا۔" فریدی نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آج

دلیپ نہیں آسکا...... میں آیا ہوں...... میں اس کا پارٹنر ہوں۔"

"تم پارٹنر ہو۔" گرانڈیل آدمی مسکرایا۔

"اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو۔" نئے آنے والے نے دفعتاً ریوالور نکال لیا۔

"مجھے یہ نہیں بتایا تھا دلیپ نے۔" فریدی جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اب ہم بتادیں گے، ہاتھ اٹھاؤ...... ورنہ گولی ماردوں گا۔"

فریدی کا بایاں ہاتھ جیب سے نکلا اور ساتھ ہی داہنی جیب سے ایک فائر ہوا۔ یہ سب اتنے غیر متوقع طور پر ہوا کہ چوٹ کھائے ہوئے آدمی کو چیخنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ ریوالور اچھل کر دور جاپڑا تھا اور وہ خود اپنا زخمی ہاتھ دبائے ہوئے فرش پر آرہا۔

فریدی ریوالور کا رخ گرانڈیل گینڈے کی طرف کئے ہوئے وہاں آیا، جہاں دوسرا ریوالور گرا تھا اور اسے اٹھا کر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "میرا بزنس اسی طرح صاف ہوتا ہے اور ہاں مجھے یہ یقین دلانے کی کوشش نہ کرنا کہ اس عمارت میں تم دونوں کے علاوہ بھی کوئی اور موجود ہے۔"

گرانڈیل آدمی کچھ نہ بولا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے تھے اور زخمی آدمی اپنا داہنا ہاتھ دبائے کھڑا تھا۔ گولی کھال پھاڑتی ہوئی دوسری طرف کی دیوار سے جاٹکرائی تھی اور اب فرش پر پڑے ہوئے قالین داغدار ہوتے جارہے تھے۔

"آدمی پہچان کر ریوالور نکالا کرو دوستو۔" فریدی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"تم کون ہو......؟" گرانڈیل آدمی غرایا۔

"میں دلیپ کا پارٹنر نہیں ہوں بلکہ اس کی ہڈیاں توڑ کر یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوا ہوں اور میں بزنس کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے پچپن ہزار کی اصلی کرنسی چاہئے۔ وہ نہیں جو بازار میں پھیلاتے ہو...... غالباً اب تم میرے بزنس کی نوعیت سمجھ گئے ہوگے۔"

وہ دونوں خاموش کھڑے رہے۔ زخمی آدمی کا چہرہ زرد پڑتا جارہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے ذہن سے لڑ رہا ہو۔ بہرحال اسکے متعلق فریدی کا اندازہ تھا کہ کافی جاندار آدمی ہے۔

"بزنس...... مجھے جلدی ہے۔"

"تم کون ہو؟" گرانڈیل آدمی نے پھر پوچھا۔

"میں کوئی مشہور آدمی نہیں ہوں کہ نام بتانے سے تم مجھے پہچان لو۔ اس لئے اس کے چکر میں

نہ پڑو۔ میں پچپن ہزار کی اصلی کرنسی طلب کررہا ہوں۔ وہ مجھے ملنے چاہئے ورنہ تمہارا سارا بزنس خاک میں مل جائے گا۔"

"ریوالور جیب میں رکھ لو۔" گرانڈیل آدمی نے نرم لہجے میں کہا۔ "ہم معاملے کی بات کریں گے۔"

"میں ریوالور کی نال ہی پر معاملے کی بات کرتا ہوں۔"

"تب پھر کوئی بات نہیں ہوسکتی۔"

"بات تو ہوکر رہے گی دوستو! میں جان پر کھیل کر یہاں تک پہنچا ہوں۔ خالی ہاتھ واپس نہیں جاؤں گا...... ہاں اگر تم کل تک بھی پچپن ہزار دینے کا وعدہ کرو تو یہ ممکن ہے۔"

"ہم غیر دوستانہ ماحول میں کوئی بات نہیں کریں گے۔" گرانڈیل آدمی نے کہا۔

"قطعی دوستانہ ماحول ہے۔ ریوالور کی پرواہ مت کرو۔" فریدی بولا۔

"اچھا تو سنو! تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تمہارے یا دلیپ کے کہنے پر پولیس یہاں تک آنے کی زحمت نہیں گوارا کرے گی کیونکہ یہ عمارت ایک معزز عورت کی ملکیت ہے۔"

"میں ایک غیر معزز آدمی ہوں۔ اس لئے پولیس کے پاس کبھی نہ جاؤں گا۔"

"پھر کیا کرو گے؟"

"تمہارا بزنس چوپٹ کروں گا۔ میں ایک غیر معروف آدمی ضرور ہوں لیکن تاریہ جیسی درجنوں عورتیں میری داشتاؤں کی حیثیت سے رہ چکی ہیں۔ اب سمجھے تم۔"

"تم بکواس کررہے ہو۔ پتہ نہیں کس بزنس کی بات کررہے ہو۔ میں مادام تاریہ کی غیر منقولہ جائیداد کا منیجر ہوں۔"

"اور تم لوگ اتنے گدھے ہو کہ تمہارے گاہکوں کو بھی اس کا علم ہے۔ یعنی وہ جانتے ہیں کہ اس بزنس کی پشت پر کون ہے۔"

"جانتے ہوں گے۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "جاؤ تم پولیس کو بھی آزما دیکھو۔"

"تم آخری میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔" فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمہاری بات...... تم اپنی بات سمیت یہاں سے دفع ہوجاؤ۔ ورنہ تھوڑی دیر بعد تمہیں یہیں

دفن ہونا پڑے گا۔"

"یعنی کچھ لوگ باہر سے آجائیں گے۔"

"یقیناً......!"

"ارے یار ...... بڑے احمق معلوم ہوتے ہو۔ تب تو مجھے ادھر اُدھر کی باتوں میں الجھا رہنا تھا۔ میں نہایت آسانی سے تمہارے رازوں سمیت دفن ہوجاتا۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"دفن ہوجاؤ گے۔" گرانڈیل آدمی نے اپنے لہجے میں خوداعتمادی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"پچپن ہزار کی بات کرو۔" دفعتاً فریدی کے لہجے میں سفاکی جھلکنے لگی۔

گرانڈیل آدمی اسے گھورتا رہا۔

اب فریدی دوسرے آدمی سے مخاطب ہوا جس کے پیر کانپ رہے تھے اور زخم سے برابر خون بہے جارہا تھا۔

"تم یہاں اس قالین پر لیٹ جاؤ۔"

لیکن وہ سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"چلو جو کچھ کہہ رہا ہوں کرو۔ ورنہ انجام ہرحال میں خطرناک ہوگا۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے ......چلو جلدی کرو۔"

وہ چپ چاپ قالین پر لیٹ گیا۔ گرانڈیل آدمی کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔

فریدی نے قالین پر لیٹے ہوئے آدمی سے کہا۔ "اب قالین کا گوشہ اپنے اوپر ڈال کر الٹے چلے جاؤ......جلدی کرو۔"

"کیا کررہے ہو تم......!" گرانڈیل آدمی غرایا۔

"بنڈل بنا رہا ہوں......تم خاموش رہو۔" فریدی نے لاپروائی سے جواب دیا۔ پھر دوسرے آدمی سے کہا۔ "جلدی کرو، ورنہ ٹھوکر رسید کردوں گا۔"

وہ اپنے اوپر قالین ڈال کر الٹتا چلا گیا۔ نتیجے کے طور پر بنڈل تیار تھا۔ فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "بس آرام سے پڑے رہو اگر کسی موقع پر اٹھنے کی کوشش کرو گے تو تمہاری زندگی کی ضمانت نہ دی جاسکے گی۔"

پھر وہ گرانڈیل آدمی کی طرف بڑھا اور ریوالور کی نال اس کے سینے پر رکھ کر اس کی جامہ تلاشی

لینے لگا۔ لیکن اس کے پاس سے ریوالور یا چاقو برآمد نہیں ہوا۔

پھر وہ اس سے چھ قدم کے فاصلے پر ہٹ کر اپنا ریوالور جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ "آؤ اب دستانہ فضا میں دو دو ہاتھ ہوجائیں۔ میں یہاں سے خالی ہاتھ ہرگز نہ جاؤں گا۔ تم لوگوں نے بے تحاشہ دولت پیدا کی ہے۔ اس لئے کم از کم چوتھائی تو مجھے ملنا ہی چاہیئے اور میں برابر وصول کرتا رہوں گا۔ مطمئن رہو۔"

"تم لوٹنے آئے ہو ہمیں۔" گرانڈیل آدمی جو اپنے ہاتھ گرا چکا تھا۔ تھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہاں......یہی سمجھ لو......کچھ تو سمجھو۔ اتنی دیر ہوگئی سمجھاتے سمجھاتے۔"

"تم ایسا نہیں کرسکو گے۔"

"اچھا تو روک لو مجھے۔"

اچانک گرانڈیل آدمی نے فریدی پر چھلانگ لگائی۔ فریدی ایک طرف ہٹ گیا اور وہ منہ کے بل فرش پر چلا آیا۔ فریدی نے اس کے سر پر پے در پے تین ٹھوکریں رسید کیں اور اسے اٹھنے کی بھی مہلت نہ مل سکی۔ وہ کسی بھینسے کی طرح فرش پر پڑا ڈکراتا رہا......اور پھر آہستہ آہستہ اس کی آواز دبتی گئی۔

قالین میں لپٹا ہوا آدمی پہلے ہی بیہوش ہوچکا تھا۔ دوسرے نے بھی جلد ہی ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ پھر پانچ منٹ کے اندر ہی اندر فریدی نے انہیں ایک ایسی کوٹھری میں بند کردیا جس میں صرف ایک ہی دروازہ تھا۔

ان سے نپٹنے کے بعد اس نے ایک بار سارے بیرونی دروازوں کا جائزہ لے کر اطمینان کرلیا کہ اس کے کام میں کوئی مخل نہ ہوسکے گا۔

پھر عمارت کی تلاشی شروع ہوگئی۔ فریدی ایک ایک چیز اور ایک ایک گوشے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس نے ایک زمین دوز تجوری کا پتہ لگالیا اس کا قفل کھولنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ فریدی ایک مشاق قفل توڑنے والا تھا۔ اس کی انہیں صلاحیتوں کی بناء پر اکثر کیپٹن حمید نے سوچا تھا کہ اگر فریدی غلط راستوں پر نکل گیا ہوتا تو حکومت کے لئے مستقل دردسر بن جاتا۔

تجوری خالی نہیں تھی۔ اس میں بڑے نوٹوں کی بے شمار گڈیاں تھیں۔ فریدی انہیں نکال نکال کر فرش پر ڈھیر کرتا رہا۔ ان میں سے تقریباً چالیس ہزار کے نوٹ اصلی ثابت ہوئے اور بقیہ سب جعلی۔

فریدی نے جعلی نوٹوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان میں آگ لگادی اور اصلی نوٹ اپنی جیبوں میں ٹھونس لئے۔ لیکن اب بھی اس کی تشفی نہیں ہوئی۔ اسے کسی ایسے ثبوت کی تلاش تھی جس کی بنا پر وہ اپنی ان حرکات کو حق بجانب قرار دے سکتا۔ یعنی ابھی تک وہ یہ نہیں ثابت کرسکا تھا کہ ان لوگوں کا تعلق بھی "طاقت" ہی کی تنظیم سے ہے۔

نوٹ آگ میں جل رہے تھے اور فریدی ان پر نظر جمائے سوچ رہا تھا کہ اگر آج کی جدوجہد کا اتنا ہی نتیجہ نکلنا تھا تو کچھ بھی نہ ہوا۔

اچانک برابر والے کمرے میں گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔ فریدی جھپٹ کر وہاں پہنچا۔ میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

فریدی ریسیور اٹھا کر بُری طرح کھانسنے لگا۔

"ہیلو کون ہے؟" دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز آئی۔ سوال انگریزی میں کیا گیا تھا۔

فریدی نے کھانسیوں ہی کے دوران میں کچھ کہا۔ اس طرح کہ اس کے قریب کھڑا ہوا آدمی بھی کچھ نہ سمجھ سکتا۔

"کون...... شارٹی کیا بات ہے۔"

"یس ما آم...... حلق میں خراش......!" اور وہ پھر کھانسنے لگا۔

"ڈاکٹر سلمان کو تمہاری ضرورت ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور فریدی کا چہرہ چمک اٹھا۔

"مگر...... میری طبیعت...... ما آم......!" فریدی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"خیر...... رہنے دو...... کسی اور کو بھیجا جائے گا۔" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اب فریدی یک بیک آدمی سے کسی تیز رفتار مشین میں تبدیل ہوگیا تھا۔

عجیب لڑکی

کیپٹن حمید نے صبح کا ناشتہ اپنے کمرے ہی میں رکھا۔ اسے توقع تھی کہ ڈاکٹر سلمان اسے گھر کی میز پر طلب کرے گا لیکن اس کا ناشتہ کمرے ہی میں بھجوا دیا گیا تھا۔ پچھلی رات وہ سو فیصدی

ڈاکٹر کی بہن کے خیال میں کھویا رہا تھا۔ ایک بار بھی آئندہ کے پروگرام کے متعلق سوچنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ سب سے زیادہ الجھن اس بات کی تھی کہ آخر لڑکی ہے کس قسم کی۔ واقعی جھکی ہے یا پچھلی شام اسے اُلو بنانے کی کوشش کررہی تھی۔

اس نے ایک طویل انگڑائی لی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اتنے میں راہداری سے قدموں کی آواز آئی جو بتدریج نزدیک آتی گئی۔ پھر دروازے میں ڈاکٹر سلمان دکھائی دیا جو غالباً کہیں جانے کے لئے تیار تھا۔

"بیٹھئے...... بیٹھئے۔" اس نے حمید سے کہا۔ جو کرسی سے اٹھ رہا تھا۔ "میں آپ کو پھر ایک عجیب خبر سنانے آیا ہوں۔"

"فرمایئے...... کیا بات ہے۔ کیا ان میں سے کوئی چل بسا......؟"

"نہیں...... وہ سب زندہ ہیں۔" ڈاکٹر سلمان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "البتہ آپ کا دوست قاسم زخمی ہوگیا ہے۔ آپ نے اس پر لکڑیاں جو برسائی تھیں۔ سر میں زخم آیا ہے۔ گولی کسی کے بھی نہیں لگی...... ویسے اخبارات میں اس کے متعلق کچھ نہیں آیا۔"

"ماتھر نے احتیاطاً نہ آنے دیا ہوگا۔" حمید نے جواب دیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"اس کے علاوہ آپ اور کون سی خبر سنانے جارہے تھے۔"

ڈاکٹر سلمان بیٹھتا ہوا بولا۔ "ادارہ روابط عامہ یا اس کے لئے کام کرنے والے پتہ نہیں کس کی آنکھوں میں کھٹک رہے ہیں۔"

"کیوں...... کیا ہوا؟"

"رات کسی نے تاریہ کی پیتل والی عمارت میں آگ لگادی۔"

"تاریہ...... کیا چیز ہے...... کیا بلدیہ قسم کی کوئی چیز؟"

"آپ تاریہ کو نہیں جانتے۔"

حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنے سر کو جنبش دی۔

"تاریہ...... رام گڈھ کی ایک معزز عورت ہے اور ہمارے ادارے کی ایک مددگار بھی۔ رات کسی نے اس کی ایک عمارت میں آگ لگادی۔ اس کے دو ملازم عمارت میں رہتے تھے۔ وہ سڑک پر بیہوش پائے گئے۔ ان کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ ایک کا سر زخمی تھا اور دوسرے کا ہاتھ۔ جس

کے متعلق خیال ہے کہ پستول کی گولی کا زخم ہے...... وہ دونوں ہوش میں آ گئے ہیں لیکن ہوش کی باتیں نہیں کر رہے ہیں۔ یہ خبر آپ کو اس لئے دے رہا ہوں کہ آپ ادارے کے لئے کیا کر سکیں گے۔ ادارے کی افادیت کا اعتراف آپ کو بھی ہے۔"

"یعنی کوئی ادارے کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا ہے۔ پہلے میری کار جلائی گئی۔ پھر ادارے کی ایک مددگار کو نقصان پہنچایا گیا۔ دونوں واقعات ایک ہی قسم کے ہیں۔"

"ہاں...... ہیں تو۔" حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "کیا میں پتہ لگاؤں کہ وہ کون ہے۔"

"میں آپ کا مشکور ہوں گا اگر آپ ایسا کر سکیں۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"مگر پتہ نہیں...... رام گڈھ کی پولیس میرے متعلق کیا سوچ رہی ہو۔" حمید نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"روحی وغیرہ کے معاملے کی طرف اشارہ۔"

"ارے وہ کچھ نہیں۔" ڈاکٹر سلمان سر ہلا کر بولا۔ "اسے تو بڑی آسانی سے برابر کیا جا سکتا ہے۔"

"کس طرح؟"

"ارے آپ جیسا فہیم اور زیرک آدمی مجھ سے یہ سوال کر رہا ہے۔"

"ڈاکٹر...... میری ساری صلاحیتیں ختم ہوتی جا رہی ہیں۔"

"خیال ہے آپ کا...... مگر یہ سوچنا چھوڑ دیجئے۔ ورنہ سچ مچ ختم ہو جائیں گی۔"

"خیر......!" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میں ہر امکانی کوشش کروں گا ویسے میرا ارادہ ہے کہ میں ماتھر سے مل ہی لوں۔"

"ماتھر سے ملئے گا۔" ڈاکٹر سلمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں...... آں...... جب ان میں سے کوئی مرا نہیں تو میرے لئے بھی کوئی خاص خطرہ نہیں باقی رہ جاتا۔ میں ماتھر کو شیشے میں اتار لوں گا۔ میں اس سے یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کسی اور پر

گولیاں چلائی تھیں درمیان میں یہ لوگ آئے چونکہ انہوں نے اسے چھپے ہوئے آدمی کو نہیں دیکھا اس لئے یہی سمجھے کہ میں نے ان پر گولی چلائی تھی۔"

"قطعی...... دیکھئے...... آپ نے خود ہی جواب سوچ لیا نا۔ آپ تو کہہ رہے تھے کہ میری صلاحیتیں ختم ہوتی جا رہی ہیں۔"

"بعض اوقات میں بالکل خالی الذہن ہو جاتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"آپ قطعی خالی الذہن نہیں ہوتے۔ خالی الذہن کی ترکیب ہی غلط ہے۔ کبھی کوئی آدمی خالی الذہن نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ سوتے وقت بھی خالی الذہن نہیں ہوتا۔"

حمید نے بات بڑھتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔ "آہم...... دیکھئے آپ مجھے میک اپ کا سامان منگوا دیجئے۔ یہاں میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے ورنہ آپ کو تکلیف نہ دیتا۔"

"میک اپ کا سامان کیا کیجئے گا۔"

"یہ حقیقت ہے ڈاکٹر صاحب کہ میں رام گڈھ کی پولیس کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا حالات کا تقاضہ یہی ہے۔"

"کیسے حالات......؟"

"میرا نجی معاملہ ہے ورنہ میں حالات پر ضرور روشنی ڈالتا۔"

"کوئی بات نہیں۔" ڈاکٹر سلمان سر ہلا کر بولا۔

اور حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اسکے چہرے پر پھر الجھن کے آثار پائے جانے لگے تھے۔

پھر کچھ دیر بعد اس نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔ "نہیں ڈاکٹر میں غلطی پر تھا میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ آپ کی حیثیت ایک ڈاکٹر کی سی ہے اور آپ کسی مریض کی کمزوریوں کی تشہیر کبھی نہ کریں گے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اب میں اپنے عہدے پر واپس نہیں جانا چاہتا کبھی نہیں۔ مجھے اس کام سے نفرت ہو گئی ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اگر دوبارہ مجھے واپس جانا ہی پڑا تو محکمے کو میری ذات سے نقصان پہنچے گا...... فائدہ نہیں۔"

"نہیں آپ اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔ "آپ میرے زیر علاج ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کچھ دنوں کے بعد آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔ کسی غیر متوقع ذہنی جھٹکے نے آپ کے اعصابی سسٹم پر برا اثر ڈالا ہے۔ اور یہ بدلتی ہوئی ذہنیت دراصل اسی جھٹکے کی بازگشت ہے ایک مختصر سا

ذہنی درد...... آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"بہر حال کچھ بھی ہو...... میں واپس نہیں جانا چاہتا۔ ادارہ کے دشمنوں کا قلع قمع کروں گا
میں وعدہ کرتا ہوں لیکن آپ میرے لئے میک اپ کا سامان مہیا کریں گے۔"

"مگر کیپٹن۔"

"کیپٹن نہیں...... صرف حمید...... مجھے اب اس لفظ کیپٹن سے بھی نفرت ہوگئی ہے۔ مجھے
ایک ماہ پہلے کے حمید سے بھی نفرت ہوگئی ہے۔ شائد میں اپنا نام ہی بدل دوں۔"

"اچھا...... اچھا...... میں آپ کے لئے میک اپ کا سامان مہیا کروں گا فی الحال اجاز
دیجئے۔ ایک ضروری کام سے باہر جارہا ہوں۔"

حمید بھی اٹھ کر اس کے ساتھ دروازے تک آیا۔

اب وہ پھر ڈاکٹر کی بہن ساحرہ کے متعلق سوچنے لگا۔ وہ سچ مچ ساحرہ تھی۔ اس کی آنکھیں
دلکش تھیں جیسے گہری نیند سے جاگی ہو۔ ان آنکھوں میں کتنا سکون اور کتنی گہرائی تھی۔ ابھی حال
میں وہ ملک کی ایک مشہور فلم اسٹار کے ساتھ بھی رہ چکا تھا لیکن اس کے لئے اس نے اپنی بے
نہیں محسوس کی تھی۔ روحی کے ہر انداز میں بناوٹ ہوتی تھی گو کہ وہ گھریلو زندگی سادگی ہی سے
کرتی تھی لیکن بات بات پر پوز کرنے کی فلمی عادت اس میں بھی پائی جاتی تھی...... اس کے برخلا
یہ ساحرہ جو مشینوں کی طرح بولتی تھی۔ بولتی ہی چلی جاتی تھی اور پھر جب ایک لحظہ کے لئے رکتی
گردن اکڑا کر تھوک نگلتی تو حمید کو نہ جانے کیا محسوس ہوتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ غالب کی محبو
ہوتی تو وہ اس تھوک نگلنے کے انداز کو کن الفاظ میں نظم کرتے۔ یقیناً اس انداز میں بڑی سیکس اپ
تھی، جو کم از کم غالب جیسے معاملہ فہم کی نظر سے پوشیدہ نہ رہ سکتی۔ حمید اپنے خشک ہونٹوں پر زبا
پھیر کر پائپ سلگانے لگا۔ شائد ساحرہ کو سچ مچ مردوں کی پرواہ نہیں تھی۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد
کر لباس تبدیل کیا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا لائبریری میں آیا۔ نوکر سے اسے پہلے ہی معلوم ہو چکا
کہ ساحرہ اپنا زیادہ تر وقت لائبریری ہی میں گذارتی ہے۔

ساحرہ لائبریری میں ٹہل رہی تھی۔ کچھ اس انداز میں جیسے ابھی تک فیصلہ نہ کر پائی ہو کہ
الماری سے کون سی کتاب نکالے۔ حمید کو دیکھتے ہی وہ رک گئی۔

"کیوں......؟" اس نے غصیلے انداز میں کہا "آپ کون ہیں اور یہاں کیوں گھسے چلے آئے۔"

"اوہ...... تو کیا مہمانوں کو لائبریری میں نہ آنا چاہئے۔" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"مہمان...... میں نہیں سمجھی۔ میرا خیال ہے کہ میں پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھ چکی ہوں۔"

"جی ہاں...... کل شام آپ نے مجھے دیکھا تھا۔ میں ڈاکٹر سلمان کا مہمان ہوں۔"

"اوہ...... سلمان اور مہمان کے قوافی خوب ہیں۔ کیا آپ شاعر بھی ہیں؟"

"جی ہاں...... میں شاعر بھی ہوں۔" حمید نے ایک طویل سانس لی۔

"مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔" ساحرہ نے مغموم لہجے میں کہا۔ انداز بالکل ایسا تھا جیسے اسے
ے کوئی دردناک اطلاع ملی ہو۔

حمید نے اسے گھور کر دیکھا لیکن وہ دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ ایک کرسی پر
بح کا اخبار دیکھنے لگا۔ لیکن اسے وہ خبر کہیں بھی نہ دکھائی دی جس کے متعلق اسے ڈاکٹر سلمان
علوم ہوا تھا۔ اس کی دانست میں وہ بھی فریدی ہی کا کام ہو سکتا تھا۔ اس نے سوچا شائد وہ اس
م کو ہراس پھیلا کر متزلزل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس کی فطرت سے کسی حد تک آگاہ تھا۔ لہٰذا یہ باور
لینے میں اسے کیا تامل ہو سکتا تھا کہ فریدی صرف ایک ہستی کی تلاش میں ہوگا اور وہ ہستی تنظیم کی
براہ "ملکہ کائنات" ہی ہو سکتی ہے۔

تاریہ کا تذکرہ ڈاکٹر سلمان کی زبانی سن کر اس کے کان کھڑے ہوئے تھے اور اس نے اس
ن بھی اس پراسرار عورت "ملکہ کائنات" کے متعلق سوچا تھا۔

"کیا تم یہاں...... صرف اخبار پڑھنے آئے تھے۔" دفعتاً ساحرہ نے پوچھا۔

اور حمید نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، جو اس انداز سے کمر پر ہاتھ رکھے اور سر آگے کی
رف نکالے کھڑی تھی جیسے لڑنے کا ارادہ رکھتی ہو۔

"جی ہاں...... میں اخبار دیکھ رہا ہوں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہے۔"

"آپ نے کیا پوچھا تھا......؟"

"میں نے پوچھا تھا...... کیا تم یہاں صرف اخبار پڑھنے آئے تھے؟"

"تم...... نہیں آپ...... میں بے تکلفی نہیں پسند کرتا۔" دفعتاً حمید کا موڈ بگڑ گیا۔

"اوہ...... آپ...... ایک ہی بات ہے۔"

"نہیں......ایک ہی بات ہے۔"

"مجھے تکلفات پسند نہیں ہیں۔" ساحرہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"بس یہی فرق ہے آدمی اور کتے میں......آدمی تکلفات کا عادی ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔

ساحرہ لاجواب سی ہو کر بغلیں جھانکنے لگی۔

حمید پھر اخبار پڑھنے میں بظاہر مشغول ہو گیا۔ حالانکہ اس کے ذہن میں صرف ایک ہی
تھا اور اخبار کے حروف تک اسے نہیں نظر آ رہے تھے۔ یہ کس قسم کی لڑکی ہے؟ یہ کس قسم کی لڑکی
اس کا ذہن بار بار دہرا رہا تھا۔

"میرے سوال کا جواب مجھے نہیں ملا۔" ساحرہ میز پر ہاتھ مار کر بولی۔

"ہاں......میں اخبار دیکھنے کیلئے یہاں آیا ہوں۔" حمید ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

"تب آپ اخبار اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ آپکی موجودگی یہاں ضروری نہیں ہے۔"

"میں یہیں بیٹھ کر پڑھوں گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "آپ فکر نہ کیجئے۔ مجھے یہاں کو
تکلیف نہیں ہے......جی ہاں۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں......میں تنہائی چاہتی ہوں۔"

"تو آپ خود چلی جائیے یہاں سے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ کیا بک رہے ہیں۔" ساحرہ کی آواز میں حیرت اور جھلاہٹ دونوں تھیں۔

"بک نہیں رہا......فرما رہا ہوں......ایک بار آپ سے کہہ چکا کہ مجھے بے تکلفی پسند
نہیں ہے۔"

"یہ میرا مکان ہے......آپ جانتے ہیں۔" ساحرہ جھلا گئی۔

"تو میں اسے کہاں اٹھائے جا رہا ہوں۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں۔"

"میرا نام ساجد حمید ہے۔"

"ہوگا......!" ساحرہ غصیلی آواز میں بولی۔

"ہوگا نہیں بلکہ ہے......آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔"

"آپ جھکی ہیں۔"

"جھکی......!" حمید نے حیرت سے دوہرایا۔ "میں جانتا ہوں۔ جھکی کسے کہتے ہیں۔ میرا تخلص
ہی شباب ہے۔"

"تو آپ شاعر ہیں۔" ساحرہ اپنا ہونٹ بھینچ کر بولی۔ "اسی لئے اتنی بکواس کر رہے ہیں۔ کوئی
شریف آدمی ہوتا تو اب تک اٹھ کر چلا بھی گیا ہوتا......جائیے یہاں سے۔"

"میں ہرگز نہیں جاؤں گا......ڈاکٹر سلمان نے مجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ لائبریری مہمانوں
کے لئے نہیں ہے۔"

"مکان میری نگرانی میں ہے۔ ان معاملات میں بھائی جان دخیل نہیں ہو سکتے۔"

"پھر بھی میں نہیں جاؤں گا۔ میں ڈاکٹر سلمان کا مہمان ہوں......آپ کا نہیں......میں
نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں اور اس مکان میں کس کی اجازت سے داخل ہوئی ہیں۔ براہِ کرم آپ
یہاں سے چلی جائیے کیوں خواہ مخواہ مجھے ڈسٹرب کر رہی ہیں۔"

ساحرہ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ حمید پھر اخبار دیکھنے لگا اور ساحرہ نے تھوڑی دیر بعد
نرم لہجے میں کہا۔ "ادھر دیکھئے۔"

"کہئے......کیا بات ہے۔" حمید سر اٹھا کر بولا۔

"میری آنکھیں کیسی لگتی ہیں آپ کو......؟"

"بالکل واہیات......میں نے ایک ایک بالشت کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ آپ کی آنکھوں میں
مجھے کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔"

"اچھا میرے ہونٹ......!"

"بیکار......بالکل لغو......دوسری بار دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔"

"اچھا میرے بال......؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے ان میں......معمولی ہیں۔"

ساحرہ قہقہہ مار کر ہنسی پھر بولی۔ "تب آپ شاعر نہیں ہیں۔ آپ جھوٹ بول رہے تھے۔"

"کیوں......؟"

"نہیں آپ شاعر نہیں ہیں۔ یہاں بھائی جان کے آفس میں ایک شاعر تھا وہ مجھ سے کہتا تھا
تمہاری آنکھیں صنوبر کے سائے میں سوئی ہوئی جھیل ہیں......اور ہونٹ شفق کے تراشے......بالوں

کو وہ سلونی شام کہا کرتا تھا۔ بھائی جان نے اسے آفس سے نکال دیا۔ وہ لوگ جو مجھ سے
کچھ دنوں کے بعد ایسی ہی باتیں کرنے لگتے ہیں اور پھر بھائی جان مجھے ان سے نہیں ملنے
اسی لئے میں نہیں چاہتی کہ جہاں میں ہوں وہاں آپ بھی آئیں۔ مگر اب کوئی خطرہ نہیں ہے
کو مجھ میں کوئی خاص بات نہیں نظر آتی۔"

"بالکل نہیں...... اگر ہوتی تو ضرور اطلاع دیتا۔"

"آپ کیا کرتے ہیں؟"

"عموماً اداس رہا کرتا ہوں۔"

"اداس کیوں رہتے ہیں۔"

"کیونکہ والد صاحب مجھے ڈاڑھی نہیں رکھنے دیتے۔"

"کیوں نہیں رکھنے دیتے۔ آپ پر بھائی جان کی سی ڈاڑھی بہت اچھی لگے گی۔"

"ایک بار میں نے رکھ لی تھی۔" حمید مغموم لہجے میں بولا۔ "والد صاحب بگڑ گئے۔ کہ
برابر کرتا ہے میری۔"

"واہ تو آپ ان کی زندگی میں ڈاڑھی رکھ ہی نہ سکیں گے۔"

"جی نہیں۔"

"آپ...... مجھے عجیب آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"خبردار...... لفظ عجیب سے مجھے چڑھ ہوگئی ہے۔ براہِ کرم اب اسے نہ دہرائیے گا۔"

"آپ یہاں کب تک رہیں گے؟"

"جب تک میرا دل چاہے گا۔"

"یہ تو بڑا اچھا ہے۔ میں یہاں بالکل تنہا رہتی ہوں۔ دل اکتا جاتا ہے تنہائی سے......
بھائی جان سے کہوں گی کہ آپ نے مجھے بالکل واہیات قرار دے دیا ہے۔ اس لئے آپ یقیناً
آدمی ہیں۔ وہ کہتے ہیں جو لوگ آنکھوں، ہونٹوں اور گھونگھریالے بالوں کی باتیں کرتے ہیں ا
آدمی نہیں ہوتے۔"

"ان سے اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں......؟"

"بس یونہی...... میں کہہ رہا ہوں نا۔" حمید نے آنکھیں نکال کر غصیلے لہجے میں کہا۔

"نہیں کروں گی۔" ساحرہ نے مردہ سی آواز میں کہا۔

نہ جانے کیوں حمید کو اس لڑکی پر رحم آنے لگا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ڈاکٹر سلمان جیسے ماہر
یات کے گھر میں ایک ایسا کیس قرین قیاس نہیں ہوسکتا۔ یہ لڑکی یا تو پکی مکار تھی یا پھر اس کی ذہنی
پانچ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اور اگر اس بالغ لڑکی کی ذہنی عمر صرف پانچ سال تھی تو اسے عجوبہ
کہا جاسکتا ہے۔ پھر وہ سوچنے لگا...... ہوسکتا ہے کہ یہ لڑکی بھی کسی ماہر نفسیات کے تجربے ہی کا نتیجہ
یعنی اس کی ذہنی عمر پانچ سال سے آگے بڑھنے ہی نہ دی گئی ہو۔"

"آپ کیا سوچنے لگے۔" اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں...... میں یہ سوچ رہا تھا کہ کل آپ نے مجھ سے فلسفیوں کی سی باتیں کی تھیں مگر
ج بچوں کی طرح گفتگو کررہی ہیں۔"

ساحرہ ہنسنے لگی پھر بولی۔ "ہاں...... میں بھی اکثر یہی سوچتی ہوں۔ پتہ نہیں کیوں۔
بعض اوقات مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ میری اپنی
آواز مجھے اجنبی سی معلوم ہوتی ہے اور میں سوچنے لگتی ہوں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ ایسے اوقات میں
جو کچھ کہتی ہوں وہ خود میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔"

"اوہ...... بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ کیا آپ نے ڈاکٹر سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے؟"

"وہ جانتے ہیں...... بلکہ جب وہ مجھ سے کہنے لگتے ہیں کہ تم سو رہی ہو گہری نیند سو رہی ہو۔
تمہاری نیند گہری ہوتی جارہی ہے۔ اسی وقت میں یہ محسوس کرتی ہوں اور پھر شاید مجھے سچ مچ نیند
آجاتی ہے۔"

حمید اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "کیا وہ روزانہ ایسا
کہتے ہیں؟"

"نہیں...... کبھی کبھی؟"

حمید خاموش ہوگیا۔ وہ پھر اس لڑکی کے بارے میں الجھن سی محسوس کرنے لگا تھا۔

"آپ نے کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے؟" اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"کہیں تک بھی نہیں...... نہ میں لکھ سکتی ہوں نہ پڑھ سکتی ہوں۔"

"تب یقیناً...... ڈاکٹر سلمان نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے۔" حمید کچھ سوچتا ہوا
"تب پھر آپ لائبریری میں کیا کرتی ہیں؟"
"مجھے یہاں بڑا سکون ملتا ہے۔"
دفعتاً ایک نوکر نے لائبریری میں آ کر ساحرہ سے کہا۔ "آپ کا بے بی رو رہا ہے۔"
"ارے بے بی رو رہا ہے۔" وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ پھر حمید سے بولی۔ "میں ابھی آئی
وہ جا چکی تھی اور حمید اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ یہ اتنی بھولی بھی بنتی ہے، اور بے بی بھی
ہے، اسے خود پر غصہ آنے لگا۔

مشورے

رانو اور اس کے ساتھی بہت خوش تھے کیونکہ اب ان کے جسموں پر چیتھڑوں کی بجائے
کے سوٹ نظر آنے لگے تھے اور ان کی جیبیں پانچ پانچ ہزار کے نوٹوں سے کافی وزنی ہوگئی تھیں
اب وہ اپنے سردار کے ایک اشارے پر دم ہلانے لگتے تھے۔ وہ اب اس گندی سی سرائے میں
نہیں تھے کیونکہ فریدی نے ایک گھنی آبادی والی بستی میں عمارت کرائے پر حاصل کر لی تھی۔
انور اس کا سامان لے کر واپس آ گیا تھا جس میں ایک جرمن ساخت کا ٹرانسمیٹر بھی تھا
اس نے کراغال کی خانم سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے منگوایا تھا۔
ٹھیک پانچ بجے اس نے اسے مخاطب کیا۔ "روبی...... روبی...... تم سن رہی ہو؟"
"اوہ...... آج......!" دوسری طرف سے کپکپاتی ہوئی آواز آئی۔ "میں کتنی شدت سے ا
کر رہی تھی ہارڈ اسٹون...... اوور......!"
"کیسے حالات ہیں؟...... اوور......!"
"ابھی تک تو ٹھیک ہیں...... اوور......!"
"ایک بات بتاؤ۔ اس رات میں جس میک اپ میں تھا کیا وہ تمہارے مشیر کے چھوٹے
کے حلیے سے ملتا جلتا تھا...... اوور......!"
"ہاں...... مجھے بھی حیرت تھی۔ لیکن میں نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا...... کیوں! تم

نمبر 18
ے خیال آیا...... اوور......!"
"کچھ نہیں...... یونہی...... وہ کن حالات میں مرا تھا...... اوور......!"
"تمہارے دوست کے ہاتھوں...... اوور......!"
"وجہ بھی بتائی تھی اس نے......؟ اوور......!"
"نہیں...... اس کی عادت تھی کہ جو بات چھپانا چاہتا تھا کسی پر بھی ظاہر نہیں کرتا تھا......
اوور......!"
"اور کوئی خاص بات...... اوور......!"
"نہیں کوئی نہیں...... مگر تم کب آؤ گے...... اوور......!"
"یہ حالات پر منحصر ہے...... اوور......!"
"میں بہت بے چینی سے تمہاری منتظر ہوں...... اوور......!"
"ایک نہ ایک دن ضرور آؤں گا...... اوور......!"
"میں ہر وقت تمہارے متعلق سوچتی رہتی ہوں۔ تمہیں یہاں بہت تکالیف پہنچی تھیں......
اوور۔"
"میں تکالیف کا عادی ہوں۔ جب تکالیف نہیں ہوتیں تو میں خود کو بیمار محسوس کرنے لگتا
ہوں...... اوور۔"
"تم اپنے دوست سے بھی زیادہ عجیب ہو۔ میں نے تمہاری تصویر اس کے البم سے الگ کر لی
ہے...... کہیں کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔ اوور......!"
"یہ تم نے بہت اچھا کیا...... اسے جلا دو...... اوور......!"
"ہرگز نہیں...... یہ میرے لئے ناممکن ہے...... اوور......!"
"اچھا روبی...... مجھے باخبر رکھنا...... اوور......!"
"میں...... تمہیں باخبر رکھوں گی۔ کاش تم سے پھر جلد ہی ملاقات ہو سکے نہ جانے کیوں میں ہر
وقت تمہارے متعلق ہی سوچتی رہتی ہوں...... اوور......!"
"میں آؤں گا...... اوور اینڈ آل......" فریدی نے سوئچ آف کر دیا۔
انور دوسرے کمرے میں اس کا منتظر تھا۔ شائد اس کے پاس کوئی نئی اطلاع تھی۔

فریدی کو دیکھتے ہی وہ کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو......بیٹھو......کوئی نئی بات۔"

"جی ہاں......!" انور بیٹھتا ہوا بولا۔ "آج تاریہ کے یہاں ادارہ روابط عامہ کے کارکنوں کی میٹنگ ہے۔"

"کس وقت......؟"

"نو بجے رات کو......!"

"ٹھیک یہ ایک اچھی اطلاع ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ایک بات......کیا آپ مجھے اجازت دیں گے؟" انور کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"آپ کا یہ طریق کار میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے آپ کو کبھی ایسا کرتے نہیں دیکھا۔ آپ کے پاس قانون کی قوت ہے......پھر آپ......میرا مطلب ہے......مجرمانہ انداز کیوں اختیار کئے ہوئے ہیں۔"

فریدی نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر جواب دیا۔ "ضابطے کی کاروائیاں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ تاریہ ڈاکٹر سلمان یا سردار شکوہ کے خلاف تم کیا کر سکو گے؟"

"تاریہ کے خلاف آپ کے پاس وافر مواد موجود تھا۔"

"ہرگز نہیں۔ وہ ان جعلی نوٹوں کے متعلق لاعلمی ظاہر کر کے صاف الگ ہو جاتی۔ الزام ان ملازموں کے سر جاتا اور ہو سکتا تھا کہ وہ دونوں بھی اس معاملے کو اپنی ذات سے آگے بڑھنے ہی نہ دیتے۔ بُرے آدمیوں میں بھی وفاداری کا جذبہ پایا جاتا ہے۔"

انور خاموش ہو گیا۔ لیکن فریدی کہتا رہا۔ "یہ طریقہ کار بظاہر قابل اعتراض ضرور ہے لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جو لوگ اس وقت ہماری نظروں میں ہیں، تنظیم کے متعلق زیادہ نہیں جانتے۔ یہ تنظیم کے لئے مختلف ذرائع سے صرف روپیہ حاصل کرتے ہیں۔ میں اس کانٹے دار پودے کے کانٹے جھاڑنے نہیں بیٹھوں گا بلکہ اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش میں ہوں۔ شمشاد تنظیم کا سربراہ تھا لیکن اس کی موت سے کیا ہوا۔ میرا خیال ہے کہ اب تنظیم پہلے سے زیادہ طاقتور ہو گئی ہے۔ میں ان لوگوں میں ہراس پھیلتا دیکھ کر ایک طرح کا سکون محسوس کرتا ہوں۔"

انور خاموش ہی رہا۔ وہ حیرت سے اس آہنی عزم والے انسان کو دیکھ رہا تھا اور اس کے ذہن

کے کسی تاریک گوشے میں یہ خیال موجود تھا کہ جیت ہر حال میں اسی کی ہوگی۔

فریدی نے پھر کہا۔ "حمید کے متعلق کیا اطلاع ہے؟"

"وہ بدستور ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی میں مقیم ہے۔"

"اور یقیناً کوئی بڑا کام انجام دے گا۔"

"مجھے یقین نہیں ہے۔" انور بولا۔

"کیوں......؟"

"ڈاکٹر سلمان کی بہن ساحرہ بڑی حسین ہے اور اب تو مجھے اس میں بھی شبہ ہے کہ وہ کسی کام کے سلسلے میں وہاں تک پہنچا ہو۔"

"تم حمید کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ میرے سامنے وہ یقیناً بچوں کی سی باتیں کرتا رہتا ہے لیکن مجھ سے دور رہ کر اس نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی۔"

انور پھر خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ حمید کے متعلق گفتگو ہی نہیں کرنا چاہتا۔ فریدی بھی چند لمحے خاموشی سے سگار کے کش لیتا رہا پھر کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوا بولا۔ "آج رات ہمیں تاریہ کی قیام گاہ میں کچھ کرنا ہے وہاں میں یہ بھی دیکھ سکوں گا کہ ادارہ روابط عامہ کے کارکنوں میں اور کون کون ہے۔"

"ان چار آدمیوں سے آپ کیا کام لیں گے۔ میرا خیال ہے کہ انہیں آپ الگ ہی کر دیں۔ پولیس نے ان پر نظر رکھنی شروع کر دی ہے۔ ان کے حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہوئے ہیں اس لئے پولیس کو تشویش ہونی ہی چاہئے۔"

"پرواہ نہ کرو......میرا مقصد بھی یہی ہے کہ پولیس کو تشویش ہو۔"

انور شائد اب کوئی سوال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ایک سگریٹ سلگانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کی پارٹنر رشیدہ کمرے میں داخل ہوئی۔ لیکن اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

"کیوں......کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"خان بہادر عاصم رام گڈھ پہنچ گیا ہے اور اس نے آپ اور حمید کے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے کہ آپ نے اس کے بے وقوف لڑکے کو پھسلا کر چھ لاکھ روپے خرد برد کرا دیئے۔"

"میں جانتا تھا۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "ایک دن یہ ضرور ہوگا۔ قاسم کا کیا خیا
ہے؟"

"وہ کوتوالی میں دھاڑ رہا تھا کہ یہ غلط ہے۔ ان دونوں سے کوئی غرض نہیں۔ چیکوں
دوسرے لوگوں نے دستخط لئے تھے۔ پھر اس نے کسی زمین دوز دنیا کے عجائبات کا تذکرہ شروع کر
اور اسی پوائنٹ پر ڈی۔ ایس۔ پی نے اسے خبطی تسلیم کرلیا۔"

"ماتھر موجود تھا کوتوالی میں۔"

"نہیں...... وہ آج کل ایک ماہ کی رخصت پر چلے گئے تھے۔"

"ہوں...... خیر...... اسے بھی دیکھیں گے۔"

"گویا یہ ساری مصیبتیں حمید صاحب ہی کی وجہ سے نازل ہوئی ہیں۔" رشیدہ نے کہا۔

"نہیں......!" فریدی اتنا ہی کہہ کر خاموش ہوگیا۔

رشیدہ انور کی طرف دیکھنے لگی لیکن انور شائد حمید کے متعلق کچھ سوچ ہی نہیں رہا تھا۔

فریدی نے رشیدہ سے کہا۔ "تم میرے لئے کیا کرسکتی ہو؟"

"جو کچھ آپ فرمائیں۔"

"لیکن وہ آسان کام نہیں ہوگا۔"

"کیا میں نے پہلے بھی آپ کے لئے مشکل ترین کام انجام نہیں دیئے۔"

"ٹھیک ہے...... مگر اس بار ہمارا سابقہ ایک تنظیم سے ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس تنظیم کے خلاف آپ کی کچھ نہ کچھ خدمت پہلے بھی کرچکی ہوں۔"

"اس وقت تم نے بیک گراؤنڈ ہی میں رہ کر سب کچھ کیا تھا...... لیکن اب تمہیں اس میں
نمایاں حصہ لینا پڑے گا۔"

"میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھے اس قابل تو سمجھا۔" رشیدہ مسکرائی اور انور کے ہونٹ
سکڑ گئے۔ اسے رشیدہ کی اس پر اخلاق مسکراہٹ سے بڑی نفرت تھی۔

"میں تمہیں کام بتاؤں گا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر انور کی طرف مڑ کر کہنے لگا۔

"اب یہاں سے میری تفریح شروع ہوگی۔ اس تنظیم کے مقابلے میں ایک دوسری تنظیم کھڑی
کرنے جا رہا ہوں۔"

"شاندار......!" رشیدہ دبے ہوئے جوش کے ساتھ بولی۔ "خدا کی قسم مزہ آجائے گا۔"

انور خاموش ہی رہا اور رشیدہ کو اس کی خاموشی کھلنے لگی۔

پھر انور نے آہستہ سے کہا۔ "آپ جانتے ہیں مجھے...... میں آپکی مخالفت بھی کرسکتا ہوں۔"

"قطعی...... بالکل۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اسی سے میں نے یہ تذکرہ چھیڑا ہے۔"

"میں اسے تضیع اوقات سمجھتا ہوں۔" انور بولا۔

"اچھا تو پھر میں تمہارے بتائے ہوئے راستے پر چلوں گا۔" فریدی مسکرایا۔ "میری رہنمائی
کرو۔"

"دیکھئے میں ابھی تک اس کے متعلق کوئی ڈھنگ کی بات نہیں سوچ سکا۔ لیکن آپ کا یہ طریقہ
کار مجھے عجیب سا لگتا ہے۔"

"عجیب سا نہیں بلکہ بچکانہ کہو۔" فریدی مسکرایا۔ "کسی سنجیدہ آدمی سے اس کی توقع نہیں کی
جاسکتی۔"

"آپ غلط سمجھے...... میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ خواہ مخواہ انرجی کیوں برباد کی جائے۔" انور جلدی
سے بولا۔

"تم اپنی انرجی اپنے پاس رکھو۔" رشیدہ نے اسے للکارا۔

"نہیں......!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم لوگ جھگڑا نہیں شروع کرو گے۔ انور نے یہ نہیں
کہا کہ وہ میری اسکیم میں حصہ نہیں لے گا۔"

"آپ مجھے بتائیے۔" رشیدہ نے کہا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی نے انور سے کہا۔ "تم ان چاروں پر نظر رکھو۔"

انور سمجھ گیا کہ وہ فی الحال وہاں اس کی موجودگی ضروری نہیں سمجھتا۔ لہٰذا وہ اٹھ کر باہر چلا
گیا...... غالباً فریدی نے اسے اسی لئے اٹھا دیا تھا کہ کہیں ان دونوں میں پھر جھڑپیں نہ ہونے
لگیں...... وہ تقریباً پندرہ منٹ تک رشیدہ سے آہستہ آہستہ کچھ کہتا رہا۔

ساحرہ کا بے بی

حمید ساحرہ کے بے بی کے چکر میں پڑ گیا تھا۔ وہ کافی دیر تک لائبریری میں اداس بیٹھا رہا۔ پھر اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ساحرہ آ گئی۔ اس نے کہا۔ ''میں نے واپس آنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے آ گئی۔ مگر اب پھر جا رہی ہوں۔ بے بی بہت رو رہا ہے۔''

''آپ کی شادی کب ہوئی تھی؟''

''ہٹئے......!'' ساحرہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ''ابھی کہاں ہوئی ہے میری شادی۔''

''پھر یہ بے بی......!''

''آپ احمق ہیں۔'' ساحرہ نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا......اور لائبریری سے چلی گئی۔

حمید نے ایک طویل سانس لی اور برا سا منہ بنائے ہوئے لائبریری میں ٹہلنے لگا۔ اس کا منہ بگڑتا جا رہا تھا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے کسی نے زبردستی کوئی کڑوی یا کسیلی چیز کھلا دی ہو۔

وہ ٹہلتا رہا۔ پھر اکتا کر کتابوں کی الماریوں کا جائزہ لینے لگا۔ دیکھتے دیکھتے یونہی بے خیالی میں ایک کتاب کھینچ لی لیکن اس کا نام پڑھ کر اسے دوبارہ الماری میں رکھنے ہی جا رہا تھا کہ وہ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس وقت حمید کچھ ایسے موڈ میں تھا کہ جھک کر اسے فرش سے اٹھانا بھی گراں گذرا۔ اٹھاتے وقت کتاب کھل گئی......حمید کی نظر صفحات پر پڑی جن کے حواشی پر جابجا پنسل کی تحریریں تھیں اور تحریر کے نیچے ساحرہ کے دستخط تھے۔

یہ کتاب دراصل فلسفے کی تاریخ تھی اور حمید نے بڑی حیرت سے یہ بات نوٹ کی کہ ساحرہ نے بعض فلسفیانہ مسائل پر بڑی شاندار پھبتیاں لکھی تھیں۔ حمید صفحات الٹتا رہا۔ آخری صفحے پر پنسل سے اسی طرز تحریر میں ''ہمبگ'' لکھا ہوا نظر آیا۔

یہاں بھی ساحرہ نے اپنے دستخط کئے تھے۔ حمید نے کتاب بند کر کے الماری میں رکھ دی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس لڑکی کو کیا سمجھے۔ اگر وہ سارے ریمارک اسی کے لکھے ہوئے تھے تو وہ یقیناً غیر معمولی طور پر تعلیم یافتہ تھی۔ اگر تعلیم یافتہ ہے تو پھر خود کو جاہل ظاہر کرنے میں کیا مصلحت

کتی ہے۔ حمید اسی گتھی میں الجھا ہوا لائبریری سے نکل آیا۔ پھر وہ اپنے کمرے کی طرف جا ہی رہا تھا راہداری میں ساحرہ مل گئی۔ جو اپنے بے بی کو کپڑوں میں لپیٹے بازوؤں میں جھلاتی پھر رہی تھی۔

ہوں......ہوں......ہوں......لل......لل......لا......چپ ہو جاؤ۔''

مگر بے بی کی چیخیں سن کر ایک بار پھر حمید کھوپڑی سے باہر ہو گیا۔ کیونکہ وہ چیخیں؟ دفعتاً ساحرہ نے کپڑا ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''دیکھئے......میرا بے بی کتنا پیارا ہے۔''

اسپینیل کتے کا ایک ننھا سا پلا اس کی گود میں ''ٹیاؤں ٹیاؤں'' کر رہا تھا۔

''میں بے بی کے فادر سے ملنا چاہتا ہوں۔'' حمید نے اپنے نتھنے پھلا کر کہا۔

''فادر کیا؟ میں نہیں سمجھی......ہوں......ہوں......لل......لل......لا۔''

''آخر آپ مجھے اُلو کیوں سمجھتی ہیں۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ اسے سچ مچ غصہ آ گیا ا۔ پھر وہ وہاں سے کے بغیر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نامعقول لڑکی سے کیسا تاؤ کرے، جو اسے اس بُری طرح بے وقوف بنا رہی تھی......اسے یعنی......کیپٹن حمید کو؟ اس کے لئے کم از کم ڈوب مرنے کا مقام تھا کہ کوئی لڑکی اسے الو بنائے۔ دو ہی تین منٹ بعد ساحرہ بھی وہاں موجود تھی لیکن اب کتے کا پلا اس کی گود میں نہیں تھا۔ وہ خاموش کھڑی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گفتگو کا آغاز کرنے کے لئے اسے مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

''وہ......دیکھئے آپ نہ جانے کیوں خفا ہو گئے۔'' ساحرہ رک رک کر بولی۔

''آپ اتنے اچھے آدمی ہیں......اگر آپ بھی خفا ہو جائیں گے۔''

''خدا کے لئے جاؤ......میرا پیچھا چھوڑو۔'' حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

''آخر کیوں......؟''

''کچھ نہیں......میں بے وقوف بننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''میں نے کیا بیوقوف بنایا ہے؟''

حمید چند لمحے خاموشی سے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''تمہیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا؟''

''بالکل نہیں آتا......آپ بھائی جان سے پوچھ لیجئے۔''

''کیا یہاں ساحرہ کسی اور کا بھی نام ہے؟''

''نہیں......واہ ایک گھر میں ایک ہی نام کے دو آدمی کیسے ہو سکتے ہیں۔''

"پھر لائبریری کی بعض کتابوں پر پنسل سے نوٹ کس نے لکھے ہیں؟"

"میں نہیں جانتی۔" لڑکی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "آپ کتابوں کے متعلق صرف بھائی جان سے گفتگو کر لیا کیجئے۔ میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"ڈیکارٹس کی فلاسفی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"ڈیکارٹس...... کی فلاسفی...... میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"تمہیں فلسفے سے دلچسپی نہیں ہے؟"

"فلسفہ...... یہ سب کیا ہے۔ میں ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"بے بی والا مسخرہ پن آپ کو مجھ سے نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"میرے خدا...... مجھے کیا کرنا چاہئے تھا...... آپکی تو کوئی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"بس اب جائیے۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

"دیکھئے...... آپ بہت اچھے ہیں لیکن اس وقت آپ کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں...... شکریہ اور آپ جا سکتی ہیں۔"

"میں اس وقت تک نہیں جاؤں گی...... جب تک آپ کی خفگی دور نہ ہو جائے۔"

"دور ہو گئی بھائی۔" حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

"کیا میں آپ کو کھل رہی ہوں۔" ساحرہ نے سوال کیا۔

"بالکل نہیں...... بس تم فی الحال چلی ہی جاؤ۔"

ساحرہ اسے گھور گھور کر بسورتی رہی پھر یک بیک اس طرح زار و قطار رونا شروع کر دیا کہ حمید کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"ارے...... یہ کیا کر رہی ہیں......؟" حمید ہکلایا۔

"اب آپ کو دکھائی بھی نہیں دیتا...... ارے میں رو رہی ہوں۔"

"جی ہاں...... جی ہاں......" حمید کی بوکھلاہٹ بدستور قائم رہی۔

"کیا میں جھوٹ بول رہی تھی۔" اب ساحرہ کی ہچکیاں لگ گئی تھیں۔

"نن...... نہیں بالکل نہیں۔" حمید نے پھر ہکلانا شروع کر دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس لڑکی کو کس طرح چپ کرائے۔ کیونکہ اس کی گریہ زاری اب آہستہ آہستہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"اچھا...... اچھا...... اب چپ بھی رہو۔"

"میں روتے روتے مر جاؤں گی۔ آپ نے یہ کیسے سوچا کہ میں آپ کو بے وقوف بنا رہی تھی۔"

"بے وقوف پیدا ہوتے ہیں...... بنائے نہیں جاتے۔"

حمید ایک بار پھر سناٹے میں آ گیا۔ یہ جملہ تو کسی بہت بڑے آدمی کا قول معلوم ہوتا ہے کہ بے وقوف پیدا ہوتے ہیں بنائے نہیں جاتے۔ وہ چکرا کر رہ گیا تھا۔ ایک طرف یہ لڑکی خود کو جاہل تسلیم کرا لینے پر مصر ہے اور دوسری طرف ایسے شاندار جملے بھی اس کی زبان سے ادا ہوتے ہیں۔

"اچھا...... میں مان گیا آپ کی بات۔" حمید نے زچ ہو کر کہا۔

"اب تو آپ اس قسم کی گفتگو نہیں کریں گے۔"

"نہیں...... نہیں...... قطعی نہیں۔"

لڑکی خاموش ہو گئی۔ روتے روتے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ اس نے دوپٹے کے آنچل سے آنسو خشک کئے اور اس طرح خاموش بیٹھی رہی جیسے گریہ و زاری کی دوسری قسط شروع کرنے کے لئے کسی دوسرے جملے کی منتظر ہو۔ لیکن اب حمید نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لئے تھے۔

"اب بھی آپ کے دل میں وہی ہے۔" ساحرہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں ہے...... قطعی نہیں ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"نہیں آپ کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔"

"میں اپنے چہرے کے چیتھڑے اڑا دوں گا۔" حمید پھر جھلا گیا۔

"دیکھا...... دیکھا میں نہ کہتی تھی۔ ارے میری قسمت ہی ایسی ہے۔" ساحرہ پھر باقاعدہ طور پر اسٹارٹ لے کر رونے لگی۔

حمید بوکھلا کر جانے کے لئے اٹھا اور وہ تڑپ کر بولی۔

"جاؤ تو...... خدا کرے میں یہیں مر جاؤں...... اچھا جاؤ...... میں دیوار سے اپنا سر ٹکرا دوں گی۔"

حمید فرش پر دو زانو بیٹھ کر اپنا سر پیٹنے لگا۔

ٹھیک اسی وقت ڈاکٹر سلمان کمرے میں داخل ہوا اور حیرت سے آنکھیں پھاڑے دروازے

ہی پر ٹھنک گیا۔ حمید نے سوچا یہ تو بہت بُرا ہوا۔ ڈاکٹر کیا سمجھے گا۔ بہر حال اس کے ہاتھ اور تیزی سے
چلنے لگے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" دفعتاً ڈاکٹر سلمان کی گرجدار آواز کمرے میں گونجی۔

ساحرہ جو پہلے ہی سہم کر خاموش ہو گئی تھی یک بیک اچھلی اور دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی
حمید بھی اپنے ہاتھ روک کر پاگلوں کے سے انداز میں ڈاکٹر سلمان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" ڈاکٹر سلمان نے دو تین قدم آگے بڑھ کر کہا۔

"یہ لل......لڑکی...... مجھے پاگل بنا دے گی۔ خدا کیلئے مجھے کوئی دوسری جگہ بتایئے ڈاکٹر۔

"کیا بات ہوئی تھی۔"

"ایک دو نہیں ہزاروں باتیں ہو گئیں جناب......خدا کے لئے۔"

"کیپٹن حمید......آپ ہوش میں بھی ہیں یا نہیں۔" ڈاکٹر سلمان نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

حمید نے سوچا کہ اب فوراً ہی پینترہ بدلنا چاہئے ورنہ حجامت ہو جائے گی۔

اس نے آہستہ سے کہا۔ "ڈاکٹر...... یہ لڑکی صحیح الدماغ بھی ہے یا نہیں؟"

"آپ بات بھی بتائیں گے یا یونہی بے سروپا ہوتی رہے گی؟"

"بات...... پہلے انہوں نے مجھے اپنا بے بی دکھایا۔ لیکن وہ اتنا ہنس مکھ بھی نہیں ثابت ہوا جتنا کہ اسپیئیل پلے کو ہونا چاہئے۔ پھر جناب...... انہوں نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ غیر تعلیم یافتہ ہیں۔"

"ہاں......یہ درست ہے کہ وہ لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتی۔" ڈاکٹر سلمان بولا۔ "لیکن آخر یہ کیا ہو رہا تھا۔"

"میں سر پیٹ رہا تھا......اور وہ رو رہی تھی۔" حمید بولا۔ "کیا اب یہ بھی بتانا پڑے گا کہ میں سر کیوں پیٹ رہا تھا؟"

ڈاکٹر سلمان بدستور اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

"جب انہوں نے بہت عاجز کر دیا تو میں نے سر پیٹنا شروع کر دیا...... مجھے یقین ہے کہ دوسری ملاقات پر میں بالکل پاگل ہو جاؤں گا۔"

"دیکھئے جناب......" ڈاکٹر سلمان نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "آپ اپنے کام سے کام رکھیں

اگر آپ کو یہ نا منظور ہو تو مجھے آگاہ کر دیجئے۔"

"بہت بہتر......میں اپنے کام سے کام رکھوں گا۔"

"میک اپ کا سامان آ گیا ہے لیکن آپ کے لئے ایک بُری خبر بھی لایا ہوں۔ وہ آپ کا
ت ہے ناجوروجی کے ساتھ مقیم ہے۔ آج اس کے باپ نے کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کے
ں رپورٹ درج کرائی ہے کہ ان دونوں نے اسکے لڑکے کو پھسلا کر چھ لاکھ روپے اینٹھ لئے۔"

"میرے خدا......!" حمید آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

تیسرا شعلہ

مادام تاریہ ایک بلند قامت اور وجیہہ عورت تھی۔ عمر چالیس سال سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ جسم
ساخت بھی ایسی ہی تھی کہ اگر قاسم دیکھ پاتا تو اسے نوشابہ بھی یاد نہ رہ جاتی۔ وہ ایک شاندار
ارت میں رہتی تھی اور رام گڈھ میں اس کی دوسری بھی کئی عمارتیں بھاری کرایوں پر اٹھی ہوئی تھیں۔
ک کے مختلف صنعتی اداروں میں اس کا وافر سرمایہ بھی لگا ہوا تھا۔ بہر حال وہ رام گڈھ کی متمول
ستیوں میں شمار کی جاتی تھی۔

اور اب فریدی نے اس کی ایک ڈھکی چھپی حیثیت سے بھی پردہ اٹھا دیا تھا۔ لیکن اس کا علم اس
یت صرف چھ ہستیوں کو تھا اور رشیدہ اور اس کے چاروں نئے ساتھی جانتے تھے کہ تاریہ کے ہاتھ
جعلی نوٹوں کے بزنس میں بھی ملوث ہیں لیکن ان چاروں کو ان باتوں کا علم نہیں تھا، جو انور اور رشیدہ
فریدی سے معلوم ہوئی تھیں۔

تاریہ اس کے علاوہ بھی کئی طرح کے جرائم کر گزرتی تھی اور اس ۔ اس کے طبقے کے لوگوں
کو نہیں ہونے پاتا تھا۔

آج اس کے یہاں ادارہ روابط عامہ کے کارکنوں کی میٹنگ تھی۔ میٹنگ نو بجے شروع ہونے

والی تھی ۔ اب آٹھ بج رہے تھے۔ تاریہ رات کے کھانے سے فارغ ہوکر اسٹڈی میں آ بیٹھی
یہیں کافی پی رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو......!" اس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"یا...... ہیلو...... تھارہ۔" دوسری طرف سے بھی کسی عورت ہی کی آواز آئی۔

"کون ہے؟"

"تھریسیا بمبل آف بوہیمیا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"میں نہیں جانتی کون ہو۔"

"اسی طرح چند سال پہلے تمہیں بھی کوئی نہیں جانتا تھا کہ تم کون ہو۔"

"کیا بکواس ہے۔" تاریہ جھلا گئی۔

"بدتمیز عورت...... میں تیری ہڈیاں چبا جاؤں گی۔ اپنی اصلیت کو نہ بھول۔ میں جانتی ہوں تیری حقیقت...... کتیا۔"

"او...... سؤر کی بچی تو ہے کون؟"

"سور تو تیرا باپ تھا...... جس نے تیری ماں سے شادی نہیں کی تھی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"شٹ اپ......!"

"شٹ اپ کی بچی...... اب بھی وقت ہے...... فیصلہ کرلے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"تو بکواس بند کرے گی یا نہیں؟" تاریہ دہاڑی۔

"نہیں...... میرا مطالبہ سات لاکھ ہے اور تو اب تک تقریباً تیس کروڑ کے جعلی نوٹ ملک میں پھیلا چکی ہے، میرے پاس ایسے ثبوت ہیں جو تجھے دن کو تارے دکھادیں گے۔"

"خاموش رہ گندی بلی۔" تاریہ غرائی۔ "تو میرا کچھ نہیں کرسکتی۔"

لیکن پھر وہ فوراً ہی سنبھل کر بولی۔ "تو نہ جانے کہاں کی بکواس لے بیٹھی ہے، کیسے نوٹ...... کیا خواب دیکھ رہی تھی۔"

"حوالات میں آنکھیں کھلنے پر تجھے اپنے خواب بہت یاد آئیں گے تاریہ۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"یقیناً تو نشے میں ہے۔" یک بیک تاریہ ہنس پڑی اور اس کے قہقہے سے کمرے کی دیواریں اٹھیں۔

"میں کہتی ہوں اگر تو نے تین دن کے اندر اندر سات لاکھ کی اصلی کرنسی بہم نہ پہنچائی تو تیرے شاید رام گڑھ کی پہاڑیاں بھی چیخیں اور کراہیں۔ میرے ایک آدمی نے تیرے دو لفنگوں کو کر کے تیری عمارت میں آگ لگادی تھی۔ کیا تجھے یاد نہیں۔"

"اوہ...... تو تم وہ لوگ ہو۔"

"ہاں...... میں تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں صرف تین دن کی مہلت دیتی ہوں سات لاکھ کے لئے۔ اس کے بعد میری کمپنی تم میں دلچسپی لینا چھوڑ دے گی...... کیا سمجھی......"

"تھریسیا شائد تو نہیں جانتی کہ تو کس سے گفتگو کررہی ہے۔ رام گڑھ کی ایک معزز ترین عورت۔"

"یعنی پولیس تیرے خلاف کوئی کاروائی نہ کرے گی؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"پولیس میرا کھلونا ہے عورت۔" تاریہ نے فخریہ انداز میں کہا۔ "وہ میرے خلاف ایک قدم نہ اٹھا سکے گی۔"

"تب پھر تم سے بزور قوت سات لاکھ روپے وصول کئے جائیں گے۔ تم آج ہی سے تیار رہنا۔"

"میں ہر وقت ہر معاملے کے لئے تیار رہتی ہوں۔" تاریہ نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔ ریسیور کو کریڈل میں ڈالتے وقت تاریہ کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

وہ کسی گہری سوچ میں تھی۔ ساڑھے آٹھ بجے سے ممبروں کی آمد شروع ہوگئی۔ تاریہ سمیت یہ تھے۔ گیارہواں ایک اجنبی تھا جو پہلی بار ڈاکٹر سلمان کے ساتھ آیا تھا۔ اس کی شکل کسی حد تک ڈاکٹر سلمان سے ملتی جلتی تھی۔ ڈاڑھی تو ہوبہو اسی کی تھی۔ یہ حمید کے علاوہ اور کون ہوسکتا تھا۔ خود ڈاکٹر سلمان نے اس کے میک اپ کی بے تحاشہ تعریف کی تھی اور یہاں اسے اپنے خالہ زاد بھائی کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔

میٹنگ کی کاروائی شروع ہوئی اور حمید شدت سے بوریت محسوس کرنے لگا کیونکہ یہ سو فیصدی کی ادارہ کے کارکنان کی میٹنگ تھی اور ابھی تک کسی کی بھی زبان سے ایسی کوئی بات نہیں نکلی تھی جو

حمید کے نکتہ نظر سے قابل گرفت ہوتی۔ ادارہ کے مالیاتی بحران پر بحثیں ہوتی رہیں۔ پھر تیر
باری آئی۔ اس کے بعد آمدنی کے مزید ذرائع پیدا کرنے کے امکانات پر غور کیا جانے لگا......
مسئلہ آخیر میں چھڑا جس سے حمید کو دلچسپی ہوسکتی تھی۔ یہ مسئلہ تھا ڈاکٹر سلمان کی کار اور تار
بلڈنگ کی آتش زدگی کا۔"

"میرے خیال سے یہ کوئی دیوانہ یا فاتر العقل آدمی ہے جو اس قسم کی حرکتیں کر رہا ہے۔" ڈا
سلمان نے کہا۔

"پہلے میں بھی یہی سوچتی تھی۔" تاریہ بولی۔ "مگر اب خیال بدل دینا پڑا ہے۔ کوئی عو
ہے تھریسیا بمبل بی آف بی۔ اسے ادارہ کی مالیات کی ساتویں ذریعے پر اعتراض ہے۔ اس
آدمی یہ حرکتیں کر رہے ہیں۔"

"آپ نشے میں تو نہیں ہیں مادام تاریہ۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ "کیا رام گڈھ میں کسی ا
عورت کا وجود بھی ہوسکتا ہے۔"

"ابھی ایک گھنٹہ قبل اس نے مجھ سے ٹیلی فون پر گفتگو کر کے سات لاکھ کا مطالبہ کیا تھا۔"

"اوہ......!" ڈاکٹر سلمان کے ہونٹ ایک چھوٹا سا دائرہ بنا کر رہ گئے۔

پھر کمرے کی فضا پر سکوت طاری ہوگیا......اور

ٹھیک اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک ہاتھ دکھائی دیا جس میں ریوالور تھا۔ وہ سب چونک
کھڑے ہوگئے۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" دروازے سے آواز آئی اور ساتھ ہی بولنے والا بھی ان کے سا
آ گیا۔ اس کے جسم پر سیاہ سوٹ تھا اور چہرے پر سیاہ نقاب۔

"آپ حضرات کو اس میٹنگ پر مبارک باد دیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"تم کون ہو؟" کسی نے پوچھا۔

"یہ سوال بڑا احمقانہ ہے۔ اگر یہی بتانا ہوتا تو چہرے پر نقاب کیوں ہوتی۔ کیا آپ لو
کامن سنس استعمال نہیں کر سکتے۔"

وہ سب ہاتھ اٹھائے کھڑے رہے لیکن حمید کے پیر کانپ رہے تھے۔ اس نے بولنے کی آوا
میں فریدی کے انداز گفتگو کی جھلکیاں پائی تھیں۔ وہ بھی چپ چاپ ہاتھ اٹھائے کھڑا رہا۔

"تم کیا جانتے ہو۔" ڈاکٹر سلمان نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"سات لاکھ...... میں مادام تھریسیا کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔"

"یہ مادام تھریسیا کیا بلا ہے؟" ڈاکٹر سلمان نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر پوچھا۔

"مادام تاریہ سے بھی افضل ترین خاتون۔ وہ جس سے یورپ کے بڑے بڑے آدمی کانپتے
ہیں مادام تھریسیا جو کہتی ہیں کر گذرتی ہیں۔ اگر تین دن کے اندر اندر سات لاکھ فراہم نہ کیے گئے تو
مادام تھریسیا کے حکم کے مطابق تاریہ کی ناک کاٹ دی جائے گی۔"

"کیا بک رہے ہو......؟" ڈاکٹر سلمان گرجا۔

"ہاں ڈاکٹر...... میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ تم بہت رحم دل ہو۔ تمہیں ناک کاٹنے کی دھمکی
نے یقیناً گہرا صدمہ پہنچایا ہوگا۔ مگر ہم کیا کریں...... ہمارا اصول یہی ہے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہاں سے بچ کر چلے جاؤ گے؟" تاریہ غرائی۔

"یقیناً...... ورنہ آتا ہی کیوں۔" نقاب پوش نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔

دفعتاً عقب سے کسی نے اس پر حملہ کیا۔ لیکن وہ اس کی پشت سے شانے پر ہوتا ہوا اچھل کر
ان لوگوں کے درمیان آ گرا۔ اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور نقاب پوش نے مسکرا کر کہا۔ "جلد
بازی بُری چیز ہے۔"

پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا جیسے در و دیوار سے آدمی نکلنے لگے ہوں۔ نقاب پوش نے چھلانگ
لگائی اور کھڑکی سے گذرتا ہوا راہداری میں پہنچ گیا۔

"نکل کر جانے نہ پائے۔" ڈاکٹر سلمان نے چیخ کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں ڈاکٹر...... اب اس عمارت سے ایک پرندہ بھی باہر نہیں جاسکتا۔"
یہ تاریہ کی آواز تھی۔

حمید بوکھلا گیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اب وہاں تقریباً
چالیس آدمی نظر آ رہے تھے اور فریدی تنہا تھا۔ تاریہ نے کسی اطمینان پر ہی کہا ہوگا کہ وہ باہر نہیں نکل
سکتا۔ اس افراتفری میں حمید ڈاکٹر سلمان وغیرہ سے الگ ہوگیا تھا اور عمارت کے ایک ایک گوشے
میں فریدی کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

دفعتاً عمارت کے کسی گوشے سے بیک وقت کئی فائر ہوئے اور حمید بے تحاشہ اس طرف دوڑا۔

ایک کھڑکی پر پے در پے فائر ہو رہے تھے اور گاہ بگاہ کھڑکی سے بھی فائر ہو جاتے۔ حمید
کرنے لگا کہ کسی طرح اس کمرے میں پہنچ جائے جس کی کھڑکی سے فائر ہو رہے تھے لیکن ا
کامیاب نہ ہوئی۔ اس وقت سراسیمگی کے عالم میں یہ چیز بھی اس کے ذہن سے نکل گئی تھی کہ
یہاں کس حیثیت سے آیا تھا اور ایسے حالات میں اس کا کیا رویہ ہونا چاہئے۔ وہ تو فریدی کو خطر
میں دیکھ کر سراسیمگی کی آخری سرحدیں چھونے لگا تھا۔

اچانک کھڑکی سے فائر ہونے بند ہو گئے اور پھر اسی راہداری سے ایک فائر ہوا۔ دوسرے
کرنے والوں میں سے کسی کی چیخ فضا میں لہرائی اور بھاگنے والا صاف نکلا چلا گیا۔ حمید دیوار سے
ہوا آگے بڑھنے لگا۔

پوری عمارت کچھ نیم تاریک سی تھی۔ اس لئے حمید کو توقع تھی کہ فریدی باہر نکل جانے میں
کامیاب ہو جائے گا لیکن تھوڑی ہی دیر میں تاریکی کا سہارا بھی اجالے کے سیلاب میں ڈوب گیا۔
دفعتاً پوری عمارت روشن ہو گئی تھی۔ جا بجا دودھیا روشنی کے ٹیوب نظر آنے لگے تھے۔

پھر کسی گوشے سے فائروں کی آوازیں آئیں...... اچانک کسی نے حمید کا شانہ پکڑ لیا۔ حمید
چونک کر مڑا...... سامنے تاریہ کھڑی تھی۔

''آپ کہاں بھاگتے پھر رہے ہیں مسٹر سہیل۔'' اس نے کہا۔ حمید کا تعارف اسی نام سے کرایا
گیا تھا۔

''میں سلمان بھائی کو ڈھونڈھ رہا تھا'' حمید نے جواب دیا۔

''نہیں...... وہ جہاں بھی ہوں گے محفوظ ہی ہوں گے۔ لیکن آپ کی زندگی ضرور خطرے میں
پڑ جائے گی۔ کیونکہ آپ اس عمارت سے واقف نہیں...... ہو سکتا ہے میرے ہی آدمیوں سے آپ
نقصان پہنچ جائے۔''

''میں سلمان بھائی کے لئے پریشان ہوں۔''

''کیا آپ ڈاکٹر سلمان سے واقف نہیں ہیں؟''

''وہ میری کزن ہیں...... مادام......!'' حمید نے کہا۔

''اس کے باوجود بھی آپ ڈاکٹر سلمان کو نہیں جانتے۔ آپ اس وقت ڈاکٹر سلمان کو یاد بھی
نہ ہوں گے۔ اس وقت تک ڈاکٹر اپنے وجود کو بھی بھولا رہے گا جب تک کہ اس نقاب پوش کی لاش

اسے نہیں نظر آ جائے گی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ ایک بار اس نے یہ بھی سوچا کہ کیوں نہ اس عورت ہی کا گلا گھونٹ دے۔ ایک
تو کم ہو لیکن اسے اس کا موقع ہی نہ مل سکا۔ کیونکہ تاریہ کے آدمی چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔

''آپ کی عمر کیا ہوگی مسٹر سہیل۔'' تاریہ نے پوچھا اور حمید کو فائروں کی گونج میں اس کا یہ
سوال بڑا عجیب معلوم ہوا۔

''مجھے اپنی صحیح عمر کا علم نہیں ہے۔'' حمید نے جواب دیا۔

''آپ بھی تیس سے زیادہ کے نہیں معلوم ہوتے۔'' اس نے حمید کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

''خدا جانے۔'' حمید کا ذہن فریدی میں الجھا ہوا تھا۔

''اوہ...... تم اتنا بنتے کیوں ہو؟'' تاریہ نے اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ ''ادھر اندھیرا ہے۔''

حمید کی کھوپڑی نے ایک ہی سیکنڈ میں ساڑھے سات سو چکر پورے کر لئے۔ فائر برابر ہو رہے
تھے۔ مگر یہ عورت...... سردی کے باوجود حمید کا جسم پسینے سے چپچپانے لگا۔

''سلمان بھائی۔'' حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں اس سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بڑبڑایا اور ایک
طرف دوڑنے لگا۔

پھر اسے یک بیک ایسا محسوس ہوا جیسے پوری عمارت میں سناٹا چھا گیا ہو اس کے کانوں میں
صرف اپنے دوڑتے ہوئے قدموں کی چاپ گونج رہی تھی۔

جلد ہی اسے اس سناٹے کی وجہ معلوم ہو گئی۔ نقاب پوش نے ایک جگہ پھر ان لوگوں کو پستول
کی نال پر لے لیا تھا۔ سات آدمی اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے تھے اور نقاب پوش کی پشت پر ایک
کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ انہیں ڈاج دے کر اس کھڑکی سے نکل جائے گا۔

اس نے ایک ہاتھ کھڑکی میں ڈالا ہی تھا کہ اوپر سے آگ کی ایک باریک سی دھار اس پر
آ گری۔ ہاتھ اٹھائے ہوئے آدمیوں نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ اور اسی آواز میں حمید کی دلخراش چیخ بھی
شامل تھی۔ نقاب پوش کے سر سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا لباس جل کر خاک
ہو گیا اور اب وہاں سیاہ رنگ کا ایک مجسمہ کھڑا تھا۔

حمید صرف دیکھ سکتا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا نچلا دھڑ بالکل بیکار ہو گیا ہو اور
اب وہ کبھی وہاں سے ہل بھی نہ سکے گا اور سر ہوا میں تیرتا محسوس ہو رہا تھا۔

دفعتاً اس سیاہ مجسمے کا داہنا ہاتھ اٹھا جس میں اب بھی ریوالور موجود تھا۔ پھر اس کھڑکی کی طرف
ایک فائر ہوا جس سے آگ کی دھار آئی تھی۔ ایک چیخ فضا میں لہرائی اور ایک آدمی کھڑکی سے نیچے
گر کر تڑپنے لگا۔

"ہاہا.....!" سیاہ مجسمے سے آواز آئی۔ "مادام تھریسیا بمبل بی.....زندہ باد۔"

"ڈرو..........دوستو..........تھریسیا سے ڈرو..........وہ بڑی خطرناک ہے۔ اس نے تمہارا یہ حربہ
بیکار کر دیا۔ جس پر تمہیں بڑا ناز تھا۔"

پھر اس سیاہ اور برہنہ مجسمے نے قہقہہ لگاتے ہوئے کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔ یہاں کسی
میں اتنی سکت بھی نہیں معلوم ہوئی تھی کہ وہ اپنے ہونٹوں ہی کو جنبش دے سکتا۔

حمید پسینے میں نہایا ہوا کھڑا تھا۔ وہ تقریباً پانچ منٹ تک اسی طرح گم سم کھڑے رہے پھر حمید
نے تاریہ کو بھرائی ہوئی آواز میں کہتے سنا۔ "یقین نہیں آتا۔"

پھر وہ ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔ "نہیں.....وہ آدمی نہیں بھوت تھا۔ تھریسیا بمبل بی کوئی بُری
روح تھی.....بمبل بی.....بمبل بی.....وہ کوئی بُری روح تھی۔"

حمید نے ڈاکٹر سلمان کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر اداسی تھی اور وہ بار بار اپنے خشک
ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ڈاکٹر" تاریہ نے سلمان کو مخاطب کیا۔ لیکن وہ کچھ نہیں بولا۔

"شائیں.....کھٹاک۔" ایک خنجر کھڑکی سے گذرتا ہوا سامنے والے دروازے میں دھنستا چلا
گیا۔ ایک منٹ تک وہ لوگ بے حس و حرکت کھڑے رہے کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ آگے
بڑھ کر اس خنجر کو دروازے سے نکالتا۔

پھر اس بار حمید ہی نے پہل کی۔ آگے بڑھ کر دروازے سے خنجر کھینچا۔ جس کے دستے سے
کاغذ کا ایک پرزہ لپٹا ہوا تھا۔ حمید نے اس کی تہہ کھولی۔

اور! کاغذ کے پرزے پر تحریر تھا

"مطالبہ.....سات لاکھ سکہ رائج الوقت! مہلت
.....تین دن..... جو میڈیکل سرٹیفکیٹ داخل
کرنے پر بھی نہ بڑھ سکے گی۔

الداعی

تھریسیا بمبل بی اینڈ کو.....!"

حمید نے اسے ڈاکٹر سلمان کی طرف بڑھا دیا اور ڈاکٹر سلمان نے اسے پڑھ کر سب کو سناتے
ہوئے کہا۔ "جلد بازی.....بہت بُری چیز ہے۔"

"کیا مطلب.....؟" تاریہ جلدی سے بول پڑی۔

"تم تو بس خاموش ہی رہو۔" ڈاکٹر سلمان بگڑ گیا۔ "تم سے کس گدھے نے کہا تھا کہ پش فائر
استعمال کی جائے۔"

تاریہ نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور حمید کو بڑی میٹھی نظروں سے دیکھنے لگی۔

حمید بھی جواباً خفیف سا مسکرا دیا.....اور اب وہ اُن سب کی موجودگی میں اسے بے تکے قسم
کے اشارے کرنے لگی تھی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 59

جہنم کا شعلہ

(چوتھا حصہ)

جہنم میں جاؤ

ان پر کچھ اس قسم کا سکوت طاری تھا جیسے وہ کسی ایسی لاش کے گرد کھڑے ہوں جسے قبرستان لے جانے سے پہلے "آخری دیدار" کے لئے رکھا گیا ہو۔

ڈاکٹر سلمان بار بار اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیتا تھا۔ نہ اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے اور نہ صدمے کے۔ البتہ پیشانی کی لکیریں گہری تشویش کا اظہار کر رہی تھیں۔ وہ دفعتاً ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ معاملہ یہیں ختم کیا جاتا ہے۔"

سب خاموش کھڑے رہے۔ تاریہ نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے لیکن پھر خاموش ہی رہ گئی۔ ڈاکٹر سلمان کے دوسرے اشارے پر مجمع برخواست ہو گیا۔ پانچ منٹ کے اندر ہی اندر کمرے میں تین نفوس کے علاوہ اور کوئی نہیں رہ گیا۔

یہ ڈاکٹر سلمان، حمید اور تاریہ تھے۔ ڈاکٹر سلمان غور سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس نے کہا۔ "یہ کون ہو سکتا ہے۔"

"میں......!" حمید کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔ "شبہے میں مبتلا ہو گیا ہوں۔"

"اظہار کر دیجئے اپنے شبہے کا۔"

حمید تاریہ کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"خیر...... پھر دیکھیں گے۔" ڈاکٹر سلمان نے جیب سے سگریٹ کیس نکال کر اسے کر
ہوئے کہا۔ لیکن کافی دیر تک سگریٹ اس کی انگلیوں میں دبی رہی۔ شائد اسے یاد ہی نہیں ر
سگریٹ اس کی انگلیوں میں دبی ہوئی ہے۔

"تاریہ میں پیاسا ہوں۔" اس نے تاریہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اور میں یونہی خواہ مخواہ کھڑی ہوئی ہوں۔ آخر ہم بیٹھتے کیوں نہیں۔"

"اوہ...... ہاں......" ڈاکٹر سلمان نے اس لاش کی طرف دیکھا جو اوپر کی کھڑکی سے ل
تھی۔ پھر دفعتاً چونک کر بولا۔ "اوہ...... مگر اس کے پاس پش فائر موجود نہیں ہے۔"

"شارٹی نے اسے سنبھال لیا ہوگا۔" تاریہ نے لاپرواہی سے کہا۔

"تم کریک ہو...... سو فیصدی کریک۔" ڈاکٹر سلمان تاریہ کو گھورتا ہوا بولا۔ "کس نے کہا
تم سے کہ پش فائر استعمال کیا جائے۔"

"ارے ختم بھی کرو۔" تاریہ ہاتھ ہلا کر بولی۔ "تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ کوئلے کا مجسمہ دیوا
چھلانگ لگا کر کھڑکی کے باہر کیسے جاسکا تھا۔ گفتگو کیسے کی تھی اس نے۔ چلو یہاں کب تک کھڑ
ہیں گے۔"

حمید کو ان دونوں کی گفتگو عجیب لگ رہی تھی کیونکہ ان کے سامنے ایک لاش بھی موجود تھی لیکن
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہو۔

تاریہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لائی جہاں میز پر سوڈے کا ایک بڑا سائفن رکھا ہوا تھا۔ چ
گلاس تھے اور تین چار شمپین کی بوتلیں۔

اس نے کمرے میں پہنچتے ہی دو گلاسوں میں شراب انڈیلی اور تیسرے میں انڈیلنے جارہی تھ
کہ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں نہیں پیتا۔"

"تمہیں جاننا ہی چاہئے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔

"کیوں جاننا چاہئے۔" تاریہ چونک کر حمید کو گھورنے لگی۔

"تم سہیل کو نہیں جانتی۔" ڈاکٹر سلمان مسکراتا رہا۔ "ان کے آجانے سے ہمارے ہاتھ بہت
مضبوط ہوگئے ہیں۔"

"پہلے یہ کہاں تھے۔"

"رام گڈھ میں تھے اور بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔ ملکہ کائنات کو علم ہوگا کہ یہ اس
سے پہلے کہاں تھے۔"

"تم نے تو کہا تھا کہ تمہارے کزن ہیں۔"

"ہاں میں نے غلط نہیں کہا تھا اور آج سے دو دن پہلے بھی مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ بھی ہم
ہی میں سے ایک ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ لیکن اس کے چہرے پر ایک بار حیرت کے آثار ضرور نظر آئے تھے۔ لیکن پھر
اس نے اپنی حالت پر قابو پانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ حالانکہ یہ سب کچھ سو فیصدی دکھاوا تھا۔ اسے
ان کی گفتگو سے قطعی حیرت نہیں تھی۔ مگر وہ ڈاکٹر سلمان کی پوزیشن کے متعلق ضرور الجھن میں پڑ گیا
تھا۔

"خیر......!" تاریہ کچھ دیر بعد بولی۔ "میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔ یہ تھریسیا بمبل بی
کیا بلا ہے۔"

"تھریسیا بمبل بی...... ایک خطرناک بوہمین عورت جس نے پورے فرانس کو ہلا کر پھینک دیا
تھا۔ شروع میں اس کی حیثیت ایک بدمعاش کی سی تھی۔ یہ اور اس کا ساتھی الفانسے ڈاکے ڈالتے
تھے۔ پھر آہستہ آہستہ ان دونوں نے ایک طاقتور گروہ بنالیا۔ پھر دوسری جنگ عظیم شروع ہونے سے
پہلے ہی تھریسیا اور الفانسے کو ایک موقع پر جرمنی کی طرف بھاگنا پڑا اور وہاں انہیں نازی سیکرٹ سروس
میں جگہ مل گئی۔ پھر انہیں دوبارہ فرانس آنا پڑا۔ لیکن اب حیثیت دوسری تھی۔ اب وہ ڈاکے نہیں
ڈالتے تھے۔ بلکہ فرانس کے فوجی راز جرمنی پہنچانے کے لئے کام کررہے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ
فرانس میں یہ جرمن سیکرٹ سروس کے سرغنہ تھے۔ فرانس پر جرمن کی فتح کے بعد انہیں کہیں اور بھیجا
جارہا تھا۔ مگر اس جہاز کو جس پر یہ تھے اتحادیوں نے ڈبو دیا۔"

"تب تو پھر...... یہ تھریسیا فراڈ ہے۔" تاریہ نے کہا۔

"ہوسکتا ہے...... مگر یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں اس جہاز پر نہ رہے ہوں۔"

"تمہیں شاید نشہ ہوگیا ہے۔" تاریہ نے آنکھیں بند کرکے قہقہہ لگایا۔ "خود ہی کہتے ہو کہ وہ
جہاز میں تھے اور جہاز ڈوب گیا تھا...... اور خود ہی کہتے ہو کہ......!"

"میں دونوں باتیں اپنی معلومات کی بناء پر کہہ رہا ہوں جن لوگوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے

تھریسیا اور الفانسے کا جہاز ڈبو دیا تھا وہی آج بھی ان کی تلاش میں ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ، دونوں اسی جہاز پر تھے اور انہیں لوگوں کو ان کی تلاش بھی ہے۔"

"یعنی وہ خود بھی کوئی واضح بات نہیں کہہ سکتے۔" تاریہ نے کہا۔

"یقیناً......!" ڈاکٹر سلمان سر ہلا کر بولا اور اپنا پائپ سلگانے لگا۔

کچھ دیر کے لئے پھر کمرے پر خاموشی مسلط ہوگئی۔ حمید اس دوران میں خاموش ہی رہا تھا۔ وہ خواہ مخواہ دخل انداز بھی نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اسے تو اب سوچ سمجھ کر کام کرنا تھا۔ معاملات کافی آگے بڑھ چکے تھے۔ یہاں اس کی موجودگی میں اس کھلی ہوئی گفتگو کا یہی مطلب ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر سلمان اس پر اعتماد کرنے لگا ہے۔

تاریہ نے اپنے لئے ایک گلاس تیار کیا۔ ڈاکٹر سلمان کے ہاتھ میں چوتھا گلاس تھا...... حمید کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ نہ تو اس کی گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ پی رہا ہے اور نہ آنکھیں یہ ظاہر کرتی تھیں۔ چوتھا گلاس ختم کر کے اس نے رومال سے ہونٹ خشک کئے اور تاریہ کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر اچانک ایسا لگا جیسے تاریہ کو کچھ یاد آ گیا ہو۔ وہ آہستہ سے بولی۔

"اوہ...... وہ لاش...... ٹھہرو...... میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ چلی گئی لیکن ڈاکٹر سلمان کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے اسے اس لاش سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔

"کیپٹن......!" اس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "تکلف برطرف میں جانتا ہوں کہ تمہارے دل میں تنظیم کے لئے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔"

"شکریہ۔ میں اس الجھن میں تھا کہ اس تذکرے کو کس عنوان سے چھیڑوں۔ سوچتا تھا کہ کہیں آپ اسے مکر نہ سمجھیں۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ تنظیم کے فلسفے نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔"

"یقیناً...... ہر باشعور آدمی ہمارے فلسفے سے آگاہ ہونے کے بعد ہماری طرف آنا پسند کرے گا۔ مگر فی الحال اس کے لئے حالات ساز گار نہیں ہیں کہ باقاعدہ طور پر اس کی اشاعت کی جا سکے۔"

"مگر اب میں سوچتا ہوں کہ کرنل فریدی کے اندازے کبھی غلط ثابت نہیں ہوئے۔ اس نے روحی کے حالات سے آگاہ ہوتے ہی کہہ دیا تھا کہ ادارہ روابط عامہ فراڈ ہے۔"

"ہوں......!" ڈاکٹر سلمان کچھ سوچنے لگا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔ "تم نے وہاں کوئی شبہ ظاہر کیا تھا۔ میں نے تاریہ کی موجودگی میں گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ کس بات کا شبہ تھا تمہیں...... اس دن؟"

"میں سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ کرنل فریدی نہ ہو۔"

"ہو سکتا ہے...... دراصل میں اسی پر اتنی دیر سے غور کر رہا تھا۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"مگر یہ صرف شبہ ہے میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ آہا ٹھہریئے۔" ایسا معلوم ہوا جیسے حمید کو یک بیک کچھ یاد آ گیا ہو۔ اس کی آنکھیں بھی چمکنے لگی تھیں۔ پھر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "ذرا اپنے حربے پش فائر کی تو خبر لیجئے۔ اگر وہ آدمی فریدی ہی تھا تو......!"

"کیا مطلب......!"

"آپ کا وہ حربہ کم از کم اس عمارت میں تو موجود نہ ہوگا۔"

"صاف صاف کہو۔"

"میں فریدی کے طریق کار سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہاں سے نکل جانے کے بعد باہر سے خنجر پھینک کر دوبارہ سات لاکھ روپوں کے بارے میں یاد دہانی ضروری نہیں تھی۔ اگر وہ فریدی ہی تھا تو یقین کیجئے کہ اس کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ ہم لوگ کچھ دیر تک اس کمرے میں ٹھہرے رہیں...... اور وہ کسی طرح سے پش فائر پر ہاتھ صاف کر دے۔ کیا اس کا اندازہ غلط تھا۔ کیا ہمیں سانپ نہیں سونگھ گیا تھا۔ ڈاکٹر وہ ذہنی اور جسمانی دونوں طرح کی لڑائیوں کا ماہر ہے۔ وہ اپنے مدمقابل پر ہر زاویئے سے نظر رکھنے کا عادی ہے۔ اگر وہ فریدی ہی تھا تو پش فائر سے ہاتھ دھو رکھئے۔"

"ٹھہرو...... میں دیکھتا ہوں۔" ڈاکٹر سلمان بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھا اور باہر نکل گیا۔ حمید کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ تھی۔ لیکن یہ مسکراہٹ زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی کیونکہ دوسرے دروازے سے تاریہ اندر داخل ہوئی۔

"ڈاکٹر کہاں ہیں۔" اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کہیں گئے ہیں۔"

"تم نے میری دعوت رد کر دی تھی...... کیوں؟" وہ مسکراتی ہوئی حمید کی طرف بڑھی اور حمید کے دیوتا کوچ کر گئے۔

"تم کھسک کیوں رہے ہو۔" وہ اس کے پاس صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "تم آخر اتنا کیوں ہو۔ کیا اب تک عورتوں سے دور ہی رہے ہو۔"

"نن...... نہیں تو...... وہ دیکھو بات دراصل یہ ہے کہ کوئی بات نہیں...... اور......!"

"کیا بات ہوئی۔"

"پتہ نہیں۔" حمید دوسری طرف کھسکتا ہوا بولا۔ "مجھے دراصل...... یعنی کہ......!"

"تم بالکل گدھے ہو۔" وہ حمید کا بازو پکڑ کر جھٹکا دیتی ہوئی بڑبڑائی۔ "بالکل گدھے...... میں تمہیں کھا جاؤں گی۔ نہیں تمہیں میرے ساتھ شراب پینی پڑے گی۔"

حمید کو اس وقت سچ مچ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے آج سے پہلے کبھی کسی عورت کی شکل تک نہ دیکھی ہو۔

"وہ دراصل بات یہ ہے......!"

"دراصل بات صرف اتنی ہے کہ تم بالکل اُلو ہو۔" تاریہ نے قہقہہ لگایا۔

"اچھا پہلے اس کا فیصلہ کر لو کہ میں اُلو ہوں یا گدھا۔" حمید نے سنبھالا لیا۔

"اس کے بعد میں سوچوں گا کہ ہماری دوستی کیسی رہے گی۔"

"تمہیں پینی پڑے گی...... تم میری دعوت رد نہیں کر سکتے۔ آج تک کسی میں اتنی جرأت نہیں ہوئی۔"

"اُف فوہ......! اس معاملے میں تم میرے باپ سے بھی زیادہ تیز مزاج معلوم ہوتی ہو۔ ایک بار انہوں نے شراب پینے پر مجھے گھر سے نکال دیا تھا۔"

تاریہ نے شاید سنا بھی نہ ہو کہ حمید نے کیا کہا تھا۔ کیونکہ وہ میز کی طرف جا کر دو گلاسوں میں شراب انڈیلنے لگی تھی۔

حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے گھورتا رہا۔ زندگی میں پہلی بار کسی ایسی بے جھجک عورت سے سابقہ پڑا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیا اب پینی ہی پڑے گی۔ مگر مصیبت تو یہ تھی کہ نشے میں اسے اپنے ذہن پر قابو پانا دشوار ہو جاتا تھا اور دماغ گرم ہو جانے کے بعد یہ بھی ممکن نہیں ہوتا تھا کہ دوسرے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھ جائے۔ وہ شراب کا عادی نہیں تھا کبھی کبھار کسی چکر میں پڑ کر پی لینا اور بات تھی ویسے اکثر فریدی کو چڑانے کے لئے بھی اُس نے پی تھی ورنہ یہ حقیقت تھی کہ وہ تمباکو کے

ہر قسم کے نشے کو بُری نظروں سے دیکھتا تھا تاریہ دونوں گلاس لئے ہوئے صوفے کی طرف واپس آ گئی۔

"پیو...... تم نہیں جانتے کہ تم کتنے بڑے اعزاز کو ٹھکرا رہے ہو۔ تاریہ کے ہاتھ سے جسے شراب ملے اسے رام گڈھ میں خوش قسمت کہتے ہیں۔"

"مجھے رام گڈھ میں چغد کہتے ہیں۔ لاؤ......!" حمید نے ہاتھ بڑھا کر گلاس لے لیا۔

"میں نے پہلی نظر میں پہچان لیا تھا کہ تم وہی ہو۔" تاریہ مسکرا کر آہستہ سے بولی۔

"کون ہوں......!" حمید بوکھلا گیا۔

"وہی جس کا مجھے سالہا سال سے انتظار تھا۔" تاریہ نے آنکھیں بھینچ کر قربان ہو جانے والے انداز میں کہا اور اس کی طرف جھکنے لگی۔

"ٹھ...... ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے۔" حمید نے بے بسی میں ہاتھ ہلائے کیونکہ اب پیچھے کھسکنے کی بھی جگہ نہیں تھی۔ وہ صوفے کے ہتھے سے ٹکا ہوا تھا۔

اچانک اسی وقت ڈاکٹر سلمان کمرے میں داخل ہوا۔ تاریہ پیچھے ہٹ آئی اور حمید کے ہاتھوں سے شراب کا گلاس پہلے ہی گر گیا تھا۔ ڈاکٹر سلمان نے انہیں گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ تاریہ کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔

"سہیل اب ہمیں واپس چلنا چاہئے۔" ڈاکٹر سلمان بولا اور حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"سہیل آج میرے مہمان رہیں گے۔" تاریہ غرائی۔ ڈاکٹر سلمان نے حمید کی طرف دیکھا۔ لیکن حمید کی آنکھیں پہلے ہی سے رحم کی بھیک مانگ رہی تھیں۔ ڈاکٹر سلمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ہلکی سی پرچھائیں نظر آئی اور اس نے کہا۔ "نہیں تاریہ...... آج رات ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں۔ میں مجبور ہوں۔ سہیل کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔"

"جہنم میں جاؤ۔" تاریہ نے جھلاہٹ میں اپنا گلاس دیوار پر کھینچ مارا۔ شیشے کے ٹکڑے فرش پر گر کر جھنجھنائے۔

باہر نکل کر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ "پیش فائر محفوظ ہے اور اب میں نے اسے ایک محفوظ مقام پر بھجوا دیا ہے۔"

"اوہ تب تو...... وہ ہرگز فریدی نہیں تھا اور اس طرح خنجر پھینکنا قطعی لایعنی تھا۔ میں فریدی

جیسے آدمی سے کسی لاحاصل حرکت کی توقع نہیں رکھتا...... مگر ڈاکٹر یہ تاریہ...... خدارا اب مجھے
یہاں آنے پر مجبور نہ کیجئے گا۔"

تاریہ کے نام پر ڈاکٹر سلمان ہنسنے لگا۔ لیکن جواب میں کچھ بولا نہیں۔

سلمان کا دشمن

ڈاکٹر سلمان کار ڈرائیو کر رہا تھا اور حمید اس کے قریب اگلی ہی سیٹ پر تھا۔ کچھ دیر تک خاموش رہے پھر ڈاکٹر سلمان بولا۔ "کیوں کیپٹن...... کیا تمہیں یقین ہے کہ فریدی زندہ ہے۔"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔"

"کیوں...... ! کیا اسے کوئی حادثہ پیش آیا۔"

"ڈاکٹر اب ان تکلفات کو چھوڑیئے...... مجھے الجھن ہوتی ہے۔ کیا آپ اس حادثے ۔ واقف نہیں ہیں۔"

"میں...... !" ڈاکٹر سلمان نے حیرت سے کہا۔ "میں کیا جانوں۔"

"کیا آپ نہیں جانتے کہ میں تنظیم کے ہیڈ کوارٹر کی سیر کر چکا ہوں۔"

"کیا...... نہیں۔" اس کا لہجہ اب بھی تحیر زدہ تھا۔

"تب پھر آپ نے مجھ پر کیسے اعتماد کر لیا۔"

"طاقت کا حکم۔" ڈاکٹر سلمان نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اس حکم کے آگے سر دینا ہی پڑتا ہے ورنہ مجھے تم پر اب بھی اعتماد نہیں ہے۔"

"کیا یہ طاقت حقیقتاً کوئی روح ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "آخر اسے میرے ذ انقلاب کا کیسے علم ہوا۔"

"اسی لئے ہم سر جھکانے پر مجبور ہیں کیپٹن۔" ڈاکٹر بولا۔ "میں پندرہ سال سے تنظیم ۔

لک ہوں۔ لیکن میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہے کہ ہیڈ کوارٹر ہے کہاں۔"

"ویسے میرا خیال ہے کہ اس میٹنگ میں آپ کی حیثیت سب سے برتر تھی۔"

"قطعی...... کم از کم رام گڈھ کی پارٹی کو میں ہی کنٹرول کرتا ہوں۔"

"میں نے طاقت کا دربار بھی دیکھا ہے۔" حمید نے فخریہ انداز میں کہا۔

"اب تم مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔" ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا۔

"نہیں حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو پاگل ہو جاتا۔ انہوں نے مجھے پڑا...... کچھ دنوں تک زمین دوز دنیا میں رکھا پھر باہر نکال دیا۔"

"زمین دوز دنیا...... !" ڈاکٹر سلمان کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

حمید چند لمحے خاموش رہا۔ پھر وہ واقعہ دہرانے لگا جو انہیں کچھ دنوں پہلے پیش آیا تھا۔ کس رح تنظیم کا ایک آدمی انہیں پولیس کار میں لئے پھر رہا تھا۔ پھر کس طرح وہ انہیں ویران علاقے کی رف لے گیا اور وہ حیرت انگیز سیٹی! نامعلوم آدمیوں سے مڈبھیڑ۔ فریدی کے کارنامے۔ پھر کس رح فریدی اسے ایک دراڑ میں لے گیا اور اسے ایک جگہ چھوڑ کر خود باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنے لا گیا پھر کس طرح اچانک اس پر کئی آدمی ٹوٹ پڑے تھے...... اور ہوش آنے پر اس نے خود کو اس پراسرار زمین دوز دنیا میں پایا تھا۔

"اب...... !" وہ کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ "ایسے حالات میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ فریدی بھی اب تک اسی زمین دوز دنیا کی سیر کر رہا ہو...... اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے سری دنیا کا سفر اختیار کرنا پڑا ہو۔ میں نے اپنے دورانِ قیام میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس کا کیا حشر ہوا لیکن نہیں معلوم ہو سکا۔"

"ہاں...... !" ڈاکٹر سلمان نے کھوئی کھوئی سی آواز میں کہا۔ "بعض اوقات طاقت کے کرشمے خواب کی باتیں معلوم ہوتے ہیں۔"

"مگر میں انہیں خواب نہیں سمجھتا۔" حمید بڑبڑایا۔ "میں نے سب کچھ بحالت بیداری دیکھا ہے۔ اس کا زندہ ثبوت میرا گرانڈیل دوست قاسم ہے جس کے باپ نے ہم پر چھ لاکھ روپے خرد برد کرنے کا الزام لگایا ہے۔"

"کیا مطلب...... میں نہیں سمجھا۔"

"قاسم بھی وہاں تھا اور اس سے وہاں سادہ چیکوں پر دستخط لئے گئے تھے۔ سادہ چیک
چاہئے۔ کیونکہ ان پر رقومات درج ہوتی ہیں...... اور قاسم نے وہیں حساب لگا کر کہہ دیا تھا کہ اس
بینک بیلنس صاف ہو چکا ہے۔"

ڈاکٹر سلمان کچھ نہ بولا۔ حمید بڑبڑاتا رہا۔ "اگر فریدی زندہ ہے تو تنظیم یقیناً خطرے میں
ہے۔ فریدی کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے ہمیشہ تنہا کرتا ہے۔ اس کے ذرا
لامحدود ہیں۔"

ڈاکٹر سلمان ہنسنے لگا۔ لیکن حمید نے اس سے اس طرح ہنسنے کی وجہ نہیں پوچھی۔

آخر ڈاکٹر خود ہی بولا۔ "خیال ہے تمہارا...... پچھلی باتوں کو بھول جاؤ۔ اس وقت ہم اتنے
شعور نہیں تھے۔ کنور شمشاد کا طریق کار گھٹیا تھا۔ موجودہ حکمران اس سے کہیں زیادہ دانش مند ہے
پھر اب تنظیم بہت مستحکم ہو گئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

بارہ بج چکے تھے۔ رام گڈھ کی سڑکیں ویران ہو گئی تھیں۔ آج سردی بھی زیادہ تھی۔ دفعتاً
کی کار کا عقبی حصہ کسی گاڑی کی ہیڈ لائیٹس سے چمک اٹھا۔

حمید نے مڑ کر دیکھا ایک گاڑی کافی تیز رفتار سے ان کے پیچھے آ رہی تھی۔ انداز سے ا
معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان کی کار سے آگے نکلنا چاہتی ہو۔ ڈاکٹر سلمان نے کار ایک طرف کر لی
لیکن رفتار میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔

اچانک پچھلی کار سے دو فائر ہوئے۔ دو دھماکے اور وہ کار آگے نکل گئی۔ لیکن ڈاکٹر سلمان
کار بیل گاڑی بن گئی تھی۔ پچھلے دونوں ٹائر برسٹ ہو چکے تھے۔

حمید نے پہلی بار ڈاکٹر سلمان جیسے مہذب آدمی کی زبان سے گندی گندی گالیاں سنیں۔ اس
وقت غصے میں کوئی گھٹیا قسم کا لفنگا معلوم ہو رہا تھا یا کوئی ایسی بیوہ عورت جو پڑوسیوں کی چھیڑ چھ
سے تنگ آ گئی ہو۔

دوسری صبح کے اخبارات نے اس خبر کو بری طرح اچھالا۔ سرخی تھی۔

ڈاکٹر سلمان کا ستم ظریف دشمن

خبر تھی کہ کسی نے پچھلی رات ڈاکٹر سلمان کی دوسری کار کے پچھلے دونوں ٹائر پر فائر کر کے بیکار
ردیئے جب کہ وہ مادام تاتاریہ کی طرف سے دیئے گئے ڈنر سے واپس جا رہے تھے۔ خبر رساں
بنی نیو اسٹار کے رپورٹر نے انہیں بے بسی کے عالم میں ایک ویران سڑک پر دیکھا۔ رپورٹر جھنوار
ے واپس آ رہا تھا۔ اس نے اپنی کار میں ڈاکٹر سلمان اور ان کے ساتھی کو ان کی کوٹھی تک پہنچایا۔

لیکن آج اخبارات کا رویہ اس سلسلے میں ہمدردانہ تھا۔ آج تقریباً سبھی نے ادارہ روابط عامہ
ی خدمات کو سراہتے ہوئے ڈاکٹر کے نامعلوم دشمن پر بے پناہ بوچھاڑیں کی تھیں۔ لیکن اس کی دشمنی
ی وجہ پر بھی کوئی روشنی نہیں ڈال سکا تھا۔ ویسے اس پر حیرت ضرور ظاہر کی گئی تھی کہ آخر نزلہ ڈاکٹر کی
کاروں ہی پر کیوں گر رہا ہے۔

لیکن حقیقت سے صرف ڈاکٹر سلمان آگاہ تھا اور پچھلی رات کے حملے کا مقصد بھی آج ہی صبح
ظاہر ہو گیا تھا۔ ادارہ روابط عامہ کا دفتر جب آج کھولا گیا تو لوگ متحیر رہ گئے کیونکہ انہیں کمرے کے
سط میں جلے ہوئے کاغذات کا ایک ڈھیر نظر آ رہا تھا۔ ساری الماریاں الٹ پلٹ ڈالی گئی تھیں۔ کوئی
چیز اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ ڈاکٹر سلمان نے یہ سب کچھ دیکھا اور دم بخود رہ گیا۔

"کیا یہ تھریسیا......!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"میرے ساتھ آؤ کیپٹن۔" ڈاکٹر سلمان نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ وہ دونوں دفتر سے نکل
کر عمارت کے رہائشی حصہ میں آئے۔ ڈاکٹر سلمان اسے لائبریری کی طرف لیتا چلا گیا۔ وہاں اس
وقت بھی ساحرہ موجود تھی حمید نے اسے بے چینی کے عالم میں ٹہلتے دیکھا۔ اس کے چہرے پر کچھ اس
قسم کے آثار تھے جیسے کوئی گمشدہ چیز تلاش کرتے وقت پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ انہیں دیکھ کر ٹھٹک گئی
اور ڈاکٹر سلمان نے اسے وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ ساحرہ ان دونوں پر ایک اچٹتی سی نظر
ڈالتی ہوئی باہر چلی گئی۔ حمید اس وقت میک اپ میں نہیں تھا۔

"اب تنظیم کو تمہاری صلاحیتوں کی ضرورت ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے
ہوئے کہا۔

"میں ہر طرح تیار ہوں۔"

"یہ تھریسیا بمبل بی۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "ان لوگوں کا وجود تنظیم کے لئے خطرناک ہے اگر انہوں نے اپنی معلومات پولیس تک پہنچا دیں۔"

"پولیس کو الگ ہی رکھو۔" ڈاکٹر سلمان بولا۔ "پولیس کو تو ہم نے بہت دنوں پہلے سے نظر انداز کر رکھا ہے۔ یہ تھریسیا بمبل بی ممکن ہے ہمارے کام میں حارج ہو۔"

"تیور تو یہی کہتے ہیں ڈاکٹر...... مگر وہ آخر چاہتی کیا ہے۔"

"سیدھے سادھے الفاظ میں روپیہ۔" ڈاکٹر سلمان نے جواب دیا۔ "یا یوں بھی کہہ سکتے ہو کہ وہ ہمیں بلیک میل کرنا چاہتی ہے۔"

حمید نے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "تنظیم کو بلیک میل کرنا چاہتی ہے۔ اس عظیم جماعت کو جو ساری دنیا پر چھا جانے کا پروگرام بنا چکی ہے۔"

"نہیں...... دشمن کو حقیر سمجھنا نادانی ہے۔" ڈاکٹر سلمان تشویش کن لہجے میں بولا۔ "ہم نہیں جانتے کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ یقیناً اس کے ذرائع قابل اطمینان ہوں گے۔ ورنہ وہ خود ہی ہم سے ٹکرانے کی کوشش نہ کرتی۔"

"ان کے متعلق اس طرح گفتگو کر رہے ہیں جیسے آپ کو یقین ہو کہ وہ حقیقتاً تھریسیا ہی کا گروہ ہے۔ میں تو فی الحال یقین کرنے کو تیار نہیں ہوں۔"

"وہ جو کوئی بھی ہو...... اس سے بحث نہیں۔ لیکن جس انداز میں وہ سامنے آئے ہیں تشویش ناک ہے۔ وہ کوئی بھی ہوں...... ان کا خاتمہ ہر صورت میں ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

اتنے میں ایک ملازم نے آکر کسی کا کارڈ دیا اور ڈاکٹر سلمان یہ کہتا ہوا اٹھ گیا۔ "اس پر غور کرو۔"

حمید غور کرتا رہا۔ اسے سو فیصدی یقین تھا کہ تھریسیا والا اسکینڈل فریدی ہی نے کھڑا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مکھیاں تو مار نہ رہا ہوگا۔ مگر یہ طریق کار اس کی سمجھ میں نہ آسکا۔ پھر وہ اس عورت کے متعلق سوچنے لگا جو تھریسیا کا رول ادا کر رہی تھی۔ وہ کون ہو سکتی ہے...... ممکن ہے...... فریدی بلیک فورس کی کوئی عورت ہو۔ بلیک فورس میں عورتیں بھی تھیں اور حمید کو اس کا علم تھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ......!" وہ ساحرہ کی آواز سن کر چونک پڑا جو چپ چاپ آکر اس کی پشت پر کھڑی ہو گئی تھی۔

"اوہو...... کیوں کیا بات ہے۔" حمید نے گھور کر پوچھا۔

"آپ تو خفا ہو گئے...... لیجئے...... چلی جاتی ہوں۔"

"نہیں ٹھہرو...... کیا بات ہے۔"

"بات تو ہے......" وہ سر جھکا کر سینڈل کی ٹو سے فرش پر ہلکی ہلکی ٹھوکریں لگاتی ہوئی بولی۔ "مگر کہیں آپ خفا نہ ہو جائیں...... بُرا نہ مان جائیں۔"

"تم بات بھی تو بتاؤ۔"

"نہیں پہلے آپ وعدہ کیجئے کہ بُرا نہ مانیں گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔"

ساحرہ نے اپنے بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈالتے وقت ایک طویل سانس لی اور جب وہ ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک خوبصورت سی انگشتری تھی۔

"یہ میں آپ کو دینا چاہتی ہوں۔" اس نے کہا اور پھر کچھ اس انداز میں اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی جیسے اندازہ کرنا چاہتی ہو کہ اس نے بُرا تو نہیں مانا۔

"ہائیں......!" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "اس میں بُرا ماننے کی کیا بات تھی۔"

"اوہ...... میں نے کہا شائد...... آپ پتہ نہیں کیا سمجھیں۔"

"کیا سمجھتا میں۔"

"اوہ...... وہ...... کچھ نہیں...... میں نے سوچا تھا...... کہیں آپ یہ نہ سمجھیں۔"

"کیا نہ سمجھوں۔"

"اونہہ! چھوڑیئے...... بہرحال آپ بُرا نہیں مانیں گے۔"

"نہیں اب مجھے اس مسئلے پر غور کرنا پڑے گا۔"

"کس مسئلے پر۔"

"اسی پر کہ مجھے بُرا ماننا چاہئے یا نہ ماننا چاہئے۔"

"اوہ......!" ساحرہ یک بیک اداس ہو گئی اور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی۔

"اچھا آپ غور کر لیجئے۔"

پھر وہ جانے کیلئے مڑی ہی تھی کہ حمید نے کہا۔ "ٹھہرو...... ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی۔"

وہ رک گئی۔ لیکن اس کی پلکیں نیچے ہی جھکی رہیں۔

"ظاہر ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "تم یہ انگشتری مجھے اس لئے دے رہی ہو کہ میں ا... استعمال کروں۔"

"جی ہاں......!" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"لیکن اگر تمہارے بھائی نے اس پر اعتراض کیا تو۔"

"ارے...... وہ کیا جانیں۔" وہ ہاتھ ہلا کر بولی۔ "یہ تو میں نے کل ہی آپ کے لئے خرید... تھی۔ میں دراصل...... میں کیا بتاؤں...... کل میرا دل چاہا تھا کہ آپ کیلئے اور بھی چیزیں خریدوں آپ کا یہ سویٹر اچھا نہیں ہے۔ میں نے ایک بڑا اچھا سویٹر دیکھا ہے۔ پھر میں نے سوچا ممکن ہے ک... آپ بُرا منائیں۔ میں آپ کیلئے اپنی پسند کے جوتے بھی خریدنے جا رہی تھی۔"

"اوہ...... میں تمہارا شکر گزار ہوں۔" حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

"تو آپ بُرا نہیں مانیں گے اگر میں یہ ساری چیزیں آپ کیلئے خریدوں۔"

"نہیں میں بُرا نہیں مانوں گا۔ لیکن فی الحال میرے لئے اور کچھ نہ خریدنا۔ یہ انگشتری بہت خوبصورت ہے۔"

"پسند ہے نا آپ کو۔" وہ کسی ننھی سی بچی کی طرح خوش ہو کر بولی۔ "میں جانتی تھی کہ آپ ک... ضرور پسند آئے گی۔"

حمید نے انگشتری کے لئے ہاتھ بڑھا دیا اور جب اسے انگلی میں پہن رہا تھا ساحرہ دوسر... طرف منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔

حمید نے اسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اس کے جسم پر ہلکی سی لرزش نظر آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہنس رہی ہو۔ حمید کو یک بیک غصہ آ گیا کہ وہ اسے اتنی دیر سے الو بنا رہی تھی۔ وہ جھپٹ کر اٹھا لیکن جیسے ہی اس کے سامنے پہنچا ششدر رہ گیا۔ وہ رو رہی تھی۔ موٹے موٹے آنسو اسکے رخساروں پر ڈھلک رہے تھے۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

"یہ...... یہ کیا...... تت...... تم۔" حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں ہکلایا۔

"مجھے جانے دیجئے۔" وہ اسے ایک طرف دھکیلتے ہوئے لائبریری سے بھاگ گئی۔ حمید اپنا سر سہلاتا رہ گیا۔ یہ لڑکی نہ جانے کیا بلا تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے انگشتری پر نظر ڈالی جس پر ہیرے کا ایک بڑا سا نگینہ جگمگا رہا تھا۔ وہ یقیناً ایک بیش قیمت انگشتری تھی۔

حمید اسے کافی دیر تک...... الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اسے محسوس ہونے لگا جیسے وہ جگمگاتا ہوا پتھر بھی شفاف آنسو کا قطرہ ہو۔ اس نے اپنا ہاتھ نیچے گرا دیا اور ساحرہ کے متعلق سوچنے لگا۔ کیا اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ڈاکٹر سلمان جیسے ماہر نفسیات نے اس کی ذہنی حالت سدھانے کی کوشش نہ کی ہوگی۔ پھر وہ ایسی کیوں ہے۔

حمید لائبریری ہی میں بیٹھا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ڈاکٹر سلمان پھر وہاں آیا۔

"ارے...... تم ابھی تک یہیں ہو کیپٹن۔" اس نے حیرت سے کہا۔ "میں تمہیں تمہارے کمروں میں دیکھ رہا تھا۔"

"ہاں...... الجھنیں...... آج کل مجھے سر پیر کا ہوش نہیں ہے۔"

"کوئی نئی الجھن۔" ڈاکٹر سلمان معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

"تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا۔"

"اوہ...... لیکن تم اس کے سلسلے میں کام کا آغاز کہاں سے کرو گے۔ ہمیں ان کے ٹھکانوں کا علم تو ہے نہیں۔"

"میں اسی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ اندھیرے میں تیر مارنے سے کیا فائدہ۔"

"اندھیرے میں کیوں...... کیا تمہیں اب تک اجالا نظر نہیں آیا۔"

"فی الحال نہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی آدمی تاریہ کے لوگوں میں آ ملا ہے اور محض اسی کی وجہ سے وہ پچھلی رات وہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہوا تھا۔ ورنہ تاریہ کی کوٹھی تو ایسی نہیں جس سے کوئی اتنی آسانی سے گلوخلاصی حاصل کر لے۔"

"ہو سکتا ہے...... ممکن ہے میں نے وہاں خاصی بھیڑ دیکھی تھی۔ کیا وہ سب تاریہ کے جانے پہچانے آدمی ہیں۔"

"اسے معلوم کرنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں وہیں سے تفتیش کا آغاز کرنا چاہئے۔"

"وہیں سے۔" حمید بوکھلا گیا۔ "یعنی پھر تاریہ کی کوٹھی میں جانا پڑے گا۔"

"ڈرو نہیں۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔ "اسے ہینڈل کرنے کے دوسرے طریقے بھی ہیں۔"

حمید کچھ بولا نہیں۔ جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ ڈاکٹر سلمان تھوڑے توقف کے ساتھ پھر بولا۔ "تاریہ صنفی عجوبہ ہے۔ جنسی بے راہ روی کے بہتیرے رجحانات بیک وقت اس میں موجود ہیں۔ وہ نمفومینیک بھی ہے اور ماساکٹ بھی ہے۔ اگر تم اسے نت نئی اذیتیں دے سکو تو وہ وحشیانہ پن کا مظاہرہ کرنا ترک کردے گی۔"

"اوہ.....!" حمید ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا.....اور سلمان بولا۔

"تمہیں بہرحال یہ کام کرنا ہے اور تاریہ سے محفوظ رہنا یہ خود تمہاری ذہانت پر منحصر ہے۔"

"آہا.....تب میں اسے دیکھ لوں گا۔"

"خیر.....ابھی ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ پولیس تھریسیا کے پیچھے لگ گئی ہے۔ مطلب یہ کہ اس کی شخصیت کا علم ہوگیا ہے۔ لیکن اب انہیں اسے ڈھونڈ نکالنے میں بہتیری دشواریاں نظر آرہی ہیں۔"

"اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ یہاں کی پولیس بالکل نکمی ہے۔ اگر اسے اس کا پتہ نہیں معلوم تو اسکی معلومات کا ذریعہ یقیناً عجیب ہوگا اور اگر یہ پتہ معلوم ہے تو دشواری کا نام بھی نہ لینا چاہئے۔"

"اسے کچھ ایسے کاغذات ملے ہیں جن سے ان لوگوں پر روشنی پڑتی ہے۔"

"کاغذات کہاں سے ملے ہیں؟"

"ٹھہرو میں بتاتا ہوں...... پوری بات بتائے بغیر میں تمہیں مطمئن نہیں کرسکوں گا۔ پولیس ایسے چار آدمیوں کی نگرانی کررہی ہے جن کے پاس کل تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی لیکن آج ان کے جسموں پر بہترین قسم کے سوٹ موجود ہیں۔ جہاں ان کا قیام تھا اس عمارت پر پولیس نے اچانک چھاپا مارا اور کئی ایسی چیزیں برآمد کرلیں جن کا رکھنا غیر قانونی ہے۔ ان چاروں کے بیان کے مطابق وہاں ایک ٹرانسمیٹر بھی تھا جو پولیس کے ہاتھ نہیں لگ سکا۔ انہوں نے بتایا کہ وہاں ایک عورت تھی اور دو مرد جو دو دن سے وہاں نہیں آئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مردوں میں ایک نے انہیں ملازم رکھا تھا اور عمدہ قسم کے کپڑے اسی نے بنوا دیئے تھے۔"

"یہ چاروں ہیں کون۔" حمید نے پوچھا۔

"رام گڈھ کے چھٹے ہوئے بدمعاش۔"

"وہیں سے کاغذات بھی برآمد ہوئے تھے۔"

"ہاں.....!"

"ظاہر ہے کہ اب وہ تینوں وہاں آنے سے رہے۔"

"کون جانے۔" ڈاکٹر سلمان خلاء میں گھورتا ہوا بولا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ "یہ تھریسیا بمبل بی میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"ہاں......آں......لیکن میں دیکھوں گا آپ کا یہ خیال کسی حد تک صحیح بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی آدمی تاریہ کے لوگوں میں آملا ہے۔ ورنہ پچھلی رات وہ آدمی اتنی آسانی سے فرار نہ ہوسکتا۔ یقیناً اندر سے اس کی مدد کی گئی ہوگی۔"

ڈاکٹر سلمان خاموش رہا۔

اجنبی کی آمد

یہ دوسرا دن تھا اور تھریسیا بمبل بی کی طرف سے صرف تین دن کی مہلت دی گئی تھی۔ اس دوران میں پھر کوئی نیا واقعہ نہیں ہوا تھا۔ تاریہ اور اس کے آدمیوں میں کافی بے چینی پائی جاتی تھی یہ اور بات ہے کہ وہ اس کا اظہار نہ ہونے دیتے رہے ہوں۔

حمید اب بھی الجھن میں تھا اور قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ تھریسیا کی پشت پر فریدی ہی ہوگا۔ حالات ہی ایسے تھے۔

بہرحال وہ ڈاکٹر سلمان کی تجویز کے مطابق سہیل کی حیثیت میں تاریہ کے یہاں تنہا جا پہنچا۔ وہ اس وقت بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔ اس کے جسم پر براؤن چمڑے کی جیکٹ اور خاکی گابرڈین کی

پتلون تھی اور ہاتھوں میں چمڑے کے دستانے۔ تاریہ اسے دیکھ کر کھل اٹھی۔

"میں جانتی تھی کہ تم ضرور آؤ گے۔" اس نے ایک شوخ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ کمرے میں دو آدمی پہلے سے موجود تھے۔ شاید وہ اس کے ملازموں ہی میں سے تھے کیونکہ اس کے اشارے پر وہ بڑے سعادت مندانہ انداز میں وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

"تم بیٹھتے کیوں نہیں۔" تاریہ پھر بولی۔

"ضروری نہیں ہے۔" حمید نے چڑچڑے آدمی کی طرح کہا۔

"کیا مطلب......!"

"تم بکواس بہت کرتی ہو اور مجھے یہ پسند نہیں ہے۔"

"ہائیں......!" تاریہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گئی۔ شاید اسے حمید سے اس لب ولہجے کی توقع نہیں تھی اور یہ حقیقت بھی تھی کہ بڑے بڑے اس کے سامنے آ کر کانپنے لگتے تھے۔ حمید نے ابھی تک صرف ڈاکٹر سلمان ہی کو اس سے بے تکلفانہ انداز میں گفتگو کرتے دیکھا تھا اور وہ اس سے کچھ دبتی بھی تھی۔

"مجھے اس عمارت میں رہنے والوں کی لسٹ چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ کس سے گفتگو کر رہے ہو۔" تاریہ غضب ناک ہو کر بولی۔

"میں طاقت کا نمائندہ ہوں اور تم سے اس مکان میں رہنے والوں کی لسٹ طلب کر رہا ہوں۔ اس رات کی باتیں بھول جاؤ۔ میں صرف یہاں کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے نرمی برت رہا تھا...... ورنہ میں بہت سخت آدمی ہوں۔"

"بکواس بند کرو۔" تاریہ حلق پھاڑ کر بولی۔

دفعتاً حمید کا داہنا ہاتھ پتلون کی جیب میں گیا اور جب باہر آیا تو اس میں چمڑے کا ایک چابک تھا۔

"شائیں......!" اس نے تاریہ کے بازو پر ایک چابک رسید کر دیا۔ تاریہ جہاں تھی وہیں رہ گئی۔ اس کا منہ پھیل گیا تھا اور داہنا ہاتھ چوٹ کھائے ہوئے بازو کو مسل رہا تھا۔

"میں تم سے لسٹ طلب کر رہا ہوں۔" حمید نے پھر دہرایا۔

لیکن تاریہ کچھ نہیں بولی۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے پر کچھ اس

م کے آثار تھے جیسے اس چوٹ کو مسلنے میں بڑی لذت مل رہی ہو۔

"کیا تمہیں سنائی نہیں دیتا۔" حمید دھاڑا۔

"نہیں......!" تاریہ نے آہستہ سے سسکاری لی اور بڑے دلآویز انداز میں مسکرانے لگی۔ اس کی آنکھیں کچھ ایسی لگ رہی تھیں جیسے ابھی ابھی سو کر اٹھی ہو۔

حمید نے دوبارہ چابک گھمایا اور اس بار اس کی رانوں پر پڑا۔

"اوہ...... اُف......!" وہ ہولے ہولے کراہتی ہوئی صوفے پر گر پڑی۔ تیسرا چابک پھر پڑا...... اور وہ کراہی "بڑے ظالم ہو...... میں لسٹ نہیں دوں گی۔"

حمید کا ہاتھ پھر چل گیا۔

آخر تیرہ چابک کھا چکنے کے بعد وہ کراہتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ اب اس کے خدوخال پھیکے نظر آنے لگے تھے اور آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔ انداز سے کسل مندی ظاہر ہو رہی تھی۔ جیسے بہت زیادہ محنت نے اسے تھکا دیا ہو۔

اس کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور آہستہ سے بولی۔

"سچ مچ تم بڑے بے درد ہو...... مگر...... مگر...... میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔"

"پھر تم نے بکواس شروع کر دی ہے۔"

"لسٹ کیوں چاہئے۔"

"کیا میں پھر چابک اٹھاؤں۔"

"نہیں...... اب بس...... حد ہوتی ہے۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"میں تمہارے ایک ایک آدمی کو چیک کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے شبہ ہے کہ یہاں تھریسیا کا بھی کوئی آدمی موجود ہے۔"

"نہیں...... یہ ناممکن ہے۔ سارے آدمی میرے جانے پہچانے ہوئے ہیں۔"

"تمہاری کھوپڑی میں مغز کی بجائے بھُس بھرا ہوا ہے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تھریسیا میک اپ کی ماہر ہے۔ مگر تم کیا جانو...... پتہ نہیں تنظیم تک تمہاری رسائی کیسے ہوگئی۔"

"تم خواہ مخواہ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔" تاریہ پھر جھنجھلا گئی۔ "عمارت تمہارے سامنے ہے۔ سارے آدمی بھی موجود ہیں جا کر جھک مارو۔ کس کی مجال ہے کہ تاریہ کو دھوکا دے کر یہاں رہ سکے۔ میں

نے نہ جانے کیوں تمہیں اس وقت معاف کردیا ورنہ تمہاری ایک بوٹی کا بھی پتہ نہ چلتا۔“

”اچھی بات ہے۔ میں انہیں چیک کرنے جارہا ہوں۔“ حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔”لیکن اگر کسی نے دخل اندازی کی تو اس کی موت کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔“

”یہاں موت اور زندگی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اب تم میرے سامنے سے دفع ہوجاؤ۔“

حمید کمرے سے نکل گیا۔

کام جلدی ختم ہونے والا نہیں تھا۔ حمید کو کافی دیر لگی...... لیکن اس کے اندازے کے مطابق یہاں ایک آدمی بھی باہر کا ثابت نہ ہوسکا۔ وہ سب ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچانتے تھے اور حمید کو خیر اس کا سلیقہ تو تھا ہی کہ اصل اور مصنوعی چہروں میں تمیز کرسکتا۔ وہاں اسے کوئی بھی میک اپ میں نہ ملا۔

اسے اگر ایک طرف ناکامی ہوئی تھی تو دوسری طرف معلومات میں اضافہ بھی ہوا تھا۔ کیونکہ اسی دوران میں اسے اس عمارت کو دیکھنے کا بھی تو موقع مل گیا تھا۔ اس لئے وہ آج کی مہم کو ناکام نہیں قرار دے سکتا تھا۔

وہ پھر اسی کمرے میں واپس آ گیا جہاں تاریہ پر چابک برسائے تھے۔ تاریہ یہاں اب بھی موجود تھی لیکن اس تاریہ سے بالکل مختلف نظر آرہی تھی جو کچھ دیر پہلے حمید کے ہاتھوں پٹ چکی تھی۔

اب اس کے خدوخال میں پھر وہی پہلا سا تیکھاپن آ گیا تھا۔ حمید کو دیکھ کر وہ کچھ اور زیادہ برافروختہ نظر آنے لگی۔

”تم نے کیا سمجھ کر یہ حرکت کی تھی۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہاں سے زندہ واپس جاؤ گے۔“ تاریہ غرائی۔

”ہاں...... میں یہاں سے زندہ واپس جاؤں گا اور کل پھر تم مجھے یہاں دیکھو گی۔ جب ایک سڑا سا مجرم پش فائر کو بیکار کرکے یہاں سے واپس جاسکتا ہے تو پھر میں تو طاقت کا نمائندہ ہوں۔“

”طاقت......!“ تاریہ منہ بگاڑ کر بولی۔”جاؤ یہاں سے اب کبھی تمہاری شکل نہ دکھائی دے۔“

”یہ تو مجھ سے بہت ظلم ہوگا تاریہ ڈارلنگ......“ حمید مسکرایا۔”تم پہلی عورت ہو جس نے اتنے سکون کے ساتھ میرے ہاتھوں مار کھائی ہے۔ میں تمہیں کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑ سکتا۔“

تاریہ کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نظر آنے لگے پھر اس نے سنبھل کر کہا۔”کیا بکواس ہے۔“

”اوہ تم...... میری افتادِ طبع سے واقف نہیں ہو۔ گداز جسم والی عورتوں پر چابک برسا کر مجھے سکون ملتا ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس لذت کو کن الفاظ میں بیان کرنا چاہئے۔ اب اسی وقت دل چاہ رہا تھا کہ تمہارا سارا جسم داغدار کردوں۔ اس وقت تک چابک برساتا رہوں جب تک کہ رنہ جاؤ۔ تاریہ ڈارلنگ۔“

”نہیں......!“ تاریہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

”یہ حقیقت ہے۔“

”خطرناک آدمی ہو۔“ تاریہ مسکرائی۔ لیکن وہ اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے اس کی کیفیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کررہی ہو۔

اتنے میں ایک نوکر نے آکر کسی کا وزیٹنگ کارڈ پیش کیا۔

”اوہ...... یہ...... اس وقت...... کیوں آیا ہے۔“ تاریہ بڑبڑائی۔ پھر نوکر سے بولی۔”بٹھاؤ۔“

”وہ کہہ رہے ہیں کہ آدھے منٹ کی دیر بھی خطرناک ثابت ہوگی۔“

”کیوں......؟“ تاریہ کے لہجے میں حیرت تھی۔”اچھا اسے یہیں لاؤ۔“

نوکر چلا گیا...... تاریہ نے حمید سے کہا۔

”چلو...... ادھر قاعدے سے بیٹھ جاؤ۔ میں اپنے ملازموں کے سامنے بے تکلفی کی اجازت نہیں دوں گی۔“

”اوہ...... تم مطمئن رہو۔“ حمید مسکرا کر ایک طرف بیٹھتا ہوا بولا۔”میں کسی تیسرے کی موجودگی میں تم پر کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔“

”تم گدھے ہو...... منہ بند رکھو۔“

دوسرے ہی لمحے میں کاریڈر سے قدموں کی آواز آنے لگی اور پھر ایک ادھیڑ عمر آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

”کیا بات ہے۔“ تاریہ نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”مادام...... کیا عرض کروں...... سب کچھ قطعی اچانک ہوا اور اب حالات میرے قابو سے باہر ہیں۔“

”اصلی واقعہ بیان کرو۔“ تاریہ نے جھنجھلا کر کہا۔

"جھلموار والے کارخانے کے مزدوروں نے ہڑتال کر دی ہے۔"

"کرنے دو...... وہ جھک مار رہے ہیں۔ جب ایک بار کہہ دیا گیا کہ ان کے مطالبات پر ہمدردی سے غور کیا جائے گا پھر وہ اتنی بے صبری کیوں ظاہر کر رہے ہیں۔"

"وہ کہتے ہیں کہ ہم مادام سے براہِ راست گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

"انہیں بکنے دو...... تم کیسے گدھے ہو کہ اتنی سی بات پر دوڑے چلے آئے۔ کیا تم انہیں کنٹرول نہیں کر سکتے۔"

"مادام مجھے افسوس ہے کہ نہ کر سکا۔" اس نے کہا اور چند لمحے خاموش رہ کر شکایت آمیز لہجے میں بولا۔ "کیا آپ نے کبھی مزدوروں کو یہ محسوس ہونے دیا ہے کہ میں ان پر حاکم ہوں۔ ہر موقع پر آپ دخل اندازی کرتی رہی ہیں لہٰذا پہلے کی ہی طرح وہ آج بھی صرف آپ ہی سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی جرأت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ وہ آپ کو جھلموار میں طلب کر رہے ہیں۔ دھمکی ہے کہ اگر آپ دو بجے تک جھلموار نہ پہنچیں تو وہ کم از کم ایک ہفتہ کی ہڑتال کریں گے اور آپ جانتی ہیں کہ آنے والا ہفتہ کاروبار کے لئے کتنا اہم ہوگا۔"

"یقیناً ہڑتال ہمارے لئے بُری ثابت ہوگی۔" تاریہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "اچھا میں چلوں گی۔"

آنے والا کچھ نہیں بولا۔ وہ ابھی تک بیٹھا بھی نہیں تھا۔ تاریہ نے سر کی جنبش سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور حمید سے بولی۔ "کیا تم میرے ساتھ جھلموار چل سکو گے۔"

"ضرور چلوں گا۔"

"تو پھر اب دیر نہ کیجئے مادام......!"

"اب اپنا منہ بند رکھو۔" تاریہ جھلا گئی۔

پھر حمید اور نووارد کو تقریباً پندرہ منٹ تک تاریہ کا انتظار کرنا پڑا۔ کیونکہ وہ لباس تبدیل کرنے کے لئے چلی گئی تھی۔

نووارد اپنی کار پر آیا تھا اور خود ہی ڈرائیو بھی کر رہا تھا۔ تاریہ کی کار پر صرف حمید اور تاریہ تھے۔ تاریہ نے اور کسی کو ساتھ نہیں لیا تھا...... حمید ہی اس کی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ تاریہ اس کے پاس اگلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔

شہر سے نکل کر وہ جھلموار والی سڑک پر ہو لئے۔ اسی سڑک پر روحی کی کوٹھی بھی تھی۔ حمید قاسم متعلق سوچنے لگا تھا۔ کئی دنوں سے اسے اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوا تھا۔ پھر قاسم سے اس کا ساحرہ کی طرف بھٹک گیا۔ آج کل وہ اس کے متعلق بہت سوچتا تھا۔ وہ عجیب ترین تھی۔ نہ یہی جاسکتا تھا کہ وہ پاگل ہے اور نہ اسے صحیح الدماغ ہی سمجھا جاسکتا تھا۔

"او...... کیا تم گونگے ہو گئے ہو۔" تاریہ نے حمید کی بائیں ران میں چٹکی لی۔

"اوہ...... یہ کیا حرکت۔" حمید تلملا گیا۔ پھر سنبھل کر بولا...... "میں بھیڑیئے کے دانت رکھتا ...... ایسی حرکتیں نہ کرو کہ بعد میں سسک سسک کر مرنا پڑے۔ ابھی تم نے مجھے اذیت رسانی جنون میں مبتلا نہیں دیکھا۔ تمہارے جسم کا ایک ایک ریشہ الگ کر دوں گا۔"

تاریہ ہنس پڑی اور پھر آنکھیں بند کر کے اس طرح ہولے ہولے کراہنے لگی جیسے سچ مچ حمید اس کے جسم کی دھجیاں اڑا دینے پر تل گیا ہو۔

حمید کے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھے اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا۔ نووارد کی کار آگے تھی وہ تاریہ کے ایک کارخانے کا منیجر تھا...... تاریہ سے حمید کو یہی معلوم ہوا تھا۔

تاریہ کچھ دیر تک اسی انداز میں کراہتی رہی۔ پھر بولی۔

"تم...... وہیں سلمان کے ساتھ رہتے ہو۔"

"ہاں...... میں سلمان کے ساتھ رہتا ہوں۔"

"وہ تمہارے چچا کا لڑکا ہے۔"

"نہیں...... میں اس کے چچا کا لڑکا ہوں۔"

"کیا تم اپنی کزن ساحرہ کو پسند کرتے ہو۔ وہ بہت خوبصورت لڑکی ہے۔"

"میں اسے بالکل پسند نہیں کرتا، حالانکہ وہ تمہارے خیال کے مطابق بہت حسین ہے۔"

"کیوں نہیں پسند کرتے...... اس سے تو تمہاری شادی بھی ہو سکتی ہے۔"

"صرف یہی تو نہیں ہو سکتی اور سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

"کیوں شادی کیوں نہیں ہو سکتی؟"

"دماغ مت چاٹو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "ہمارے خاندان میں شادی بیاہ کا رواج نہیں ہے۔ کیوں کہ ہمارے یہاں لڑکیاں عموماً ساحرہ کی طرح کریک ہوتی ہیں۔ کہیں باہر سے لڑکی لاؤ تو وہ

بھی کریک ہو جاتی ہے۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ دنیا کی ہر عورت بحیثیت
بیوی کریک ہوتی ہے۔"

تاریہ ہنسنے لگی۔

"تم ہنس رہی ہو۔" حمید غصیلے لہجے میں بولا۔ "میرے خاندان کی ایک بہت بڑی ٹریجڈی پر
ہنس رہی ہو۔ میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔"

"ٹریجڈی......!" تاریہ نے حیرت سے کہا۔ "میں نہیں سمجھی۔"

"کیا کرو گی سمجھ کر۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "میری ماں کی وجہ سے میرے باپ نے خود
کشی کر لی تھی۔"

"اوہ......کیوں......؟" تاریہ یک بیک چونک پڑی۔

"میری ماں کریک تھی۔ جاہل تھی۔ اپنے دستخط تک نہیں کر سکتی تھی لیکن میرے باپ کو احمق
سمجھتی تھی۔ سمجھتی نہیں تھی بلکہ علانیہ بے وقوف کہتی تھی اور میرا باپ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تھا۔ اس کے
پاس درجنوں سرٹیفکیٹ اور درجنوں ڈگریاں تھیں۔ لیکن میری جاہل ماں اسے علانیہ بے وقوف کہتی
تھی۔ اسے میرے باپ کی ہر بات میں عیب نظر آتے تھے۔ آخر ایک دن اس مظلوم نے سارے
سرٹیفکیٹ اور ساری ڈگریاں اپنے سینے پر باندھیں اور کنویں میں چھلانگ لگا دی۔"

"نہیں......!" تاریہ حیرت سے بولی۔

"ہاں......تمہیں کیوں یقین آنے لگا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے شوہر نے بھی خود کشی ہی کی ہو۔"

"بکواس مت کرو......تم بالکل گدھے ہو......شٹ اپ۔"

دفعتاً تاریہ کے منیجر نے کی کار رک گئی اور وہ انہیں بھی رکنے کا اشارہ کرتا ہوا اپنی گاڑی کے
پچھلے حصے کی طرف آیا اور جیب سے کنجی نکال کر ڈکے کا قفل کھولنے لگا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"پٹرول ختم ہو گیا جناب......لیکن میرے پاس کئی گیلن پٹرول موجود ہے۔" اس نے جواب
دیا۔ پھر جھنجھلائے ہوئے انداز میں بڑبڑایا۔ "کیا ہو گیا ہے کم بخت قفل کو۔"

دو منٹ گزر گئے لیکن قفل نہ کھلا۔

"کیا کر رہے ہو تم۔" تاریہ نے غصیلی آواز میں اُسے مخاطب کیا۔

وہ سیدھا کھڑا ہو کر خجالت آمیز انداز میں اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "نہ جانے کنجی کیوں نہیں
لگ رہی ہے مادام۔"

"تم بھی یار بیوی کے شکار معلوم ہوتے ہو۔" حمید نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔ "لاؤ......
دیکھوں۔"

وہ اس کی کار کے قریب آیا اس سے کنجی لی اور قفل کھولنے کے لئے جھک پڑا۔ لیکن دوسرے
لمحے میں اچھل کر الگ ہٹ جانا پڑا کیونکہ تاریہ کے منیجر نے اس کی پتلون کے جیب میں ہاتھ
ڈال کر اس کا ریوالور نکال لیا تھا۔

"یہ کیا حرکت۔" حمید آنکھیں نکال کر غرایا۔

"آپ اس کی فکر نہ کیجئے جناب......براہ کرم قفل کھولئے۔ میں آپ کو اسی ڈکے میں بند
کر کے آرام سے چلوں گا۔"

"اچھا......!" حمید جھلا کر تاریہ کی طرف مڑا۔ وہ بھی کار سے اتر آئی تھی۔

اس نے اس سے کہا۔ "کیوں......تاریہ کیا تم ملکہ کائنات سے ٹکرانے کی جرأت کر سکو گی۔"

"ہرگز نہیں......!" تاریہ جلدی سے بولی۔ "میں نہیں جانتی کیا معاملہ ہے۔"

"ہاں تم نہ جانتی ہو گی۔" پھر اس کے منیجر نے کہا۔ "لیکن یہ ممکن ہے کہ میں تم دونوں کی
لاشیں یہیں چھوڑ جاؤں......اے دوست......اگر تم نے ذرہ برابر بھی چالاک بننے کی کوشش کی تو اپنی
کھوپڑی کے سوراخ کے ذمہ دار خود ہو گے۔"

حمید اسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا۔ منیجر بولا۔ "بہتر تو یہی ہے کہ تم اپنے دونوں ہاتھ اوپر
اٹھا لو ورنہ ہو سکتا ہے کہ ٹریگر دب ہی جائے۔"

حمید نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"میں تم سے نہیں کہوں گا۔" منیجر تاریہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"آخر اس نمک حرامی کی وجہ۔" تاریہ پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔

"صرف اس لئے کہ تم کل سات لاکھ ادا کرنا نہ بھولو۔"

"کیا مطلب......اوہ تم بھی......ان دغابازوں سے مل گئے ہو۔"

"کون میں۔" منیجر نے حیرت سے کہا۔ پھر ہنس کر بولا۔ "نہیں......تاریہ تم اس غلط فہمی میں

نہ پڑو کہ میں تمہارا کوئی نمک خوار ہوں۔ تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا کا وہی ادنیٰ خادم ہے جسے تمہارے
ایک آدمی نے کوئلے کے مجسمے میں تبدیل کر دیا تھا۔"

"اوہو......!" تاریہ کا منہ پھیل گیا اور پھر وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"میں اس وقت تم پر صرف یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ تم کسی صورت سے بھی بچ نہیں سکتیں
تمہیں ہر حال میں کل چھ بجے شام تک سات لاکھ ادا کرنے پڑیں گے۔ کیش اور اصلی کرنسی میں۔"

"تم سات اکنیاں بھی نہ پا سکو گے۔" حمید نے اسے للکارا۔

"تھریسیا کے خادم کیلئے یہ بالکل نئی بات ہوگی۔ اگر وہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ نہ پہنائے"
اس نے خشک لہجے میں کہا۔ پھر تاریہ سے بولا۔ "عدم ادائیگی کی صورت میں تم چھ بج کر پانچ منٹ
زندہ نہیں رہو گی۔ اور یہ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ تم ہر وقت اور ہر جگہ میرے رحم و کرم پر ہو۔"

تاریہ کچھ نہ بولی۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ چبا رہی تھی۔

"تم لوگ آخر چاہتے کیا ہو۔" حمید نے تشویش کن لہجے میں پوچھا۔

"ہم بھی اطمینان اور آسائش کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔" اس نے کہا۔ "تم
فراڈ کر کے کروڑوں روپے سالانہ کماتے ہو۔"

"پھر......؟" حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"ظاہر ہے کہ اس میں ہمارا حصہ بھی ہونا چاہئے۔" اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"ایک کوڑی بھی نہیں ملے گی۔"

"اچھی بات ہے تو میں دونوں کو یہیں ختم کئے دیتا ہوں۔" تھریسیا کا ساتھی غرایا۔

"ٹھہرو......!" تاریہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "میں اس پر غور کر رہی ہوں۔"

"کب تک غور کرتی رہو گی۔"

"تم کل چھ بجے تک کی مہلت دے چکے ہو۔"

"ہاں...... میں اپنے قول سے پھروں گا نہیں۔ چھ بج کر پانچ منٹ نہ ہو جائیں۔ ٹھیک
بجے پوری رقم لے کر بھوری پہاڑیوں کے قریب پہنچو۔ مگر تمہیں تنہا ہونا چاہئے۔ تم تنہا آؤ گی۔
اصلی ہو۔ اگر ایک نوٹ بھی جعلی نکلا تو بربادی کر دی جائے گی...... سمجھیں۔"

"تم پاگل ہو گئی ہو...... تاریہ۔" حمید بولا۔ "اگر ان لوگوں نے ایک بار بھی تم سے کوئی

...ل کر لی تو تمہیں ساری زندگی سر پر ہاتھ رکھ کر رونا پڑے گا۔"

وہ شائد ابھی کچھ اور کہتا لیکن اچانک تھریسیا کے ساتھی نے اس پر فائر کر دیا اور تاریہ کی چیخ
...ے میں دور تک پھیلتی چلی گئی۔

دوہری چوٹ

حمید زمین پر چت پڑا تھا اور تاریہ کی چیخ کسی ریلوے انجن کی سیٹی کی طرح اس کے کانوں
میں گونج رہی تھی۔ اس کی فلٹ ہیٹ کئی گز کے فاصلے پر پڑی شاید اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔ حمید نے
اپنی پیشانی ٹٹولی لیکن اسے سوراخ نہیں محسوس ہوا۔ البتہ پتھریلی زمین پر گرنے کی وجہ سے اس کا مغز
...ہوا سا معلوم ہو رہا تھا۔ گولی غالباً فلٹ ہیٹ کے اوپری حصے پر پڑی تھی۔

تاریہ اس کی طرف جھپٹی۔ لیکن تھریسیا کے ساتھی نے اسے ڈانٹ دیا۔

"ٹھہرو......!"

تاریہ رک گئی۔ حمید چپ چاپ پڑا رہا۔ اسے یقین تھا کہ فلٹ ہیٹ والا خطرناک مذاق
ساری دنیا میں فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس نے چپ چاپ آنکھیں بند کر لیں۔
آنکھیں کھلی رکھنے کی صورت میں کچھ نہ کچھ اظہار شجاعت کرنا ہی پڑتا اور پھر ویسے بھی اسے تاریہ یا
اس نامعقول تنظیم سے دلچسپی ہی کیا ہو سکتی تھی۔

"تم...... ابھی فیصلہ کرو۔" تھریسیا کے ساتھی نے گرج کر کہا۔ "ہاں یا نہیں۔ سات لاکھ پہنچ
جائیں گے بھوری پہاڑیوں کے قریب۔"

"ہاں......!" تاریہ کے حلق سے پھٹی پھٹی سی آواز نکلی۔

"تم تنہا آؤ گی۔"

"ہاں......!"

"اگر اس میں فرق پڑا تو......!"

"نہیں پڑے گا۔"

"اچھی بات ہے۔ تم خوب سمجھتی ہو کہ میں ہر جگہ تمہیں نہایت آسانی سے مار ڈالوں گا۔ آ[ج] تک دنیا کی کوئی چیز الفانسے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنی۔"

وہ ریوالور کا رخ تاریہ کی طرف کئے ہوئے اپنی کار میں جا بیٹھا اور دوسرے ہی لمحے میں کا[ر] فرانٹے بھرنے لگی۔ ویسے وہ جاتے جاتے وقت حمید کا ریوالور تاریہ کی طرف اچھال گیا تھا اور وہ ایک طر[ف] نہ ہٹ جاتی تو وہ اس کے چہرے ہی پر پڑا ہوتا۔

تاریہ حمید کی طرف متوجہ ہوگئی۔ جواب بھی اسی طرح آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ اچھی طر[ح] اطمینان کر لینے کے بعد کہ وہ زخمی نہیں ہوا ہے تاریہ نے ایک طویل سانس لی...... اطمینان کی سانس۔

اور پھر اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگی۔ دفعتاً حمید نے محسوس کیا کہ اگر یہ تدبیر[یں] کچھ دیر اور جاری رہیں تو اسے ساری زندگی سر پر ہاتھ رکھ کر رونا پڑے گا...... اور وہ اپنی پہلی فرصت میں ہوش میں آیا۔

"تم بڑے کمزور دل کے نکلے......!" تاریہ ہانپتی ہوئی مسکرائی۔

"اوہ......!" حمید اٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر سر کا پچھلا حصہ سہلاتا ہوا بولا۔

"میری پھرتی کی داد نہ دوگی کہ میں کس صفائی سے بچ گیا۔ اس نے سر کا نشانہ لیا تھا۔"

"تاریہ نے اٹھ کر اس کی فلٹ ہیٹ اٹھائی جس کے اوپری حصے میں ایک سوراخ نظر آ رہا تھا۔

"یہ تمہاری فلٹ ہیٹ بہت وزنی ہے۔" تاریہ نے اسے ہاتھ میں تولتے ہوئے کہا۔ "اگ[ر] وزنی نہ ہوتی۔" حمید نے جواب دیا۔ "تو یہ سوراخ یہاں ہوتا۔"

اس نے اپنے سر پر انگلی سے اشارہ کیا۔

"بلٹ پروف......!"

"ہاں ایک بلٹ پروف کور اس کے استر کے نیچے موجود ہے۔"

"تم بہت چالاک ہو...... چلو...... وہ اپنا ریوالور اٹھاؤ...... اس سے عجیب آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا...... اوہ...... وہ کتنا دلیر اور بے باک ہے۔"

"تم تنظیم کے ایک دشمن کی شان میں قصیدہ خوانی کر رہی ہو۔" حمید برا سا منہ بنا کر بولا۔

"یہ میرا نجی معاملہ ہے۔"

"کیا تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں قطعی ہوش میں ہوں۔" تاریہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "تنظیم کے لئے میری [خد]مات وقف ہیں...... لیکن......!"

"لیکن کیا......!"

"کچھ نہیں۔" تاریہ غصیلے انداز میں بولی۔ "تمہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

"اچھی بات ہے...... میں تمہیں دیکھ لوں گا" حمید نے زمین سے اپنا ریوالور اٹھاتے ہوئے کہا۔

"میں تاریہ ہوں سمجھے۔"

"میں سہیل ہوں...... جس سے ڈاکٹر سلمان تک کانپتا ہے۔"

"تم دونوں گدھے ہو۔"

حمید نے جواب میں اس کے گال پر تھپڑ رسید کر دیا اور وہ بھی بھوکی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹ پڑی۔ حمید نے دوسرا ہاتھ رسید کیا اور تاریہ نے اس کا داہنا شانہ منہ میں بھر لیا۔ حمید کو اس کے دانت گوشت میں اترتے محسوس ہوئے اور اس نے اس کی ہنسلی کی ہڈی میں اپنی چار انگلیاں ڈال کر اتنی قوت صرف کر دی کہ تاریہ کو چیختے ہوئے اس کا شانہ چھوڑ دینا پڑا۔

دوسرے ہی لمحے میں حمید اچھل کر پیچھے ہٹ چکا تھا۔

"شائیں......!" چمڑے کا چابک خلاء میں چکرایا۔ تاریہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ "میں یہیں تمہاری کھال گرا دوں گا۔"

تاریہ کار کی طرف بھاگی۔ حمید پیچھے سے شڑاپ...... شڑاپ...... چابک برساتا رہا۔ کار کے قریب پہنچ کر وہ گرتے گرتے بچی۔ اب وہ پھر کسی مظلوم کی طرح چیخنے کراہنے لگی تھی۔ لیکن شاید وہ اس فکر میں تھی کہ حمید کو یہیں چھوڑ کر نکل جائے۔

"تم ایسا نہیں کرسکتیں۔ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔" حمید نے اس کے بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

وہ چیخ کر اس پر آرہی۔ "نہیں...... نہیں۔" وہ کراہی۔ حمید نے اس کے منہ میں انگلیاں

ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”کانوں تک پھاڑ دوں گا۔ تمہاری باچھیں۔“

”میں...... ہار گئی...... اُف...... چھوڑو...... خدا کے لئے۔“

حمید نے بڑی بے دردی سے اسے کار پر دھکیل دیا۔

”تم بڑے ظالم ہو۔“ وہ اپنا منہ دبا کر زمین پر بیٹھ گئی۔ شاید زبان دانتوں کے درمیان آ کر کٹ گئی تھی۔

پھر وہ تقریباً دو منٹ تک خون تھوکتی رہی۔ اس کی زبان سچ مچ زخمی ہو گئی تھی۔

لیکن نہ جانے کیوں حمید کے دل میں اس کے لئے رحم کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ طاقت کی تنظیم سے تعلق رکھنے والی چیونٹی کو بھی وہ مسلے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ یہاں تو اسے اچھا خاصا بہانہ ہاتھ آیا تھا۔ تاریہ کے لئے ایذا رسانی کی تجویز خود ڈاکٹر سلمان ہی نے پیش کی تھی۔ اگر تاریہ فی الحقیقت مساکٹ تھی تو ساری دنیا میں اس سے بہتر کلاسیکل مثال ملنی دشوار تھی۔

حمید نے اسے کھینچ کھانچ کر کار میں بٹھایا اور خود ڈرائیو کرنے لگا۔ اب وہ پھر رام گڈھ کی طرف واپس جا رہے تھے۔

”اب میں کبھی تمہاری زبان سے الفانسے کی تعریف نہ سنوں۔“ اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

تاریہ کچھ نہ بولی۔ اب وہ اس انداز میں مزے لے لے کر ہولے ہولے کراہ رہی تھی جیسے کوئی اس کا بدن دبا رہا ہو۔ پھر دفعتاً وہ خاموش ہو کر اس طرح کانپنے لگی جیسے سردی لگ رہی ہو۔ حمید کچھ بولے بغیر اسٹیئر کرتا رہا۔

پھر وہ اس طرح ساکت ہو گئی جیسے مر رہی ہو۔ حمید نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

وہ اسے مزید چھیڑے بغیر ڈرائیو کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد تاریہ خراٹے لینے لگی۔ اسے گہری نیند آ رہی تھی۔ وہ بیٹھے بیٹھے سو رہی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ فریدی نے اس سے کسی قسم کا رابطہ کیوں نہیں قائم کیا۔ حمید کے پاس اس کے لئے بہتیری اطلاعات تھیں مگر یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کے لئے اہم ہی ہوتیں۔

فریدی کی دنیا ہی الگ تھی۔ اس کے لئے اہم ترین باتیں بھی کوئی وقعت نہیں رکھتی تھیں اور اکثر غیر اہم قسم کی باتیں اس کے لئے نشان منزل بن جاتی تھیں۔ بہرحال یہ فریدی کا معاملہ تھا۔ اور

فریدی کے معاملات میں کسی کی بھی دخل اندازی اس کے لئے باعث شرمندگی ہی ہوتی تھی...... وہ اپنی مرضی کا مالک تھا۔ جو کچھ بھی چاہتا کر گزرتا۔ کار سنسان سڑک پر دوڑتی رہی اور حمید فریدی کے متعلق سوچتا رہا۔ تاریہ اب بھی خراٹے لے رہی تھی۔

اس کے ذہن نے فریدی سے تاریہ اور تاریہ سے ساحرہ پر جست لگائی۔ آخر ڈاکٹر سلمان ساحرہ کی خبر کیوں نہیں لیتا۔ وہ ایک ماہر نفسیات ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے قدرتی طور پر نفسیاتی کیسوں سے دلچسپی ہونی چاہئے۔ تجربات میں بھی اضافہ کرنے کے لئے ساحرہ کا کیس اپنی مثال آپ ہے۔ مگر نہ جانے کیوں ڈاکٹر سلمان کو اس کی قطعی پرواہ نہیں تھی۔

رام گڈھ پہنچ کر حمید نے کار کا رخ تاریہ کی کوٹھی کی سمت کر دیا۔ وہ اب بھی سو رہی تھی۔ گہری نیند...... بالکل اسی بچے کی طرح جو روتے روتے نڈھال ہو کر سو گیا ہو...... اس وقت اس کے چہرے پر بڑی معصومیت تھی۔ خدوخال کا تیکھا پن نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ سخت گیر طبیعت کی غماز پیشانی کی سلوٹیں بھی معدوم ہو گئی تھیں اور حمید بار بار اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے ہی حمید نے اسے جھنجھوڑا...... اور وہ بوکھلا کر جاگ پڑی۔

”کیا ہے...... کیا ہوا؟“

حمید نے کار روک کر پورچ کی طرف اشارہ کیا۔

”اوہو......!“ وہ جماہی لے کر مسکرائی۔ ”میں سو گئی تھی۔“

پھر چاروں طرف دیکھتی ہوئی کار سے اتر گئی اور حمید سے بولی۔ ”اب تم کہاں جاؤ گے۔“

”فی الحال تم سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔“ حمید نے جواب دیا۔

”اوہ......!“ وہ پیشانی پر بل ڈال کر رہ گئی۔ چند لمحے حمید کو گھورتی رہی پھر بولی۔ ”تم خود کو کیا سمجھتے ہو۔“

”تمہارا مالک......!“

”تم گدھے ہو۔“

”اسی لفظ پر کچھ پہلے......!“

پھر حمید چپ چاپ کار سے اُترا۔ چند لمحے تک تاریہ کو گھورتا رہا پھر عجیب انداز میں شانوں کو جنبش دے کر پھاٹک کی طرف مڑ گیا۔

پھاٹک سے نکل کر کچھ دور چلنے کے بعد ایک ٹیکسی مل گئی اور ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔وہ سوچ رہا تھا کہ ساحرہ شام کی چائے کے لئے اس کی منتظر ہوگی۔ ساحرہ کی موجودگی میں وہ بھول جاتا تھا کہ ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی میں اس کے قیام کا مقصد کیا ہے......وہ اسے اپنی معصوم مگر پراسرار گفتگو میں الجھا لیتی......لیکن کبھی کبھی اسے ایسا بھی محسوس ہونے لگتا جیسے ساحرہ اسے بے وقوف بنا رہی ہو۔ وہ ڈاکٹر سلمان سے کبھی ساحرہ کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ممکن ہے ڈاکٹر سلمان ان دونوں کا مل بیٹھنا پسند نہ کرے۔

کوٹھی پہنچ کر جیسے ہی اس نے اپنے کمرے میں قدم رکھا اسے دوبارہ باہر نکل آنا پڑا۔ شاید وہ کسی دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔ لیکن کاریڈر میں کھڑے ہو کر چند لمحے غور کرنے کے بعد اسے یہ خیال ترک کر دینا پڑا کہ اس سے غلطی ہوئی تھی۔ کمرہ سو فیصدی وہی تھا جس میں اس کا قیام تھا۔ مگر اس کی ہیئت کیسے بدل گئی تھی۔ آج صبح تک نہ تو اس کی دیواروں پر فریم میں لگی ہوئی تصویریں تھیں اور نہ کتابوں کی وہ شلف جو نیچے سے اوپر تک بہترین قسم کی گٹ اپ والی کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔ پہلے وہاں کوئی الماری بھی نہیں تھی۔ بہر حال وہاں اسے بہتیری ایسی تبدیلیاں نظر آئیں جو اس کے لئے حیرت انگیز تھیں۔ وہ پھر کمرے میں گھسا اور ساتھ ہی اسے ساحرہ کا قہقہہ سنائی دیا۔ وہ چونک کر مڑا۔ ساحرہ سامنے والے کمرے کے دروازے سے سر نکالے ہنس رہی تھی۔

"کیوں......!" اس نے پوچھا۔ "کیا یہ سب کچھ آپ کو ناپسند ہے۔"

"ہوں......تو یہ تم ہو۔"

"نہیں بتائیے......کیا اب آپ کو یہ کمرہ برا لگ رہا ہے۔"

"تم نے ڈاکٹر سے پوچھ کر یہ ساری تبدیلیاں کی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں تو......!"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے بھی ان آدمیوں کی طرح نکلواؤ گی جو تمہاری آنکھوں ہونٹوں اور زلفوں کی باتیں کیا کرتے تھے۔"

ساحرہ پہلے تو ہنسی لیکن......پھر یک بیک سنجیدہ ہوگئی اس کے چہرے سے ایک غم آلود سی کسلمندی کا اظہار ہونے لگا اور آنکھیں کسی خوفزدہ خرگوش کی آنکھوں سے مشابہ نظر آنے لگی تھیں۔ پھر اس کے ہونٹوں میں ایک ہلکی سی کپکپاہٹ دکھائی دی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا

چاہتی ہو۔

"کیوں......!" حمید آہستہ سے بولا۔ "کیا تم ڈر گئی ہو۔"

"جی......!" وہ چونک پڑی۔

"کیا تم ڈر گئی ہو۔"

"کس سے ڈروں گی۔" اس نے اس انداز میں پوچھا جیسے اس موضوع پر پہلے کوئی گفتگو ہی نہ ہوئی ہو۔

"ڈاکٹر سے۔"

"میں نہیں سمجھی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تم نے اس کمرے کی ہیئت کیوں بدل ڈالی۔"

"کیا آپ کو پسند نہیں ہے۔" اس نے مایوسانہ انداز میں پوچھا۔

"بہت پسند ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"اوہ......کیا آپ نے......آپ نے ابھی چائے نہ پی ہوگی۔"

"ہاں......ابھی نہیں پی......ڈاکٹر کہاں ہیں۔"

"پتہ نہیں......وہ صبح سے نہیں ہیں۔"

"اوہ......اچھا......!"

دفعتاً حمید نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ کیونکہ آج وہ اپنے چہرے کی مرمت کئے بغیر ہی کوٹھی میں داخل ہوگیا تھا۔ یعنی اب بھی میک اپ میں تھا۔ اس کی دانست میں ساحرہ اس کی دوسری شخصیت سے ناواقف تھی۔ لیکن یہ محسوس کر کے اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ساحرہ نے اس پر حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کے دو ہی مطلب ہو سکتے تھے۔ یا تو ڈاکٹر سلمان اسے سب کچھ بتاتا رہتا تھا یا پھر وہ خود ہی اتنی چالاک تھی کہ حمید کو میک اپ میں بھی پہچان سکتی تھی۔ دونوں ہی صورتیں غیر معمولی تھیں۔ حمید اسے غور سے دیکھتا رہا۔

"اوہ......میں چائے کے لئے کہہ دوں۔" ساحرہ نے کہا اور دوسری طرف مڑ گئی۔

"ٹھہرو......!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

وہ رک گئی اور حمید چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تم نے مجھے کیسے پہچان لیا۔"

ساحرہ ہنسنے لگی۔ لیکن جلد ہی سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔ "یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"یعنی......!"

"ارے بھائی جان کا کام ہی یہی ہے۔ لوگوں کے دشمنوں کا پتہ لگانے کے سلسلے میں انہیں بھیس بھی بدلنا پڑتا ہے۔ میں نے آپ کو پرسوں رات بھی اسی بھیس میں دیکھا تھا۔ جب آپ بھائی جان کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ مگر آپ اس بھیس میں بھائی جان کے چھوٹے بھائی معلوم ہوتے ہیں۔"

بڑی موٹی سی بات تھی۔ حمید کو اس سلسلے میں متحیر نہ ہونا چاہئے تھا۔ ظاہر ہے کہ ادارہ روابط عامہ کا کام ہی سراغ رسانی تھا۔ حمید پھر خیالات میں کھو گیا اور ساحرہ چلی گئی۔ پھر وہ اپنے کمرے میں جانے ہی والا تھا کہ کاریڈر کے سرے پر ڈاکٹر سلمان دکھائی دیا۔ جو بڑی تیزی سے اس کی طرف آ رہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر اس نے ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔

"تم کہاں سے آ رہے ہو کیپٹن......!" اس نے پوچھا۔

"تاریہ کے ساتھ میں نے آج ایک دلچسپ دن گزارا ہے۔ جس میں فلٹ کا یہ سوراخ بھی شامل ہے۔" حمید نے فلٹ ہیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"مجھے علم ہے۔" ڈاکٹر نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "میں تو یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تاریہ کو تم نے کہاں چھوڑا تھا۔"

"اس کی کوٹھی کے پاس باغ میں۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "کیا وہاں اس کی لاش پائی گئی تھی۔"

"اوہ......نہیں۔" ڈاکٹر سلمان نے آہستہ سے سر کو جنبش دی۔

"پھر کیا بات ہے۔"

"وہ لٹ گئی۔"

"کیا مطلب......!"

"ابھی اس کا فون آیا تھا۔ کوئی اس کی تجوری صاف کر لے گیا۔ اسی دوران میں جب وہ تمہارے ساتھ جھلوار کا سفر کر رہی تھی۔ تجوری سے اس کے انتہائی بیش قیمت جواہرات غائب ہیں اور ان کی جگہ ایک پرچہ ملا ہے جس پر تحریر تھا (جواہرات بطور ضمانت لے جائے جا رہے ہیں۔ سات

لاکھ کی وصول یابی پر واپس کر دیئے جائیں گے۔ جواہرات کی قیمت کا اندازہ پندرہ لاکھ سے بھی زائد ہے) تاریہ کو یہ تجوری کھلی ہوئی ملی تھی اور سب سے زیادہ حیرت انگیز بیان اس کی ملازمہ کا بیان ہے۔ وہ کہتی ہے کہ خود تاریہ نے بیس منٹ قبل اسی کے سامنے تجوری کھولی تھی۔"

"اوہ......!" حمید متحیرانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی دوسری عورت تاریہ کی شکل میں ملازموں کو دھوکہ دے گئی۔"

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔" ڈاکٹر سلمان آہستہ سے بولا۔

تاریہ اور دھماکہ

دوسرے دن شام کو حمید اور ڈاکٹر سلمان بھوری پہاڑیوں میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ حمید نے ڈاکٹر سلمان کو یقین دلایا تھا کہ تاریہ سات لاکھ روپے لے کر یہاں ضرور بالضرور آئے گی۔ ویسے ڈاکٹر سلمان نے تاریہ کو ہدایت کی تھی کہ وہ جواہرات کو صبر کر لے اور مزید نقصان اٹھانے کے چکر میں نہ پڑے کیوں کہ اسے سات لاکھ گنوانے کے بعد بھی جواہرات کی واپسی کی توقع نہیں تھی۔ تاریہ نے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ اس کے مشورے پر عمل کرے گی۔ لیکن حمید کو یقین نہیں آیا تھا۔ کیونکہ وہ اس آدمی الفانسے کی دلیری کی مداح تھی اور پھر حمید اس کے جنون سے بھی واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسی عورتیں مردوں کے معاملے میں کیسی ہوتی ہیں۔ دولت تو بڑی حقیر چیز ہے وہ جان کی بھی پرواہ نہیں کرتیں۔

بہر حال حمید نے ڈاکٹر سلمان کو اس کے خلاف ابھار دیا تھا اور پھر وہ ان لوگوں کی مرمت بھی کروانا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر سلمان کو یہ مہم زندگی بھر یاد رہے گی۔

"یہ بھوری پہاڑیاں......!" ڈاکٹر سلمان چلتے چلتے رک کر بولا۔ پھر کچھ سوچنے لگا اور تھوڑی دیر بعد کہنے لگا۔ "یہاں اس طرح بھٹکنے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

"میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔" حمید بڑبڑایا۔ "مگر میری دانست میں الفانسے نے کسی جگہ کا تعین نہیں کیا تھا۔"

"پھر...... ہم یہاں سو فیصدی جھک مار رہے ہیں۔" ڈاکٹر سلمان ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"مجھے یقین ہے تاریہ کبھی نہ آئے گی۔"

"ہوسکتا ہے الفانسے نے جگہ کا تعین بعد میں کیا ہو۔"

"تاریہ مجھے اطلاع ضرور دیتی۔"

"آپ ماہر نفسیات ہیں ڈاکٹر۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "عورتوں کے متعلق آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہوں گے۔"

"یہ تنظیم کا معاملہ ہے کیپٹن۔ یہاں عورتوں اور مردوں کی حیثیت مشینوں سے زیادہ نہیں ہو جاتی۔ ان کے ذہنی جالے تنظیم کے کاموں میں رکاوٹ نہیں بنتے اور اگر بنتے ہیں...... تو......!"

ڈاکٹر سلمان خاموش ہوگیا۔ لیکن حمید کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ ڈاکٹر کے پورے جملے کا مفہوم کیا ہوسکتا ہے۔ یہ اس کی کوئی اندھی چال تھی۔ بلکہ تنظیم ہی سے تعلق رکھنے والے ایک فرد نے اسے شطرنج کے مہرے کی طرح آگے بڑھایا تھا۔

"ڈاکٹر ہمارے آدمی کہاں ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"آدمیوں کی پرواہ نہ کرو...... ضرورت پڑنے پر وہ ہمارے ساتھ ہوں گے۔ پہاڑیاں ان کی دیکھی بھالی ہوئی ہیں اور وہ اس وقت بھی ہم سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہوں گے۔"

"آہا......!" دفعتاً حمید چلتے چلتے رک گیا۔ اس کے ہاتھ میں دوربین تھی۔ وہ اسے آنکھوں تک اٹھا کر ایک طرف دیکھنے لگا۔

"ڈاکٹر......!" اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میرے اندازے مشکل ہی سے غلط ثابت ہوتے ہیں۔"

ڈاکٹر سلمان کی دوربین بھی اسی طرف اٹھ گئی بہت دور سبز رنگ کا ایک دھبہ سا متحرک نظر آرہا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ ایک دھندلے پس منظر میں آیا اس کی تفاصیل واضح ہوگئیں۔ وہ کوئی عورت تھی۔ سبز رنگ کی ساڑھی میں۔

"مگر نہیں۔" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "سبز رنگ کی عبا میں کوئی درویش بھی

ہوسکتا ہے...... کیوں ڈاکٹر۔"

سلمان کچھ نہ بولا۔ اس کی دوربین بدستور اسی طرف اٹھی رہی۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ تاریہ ہی ہوگی۔"

"ڈاکٹر......!" حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "کبھی آپ نے کسی سے محبت بھی کی ہے۔"

"کیوں نہیں...... دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا دل ہو جسے محبت سے خالی کہا جاسکے۔"

"وہ یقیناً ہزار ہا خوبیاں رکھتی ہوگی۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"یقیناً......!"

"وہ کون ہے۔"

"طاقت......!" ڈاکٹر سلمان نے آنکھوں پر سے دوربین ہٹاتے ہوئے کہا۔

"یعنی موجودہ حکمران......!"

"نہیں وہ حکمران جس کی حکمرانی ازل سے ابد تک رہے گی۔ موجودہ حکمران ایک فنا ہوجانے والی عورت ہے۔ جس کی وہ نمائندگی کرتی ہے۔ وہ غیر فانی ہے۔"

"آپ نے تو فلسفہ چھیڑ دیا...... میں عورت کی بات کر رہا تھا۔"

"نہیں عورت میری منزل نہیں ہے۔"

"دوسرا فریدی بول رہا ہے۔" حمید خوفزدہ انداز میں بڑبڑایا۔ "ایسے آدمیوں سے کہیں چھٹکارا نہیں۔"

"کیا مطلب......!"

"اسے بھی عورتوں سے دلچسپی نہیں تھی۔"

"اسی لئے وہ اتنا خطرناک ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"ہے یا تھا...... کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ زندہ ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"یہ بات اس کے متعلق...... میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس کی موت پر اس وقت تک مجھے یقین نہیں آسکتا جب تک کہ اس کی لاش اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لوں۔"

"مگر...... وہاں...... اس زمین دوز دنیا میں...... اس لڑکی نے...... نام نہیں یاد آرہا ہے......
اوہ...... رجنی...... رجنی...... اس نے بتایا تھا کہ فریدی کو گولی ماری گئی تھی۔"

"مگر اس کی لاش نہیں مل سکی۔"

"وہ کسی پہاڑی نالے میں گرا تھا۔" حمید نے کہا۔

"گرا ہوگا۔" ڈاکٹر سلمان نے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ اگر وہ زندہ بھی ہے تو مجھے پرواہ نہیں۔ مگر تم نے اس الفانسے کے متعلق شبہ ظاہر کیا تھا۔"

"پھر......!"

"مگر...... پھر سوچتا ہوں کہ اسے کیا پڑی ہے جو اتنا گھٹیا طریقہ اختیار کرے گا۔ کیا اس کی پشت پر قانون نہیں ہے۔"

"قانون تو میری پشت پر بھی ہے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔ "کیا میں اس ملک کا ایک باعزت شہری نہیں ہوں۔"

"اوہو......اب دیکھئے۔" دفعتاً حمید نے کہا۔ "وہ دوربین لگائے اسی سمت دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر سلمان نے بھی اپنی دوربین اٹھائی اور آہستہ سے بولا۔ "وہ بلاشبہ تاریہ ہے.....اوہ.....یہ کیا۔"

"اس نے کوئی چیز نیچے پھینکی ہے۔" حمید بولا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ ایک چھوٹا سا چرمی ہینڈ بیگ تھا۔"

ڈاکٹر سلمان نہ بولا۔ پھر وہ ایک چٹان کی اوٹ میں ہوگئے۔ کیونکہ تاریہ اب اس طرف آ رہی تھی۔ اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور قرب و جوار کی پہاڑیاں جھنجھنا اٹھیں۔ تاریہ بے تحاشہ دوڑتی ہوئی اسی طرف آ رہی تھی۔ ایک جگہ لڑکھڑا کر وہ گری بھی لیکن پھر اٹھ کر دوڑنے لگی۔

"یہ کیا ہوا۔" ڈاکٹر سلمان آہستہ سے بڑبڑایا۔

"اوہ ہمیں......اس کی مدد کرنی چاہئے۔" حمید نے چٹان کی اوٹ سے نکلنا چاہا۔

"ٹھہرو......!" سلمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "وہ ادھر ہی آ رہی ہے۔"

تاریہ اس چٹان کے قریب پہنچ کر یوں ہی دوسری طرف جانے کے لئے مڑی۔ ڈاکٹر سلمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور پھر اگر دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر نہ جم گیا ہوتا تو تاریہ کی بے خیالی میں نکلی ہوئی چیخ دور دور تک پھیل جاتی۔

"اوہم......!" وہ اپنے منہ پر سے اس کا ہاتھ اٹھا کر ہانپتی ہوئی بولی۔ "ٹائم بم"

"ٹھہرو......دم لے لو۔" سلمان اس کا شانہ تھپتھپا کر بولا۔

"میں نے سوٹ کیس میں نوٹوں کی بجائے ٹائم بم رکھا تھا۔" وہ بدستور ہانپتی رہی۔

"بہت عمدہ......!" ڈاکٹر سلمان حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "مجھے تمہاری ذہانت سے بھی امید تھی......کیا وہ نیچے موجود تھا۔"

"موجود تھا......!"

"چلو ٹھیک ہے۔"

"مگر تم یہاں کیسے!"

"مجھے یقین تھا کہ تم میرے مشورے پر عمل نہ کرو گی۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔

تاریہ حمید کی طرف دیکھنے لگی جو اسے گھور رہا تھا۔

"تم گری تھیں......چوٹ تو نہیں آئی۔" حمید نے پوچھا۔

لیکن تاریہ اس کی بات کا جواب دیئے بغیر پھر ڈاکٹر سلمان کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔ ٹھیک اسی وقت انہوں نے شور سنا پھر فائروں کی آوازیں بھی آئیں۔

ڈاکٹر سلمان نے حمید کی طرف دیکھا۔

"شاید ٹکراؤ ہوگیا ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں "ریٹ......ٹیٹ......ریٹ......ٹیٹ" کی آوازوں پر ڈاکٹر سلمان بُری طرح بوکھلا گیا۔

"یہ تو ٹامی گن کی آواز ہے۔" اس نے کہا اور آواز کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"میرے کسی بھی آدمی کے پاس ٹامی گن نہیں تھی۔"

"ٹھہریئے......جلدی نہ کیجئے۔" حمید نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "ہوسکتا ہے ان میں سے کوئی تاریہ ہی کی طرح عقل مند رہا ہو۔ یعنی ہماری نادانستگی میں اس کے پاس ٹامی گن بھی رہی ہو۔"

"نہیں میں جانتا ہوں۔" ڈاکٹر سلمان نے بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔ وہ آواز کی سمت دوڑ رہا تھا۔ مجبوراً حمید کو بھی دوڑنا پڑا......لیکن ڈاکٹر سلمان نے مڑ کر کہا۔ "تم وہیں ٹھہرو......تاریہ کے پاس۔"

"ہام......!" حمید تاریہ کے پاس پہنچ کر بولا۔ "تم اس وقت بہت اچھی لگ رہی ہو۔ مجھے

اپنی مادری زبان میں ایک گیت سناؤ۔"

"سناؤں گی۔" تاریہ دانت پیس کر بولی۔ "ذرا اس ہنگامے کو اس طرف آجانے دو۔"

"ہاں......آں...... خیر کوئی بات نہیں......مگر اس سوٹ کیس میں ٹائم بم نہیں تھا۔"

"نہ رہا ہوگا۔" تاریہ نے لاپروائی سے کہا۔

"تمہیں معلوم تھا کہ ہم لوگ یہاں ضرور آئیں گے۔"

"پھر......!"

"اس کے باوجود بھی تم سات لاکھ لے کر چلی آئیں۔"

"اور پھر وہ سات لاکھ ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ گئے۔" تاریہ ہنس پڑی۔ فائروں
آوازیں ابھی تک آرہی تھیں۔ ان آوازوں میں تاریہ کا قہقہہ بڑا عجیب معلوم ہوا۔

"کیا الفانسے نے پچھلی رات فون پر تم سے گفتگو نہیں کی تھی۔" حمید نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔

"ہوئی تھی......پھر......تم سے مطلب۔"

اس نے تمہیں اس مقام کا پتہ دیا تھا۔ لیکن تم احتیاطاً اپنے ساتھ ایک دستی بم لیتی آ
تھیں......کیوں......میں کیا غلط کہہ رہا ہوں۔"

تاریہ کے چہرے کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔ مگر حمید نے جلدی سے کہا۔ "تم اس کی پرواہ نہ کر
یہ بات صرف مجھ تک محدود رہے گی۔ دل سے مجبور ہوں۔ تاریہ تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔ میں سو
ہوں اگر ڈاکٹر سلمان نے مار ڈالا تو پھر میں چابک کس پر برساؤں گا۔ کون ہے جو میرے ہاتھوں
پسند کرے گی۔ تاریہ میں نے تمہیں دستی بم پھینکتے دیکھا تھا......ڈاکٹر نہیں دیکھ پایا۔ تم نے ہمیں د
لینے کے بعد ہی دستی بم پھینکا تھا اور دوڑنے لگی تھیں۔ مگر ڈارلنگ......میری زبان ہمیشہ بند رہے گی
کیا میں تمہارے گال پر ایک تھپڑ رسید کرسکتا ہوں۔"

"میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

دفعتاً حمید کو ڈاکٹر سلمان نظر آیا جو دوڑتا ہوا اسی طرف آرہا تھا اور اس کا بایاں بازو سرخ
آرہا تھا۔ شاید اس کے گولی لگی تھی۔

"اپنا ریوالور پھینکو......!" اس نے چیخ کر کہا۔ "میرا ریوالور گر گیا۔"

حمید نے جیب سے ریوالور نکال کر اس کی طرف اچھال دیا اور وہ اسے ہاتھوں میں روک

ڈ میں اتر گیا۔

پناہ گاہ

تاریہ ڈاکٹر سلمان کو دوڑتے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

"یہ بہت بڑی حماقت ہے۔ اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہئے۔ ورنہ سرحدی پولیس چوکی
ں سے صرف ایک میل کے فاصلے پر ہے اور فائروں کی آوازیں دور دور تک پھیل رہی ہوں گی۔"

"میں ڈاکٹر سلمان کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔ تم جاسکتی ہو۔ مگر نہیں تم بھی نہیں جاسکتیں۔ ڈاکٹر
لمان نے مجھ سے صرف یہ کہا تھا کہ تمہارے پاس ٹھہروں۔"

"میں تمہارے پاس تو ٹھہرنا ہی نہیں چاہتی۔" تاریہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "خواہ میرا جسم
ولیوں سے چھلنی ہو جائے۔"

"کیوں؟ کیا میں تمہیں کھا جاؤں گا۔"

"نہیں......تم مجھ پر بے سروپا اور بے بنیاد الزام رکھتے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ میرا کوئی الزام بے بنیاد نہیں تھا۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔ "تم اتنی احمق
ہیں ہو کہ اس سے اپنے بیش قیمت جواہرات وصول کئے بغیر اسے ٹائم بم کا نشانہ بنادو۔"

"مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی۔ مجھے اندازہ نہیں کہ میرے پاس کتنی دولت ہے۔ میں نے
بھی معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں کی اور وہ جواہرات تو میری نظروں میں کوئی وقعت ہی نہیں
رکھتے۔ میں تو الفانسے یا اس کتیا تھریسیا سے اپنی توہین کا بدلہ لینا چاہتی ہوں۔"

"چلو ختم کرو......مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید نے اکتائے ہوئے لہجے میں
کہا۔ "اگر تم جیسی ہزار عورتیں بھی تنظیم سے غداری کریں تو تنظیم کا کچھ نہیں بگڑے گا۔"

"پھر تم نے بکواس شروع کردی۔ کیا میں تنظیم سے غداری کرسکتی ہوں۔ میں جو گردن تک

جرائم میں پھنسی ہوئی ہوں۔"

"جرائم......!" حمید نے حیرت سے دہرایا۔ "یہ لفظ بھی غدارانہ ہے۔ گویا تنظیم جرائم کی مرتکب ہورہی ہے۔ تنظیم سے باہر رہ کر تم یہ الفاظ استعمال کرسکتی ہو۔"

"تم باتوں کو بڑھایا نہ کرو۔" تاریہ جھنجھلا گئی۔ "اس ملک کی پولیس کا نکتہ نظر کیا ہوگا۔ کیا اسے تنظیم سے ہمدردی ہوسکتی ہے۔"

"ایک دن ہوکر رہے گی۔" حمید نے سینہ تان کر کہا۔

"بس بس......!" تاریہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "میں کسی قسم کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔"

دفعتاً ڈاکٹر سلمان پھر دکھائی دیا۔ وہ انہیں اپنی طرف آنے کا اشارہ کررہا تھا۔ حمید نے یہ محسوس کیا کہ اب فائروں کی آوازوں سے فضا میں پہلا سا انتشار باقی نہیں رہا۔ وہ دونوں ڈاکٹر سلمان کی طرف بڑھے۔

"سرحدی پولیس......!" ڈاکٹر سلمان نے آہستہ سے کہا اور انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا نشیب میں اتر گیا۔

اس کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ وہ چلتے رہے تاریہ جیسی بھاری بھرکم عورت کے لئے ایسے پہاڑی مقام پر پیدل چلنا جوئے شیر لانے سے کم نہ ہونا چاہئے تھا۔ مگر حمید محسوس کررہا تھا کہ اس کے پیروں میں ڈگمگاہٹ کے بجائے کسی ہلکے جسم والے کے پیروں کی سی چستی تھی اور کچھ دیر پہلے اس نے اسے انہیں ناہموار چٹانوں پر دوڑتے بھی دیکھا تھا۔ یقیناً یہ ایک حیرت انگیز بات تھی اس وقت بھی وہ تھکن کا شکوہ کئے بغیر اسی رفتار سے چل رہی تھی جس رفتار سے وہ دونوں چل رہے تھے۔

"ہمارے آدمی کہاں ہیں۔" حمید نے ڈاکٹر سلمان سے پوچھا۔

"اوہ......ان کی پرواہ نہ کرو۔ انہیں کوئی نہ پاسکے گا۔"

وہ ایک تنگ سے درے میں داخل ہورہے تھے اور اب آہستہ آہستہ دن کی روشنی غائب ہوتی جارہی تھی۔ ڈاکٹر سلمان خاموش تھا۔ لیکن اسکے پیر برابر اٹھ رہے تھے۔ زخمی بازو اس میں حارج نہیں ہوا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے داہنے ہاتھ سے اسے دبائے رہا ہو۔ اس کے چہرے پر اب وہ پہلی سی تازگی بھی نہیں تھی۔ ہونٹ خشک اور آنکھیں ویران ویران سی نظر آنے لگی تھیں۔

"کیا میں آپ کو سہارا دوں ڈاکٹر......!" حمید نے کہا۔

"نہیں......!" ڈاکٹر سلمان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں۔"

"وہ تو میں دیکھ ہی رہا ہوں۔"

"ہمیں خاموشی سے راستہ طے کرنا چاہئے۔" ڈاکٹر نے آہستہ سے کہا۔ "ہم جلد ہی کسی جگہ بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔"

اب وہ پھر ایک ڈھلان پر اتر رہے تھے اور یہاں دراڑ کچھ کشادہ ہوگئی تھی۔ ورنہ دھندلکا تاریکی میں تبدیل ہوگیا ہوتا اور نتیجے کے طور پر انہیں ٹھوکریں کھانی پڑتیں۔ تاریہ حمید سے لگی ہوئی چل رہی تھی۔ ڈاکٹر سلمان آگے تھا۔ چلتے چلتے دفعتاً وہ گہری تاریکی میں پہنچ گئے اور ڈاکٹر سلمان نے جیب سے دیا سلائی نکال کر جلائی اور اسے سر سے اونچا اٹھاتے ہوئے بولا۔

"وہیں رک جاؤ۔"

حمید اور تاریہ رک گئے۔ دیا سلائی بجھ چکی تھی۔ انہوں نے دوبارہ اندھیرے میں ڈاکٹر کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ "وہیں ٹھہرو......جب تک کہ میں واپس نہ آجاؤں۔"

پھر ایسی آوازیں آئیں جیسے ڈاکٹر بہت احتیاط سے چل رہا ہو۔ لیکن اس نے ایک بار لمبی چھلانگ ضرور لگائی تھی۔ حمید کو یقین تھا۔

پھر سناٹا طاری ہوگیا اور حمید تاریہ کی چڑھتی ہوئی سانسوں کی آوازیں سنتا رہا۔ تقریباً پانچ منٹ تک وہ اسی طرح کھڑے رہے۔ پھر اچانک کچھ فاصلے پر مدھم سی روشنی دکھائی دی دوسرے ہی لمحے میں ڈاکٹر ان سے کچھ فاصلے پر ہاتھ میں ایک مومی شمع لئے کھڑا تھا۔ اس نے اسے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آجاؤ...... نیچے...... دیکھتے ہوئے...... یہاں ایک تین فٹ چوڑی دراڑ ہے۔" اس نے مومی شمع کو نیچے جھکایا اور کہا۔ "یہ رہی لیکن شاید تاریہ اسے نہ پھلانگ سکے۔"

"اوہ......یہ کچھ بھی نہیں ہے......تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔"

"اچھا تو آؤ۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر یہ مومی شمع کہاں سے نکل پڑی۔ وہ دونوں آگے بڑھے اور تاریہ نے دراڑ نہایت آسانی سے پار کرلی۔ ڈاکٹر سلمان انہیں راستہ دکھا رہا تھا۔ وہ دائیں طرف مڑے اور حمید

کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ ایک مستطیل تراشے ہوئے دروازے سے گزر رہا ہے۔

جیسے وہ آگے بڑھا اسے اپنی پشت پر ایک عجیب قسم کی آواز سنائی دی۔ وہ چلتے چلتے رک کر مڑا......ڈاکٹر پیچھے ہی رہ گیا تھا۔

دروازہ غائب تھا اور ڈاکٹر سلمان اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ایک چوکور کمرے میں تھے جس میں نہ کھڑکیاں نہ دروازے۔ ڈاکٹر نے چار شمعیں اور روشن کر دیں۔ اب یہاں اتنی کافی روشنی تھی کہ حمید پورے کمرے کا جائزہ لے سکتا تھا۔ اسے یہاں مختلف قسم کا سامان نظر آیا۔ تین میزیں، دو الماریاں، سات کرسیاں اور ایک پلنگ جس پر زرد رنگ کی چادر پڑی ہوئی تھی۔ حمید نے تاریہ کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بھی پہلی بار یہاں آئی ہو۔

"بیٹھو......!" ڈاکٹر نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔ پھر ان کے بیٹھ جانے کے بعد بولا۔

"اب مجھے اپنے زخم کو دیکھنا چاہیئے۔"

"لائیے......میں ڈریسنگ کروں۔" حمید جلدی سے بولا۔ مگر پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہنے لگا۔ "کیا یہاں فرسٹ ایڈ کا سامان مل سکے گا۔"

"تھرڈ ایڈ تک سامان مل سکتا ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے اپنے مخصوص انداز میں مسکرانے کی کوشش کی۔

گولی بازو کو چھیدتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی۔ لیکن ہڈی پر کسی قسم کی ضرب نہیں آئی تھی۔ حمید نے ڈریسنگ کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

"شکریہ......!" ڈاکٹر سلمان نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "آج کا معرکہ عجیب تھا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ تاریہ نے بم کس پر پھینکا تھا......خیر......کل کے اخبارات سے اس کا نتیجہ ظاہر ہی ہو جائے گا۔ کیونکہ سرحدی پولیس موقع واردات پر پہنچ گئی تھی۔"

"وہ لوگ کتنے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"زیادہ سے زیادہ تین......جنہوں نے کم از کم پانچ آدمیوں کو یقینی طور پر زخمی کیا ہے۔"

"ہمارے آدمی کہاں ہیں۔"

"محفوظ ہیں......ان کی فکر مت کرو۔" ڈاکٹر سلمان اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے ایک الماری کھولی

کر اس میں سے شمپین کی بوتل اور دو گلاس نکالے اور انہیں میز پر رکھتا ہوا تاریہ کی طرف مڑا جو اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"صرف ہم تین آدمی اس پناہ گاہ سے واقف ہیں۔" اس نے تاریہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اس جملے کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"اوہ......کوئی خاص بات نہیں۔ کیا تم دو گلاس تیار نہیں کر سکتیں۔"

"نہیں......میں بہت تھک گئی ہوں لیکن شراب نہیں پیوں گی۔"

"مت پیئو......!" ڈاکٹر سلمان نے لاپروائی سے کہا اور خود اٹھ کر گلاس میں شراب انڈیلنے لگا۔ حمید کو اس وقت اس کی آنکھیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔ اسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ ضرور تھی لیکن آنکھیں اس مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔

وہ گلاس ہاتھ میں لئے ہوئے تاریہ کے سامنے آ بیٹھا پھر حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کیا تم اتنی دوڑ دھوپ کے بعد بھی ایک گلاس لینا پسند نہ کرو گے۔ میں تو ہمیشہ خالص شراب پیتا ہوں۔"

"شکریہ......!" حمید مسکرایا۔ "میں ضروری نہیں سمجھتا کہ خواہ مخواہ ایک بُری عادت کا اضافہ کرلوں۔"

"تم بہت بااصول آدمی ہو......میں تمہیں بے حد پسند کرنے لگا ہوں۔"

"دوسری بار شکریہ ڈاکٹر......!"

ڈاکٹر سلمان تاریہ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا شراب کی ہلکی ہلکی چسکیاں لیتا رہا پھر یک بیک گلاس کو ایک طرف فرش پر رکھ کر سیدھا بیٹھ گیا۔

وہ اور تاریہ ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ پلکیں جھپکائے بغیر......قندیلوں کی روشنی ان کے چہروں پر پڑ رہی تھی اس صندوق نما کمرے میں یہ روشنی ایسی لگ رہی تھی جیسے کسی تابوت کے گرد موئی قندیلیں روشن کی گئی ہوں اور پھر اس ماحول میں وہ دونوں......ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان کی آنکھیں پتھر کی ہوں۔ دفعتاً ڈاکٹر سلمان کسی سانپ کی طرح پھپھکارا۔ "تاریہ تم سو رہی ہو۔"

"ہاں......مجھے نیند آ رہی ہے۔" تاریہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ انداز بالکل ایسا ہی تھا

جیسے کہا ہو۔ ''ہاں ڈوب رہی ہوں۔''

''تم...... سو رہی ہو...... گہری نیند۔''

''ہاں......!'' تاریہ کی پلکیں آہستہ آہستہ جھکنے لگیں۔

''تم سو گئیں تاریہ۔'' ڈاکٹر سلمان نے پھر اسی انداز میں کہا۔

''مم......!'' تاریہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔ اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ وہ گہری گہری سانس لے رہی تھی۔

دفعتاً ڈاکٹر سلمان اس طرح چونکا جیسے ابھی تک خود بھی سوتا رہا ہو۔ اس نے دو تین بار پلکیں جھپکائیں آنکھوں کو مسلتا رہا پھر فرش سے گلاس اٹھا کر دو تین لمبے لمبے گھونٹ لئے اور حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''تمہیں حیرت ہوگی۔''

''قطعی نہیں۔'' حمید بھی جواباً مسکرایا۔ ''کبھی مجھے بھی ہپناٹزم کا خبط رہ چکا ہے۔ مگر آپ اس کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔ اتنی جلدی آسانی سے اسے ٹرانس میں لے آئے۔''

''ہاں...... اس کی ضرورت تھی۔''

''اوہ...... سمجھا شائد آپ کا بھی یہ خیال ہے کہ اس سوٹ کیس میں سات لاکھ کے نوٹ تھے۔''

''تم بہت ذہین آدمی ہو کیپٹن...... ہاں میرا یہی خیال ہے۔''

''قبل اس سے کہ آپ اس سے معلومات حاصل کریں میں ہی آپ کو کچھ بتا دوں۔''

''بتاؤ......!'' ڈاکٹر سلمان نے کہا اور گلاس خالی کر دیا۔

وہ دھماکہ ہینڈ بم کا تھا جو تاریہ نے ہمیں دیکھ لینے کے بعد نیچے پھینکا تھا۔

''بہت اچھے۔ تو میرا خیال غلط نہیں تھا۔ تمہاری نگاہ بہت تیز ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ تمہارے اضافے سے تنظیم کے ہاتھ بہت مضبوط ہو گئے ہیں۔'' اس نے تاریہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''اگر یہ ضائع ہو جائے تو تنظیم خسارے میں نہیں رہے گی۔''

وہ خاموش ہو کر تاریہ کو گھورتا رہا۔ پھر بولا۔ ''یہ اپنی خواہشات کی غلام ہے۔ لہٰذا الفانسے جیسے لوگ اس کی جنسیت کو اپنی طرف متوجہ کر سکتے ہیں۔ آہا...... کیپٹن اگر ہمارا خیال صحیح نکلا تو تاریہ ایک اہم مقصد کے حصول کے لئے استعمال کیا جا سکے گی۔ غالباً تم سمجھ گئے ہو گے۔''

''میں سمجھ گیا...... آپ اس کے ذریعے الفانسے پر ہاتھ ڈالیں گے۔''

''بالکل ٹھیک...... اب کچھ دیر کے لئے خاموش ہو جاؤ۔ میں تاریہ کو دیکھوں گا۔''

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر سوئی ہوئی تاریہ کو مخاطب کر کے بولا۔ ''تاریہ تم میرے سوالات کا جواب دو۔''

''اچھا......!'' تاریہ کے ہونٹ خفیف سے ہلے اور ایسا معلوم ہوا جیسے ان سے نکلی ہوئی آواز بہت دور سے آئی ہو۔

''تم نے جو سوٹ کیس نیچے پھینکا تھا اس میں کیا تھا۔''

''سات لاکھ روپیوں کے نوٹ......!''

''پھر تم نے ہمیں دیکھ کر ہینڈ بم پھینکا تھا۔''

''میں نے پھینکا تھا۔''

''الفانسے کے لئے۔''

''ہاں الفانسے کے لئے۔''

''تمہیں منع کیا گیا تھا۔''

''منع کیا گیا تھا مگر الفانسے میرا محبوب ہے۔''

''جگہ کا تعین کیسے ہوا تھا......؟''

''الفانسے نے فون پر مجھ سے گفتگو کی تھی۔''

''کیا تم اس سے اپنے جواہرات واپس لو گی۔''

''نہیں......!''

''اب میں تم سے کوئی جواب نہیں چاہتا۔ تم میری کسی بات کا جواب نہ دو گی۔'' ڈاکٹر سلمان نے چند لمحے خاموش رہ کر تاریہ کو مخاطب کیا۔ ''تاریہ۔''

لیکن اس بار تاریہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈاکٹر سلمان کہتا رہا۔ ''تم اس سے محبت کرو گی۔ اس سے ملو گی، چاہو گی کہ وہ ہمیشہ کے لئے تمہارا ہو جائے۔ لیکن تاریہ تم اسے اپنے ہاتھوں سے زہر دو گی۔ تم اسے زہر دو گی۔''

دفعتاً ڈاکٹر سلمان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھیں حلقوں سے اُبلتی ہوئی معلوم ہونے لگیں۔ وہ

برابر کہے جا رہا تھا۔ "تم الفانسے کو زہر دو گی...... تم الفانسے کو زہر دو گی...... تم الفانسے کو زہر دو گی۔"

حمید کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔

ڈاکٹر سلمان خاموش ہو کر اندھوں کی طرح خلاء میں گھور رہا تھا۔ پھر وہ اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس میز کی طرف آیا جس پر شراب رکھی ہوئی تھی۔ اس نے دوسرے گلاس میں شراب انڈیلی اور اسے لے کر پھر وہیں آ بیٹھا جہاں پہلے بیٹھا ہوا تھا۔ تاریہ بدستور سوتی رہی۔

دو تین گھونٹ لینے کے بعد وہ اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اسی کے ساتھ حمید کو بھی اپنا پائپ یاد آیا۔ متواتر تین گھنٹوں سے اس نے تمباکو نہیں پی تھی۔

ڈاکٹر سلمان کا چہرہ اب پھر پہلے ہی کی طرح پرسکون نظر آنے لگا تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ اس کا بایاں بازو زخمی تھا۔ لیکن حمید نے اب تک اس کی ہلکی سی کراہ بھی نہیں سنی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ گولی کا زخم کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کچھ دیر پہلے اسے اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نظر آ رہے تھے مگر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اپنے بازو پر گولی کا زخم لئے بیٹھا ہے۔

"کیپٹن......!" اس نے تھوڑی دیر بعد حمید کو مخاطب کیا۔ "اب مجھے بہت سخت ہو جانا پڑے گا۔"

"یقیناً...... آخر ہم ابھی تک سخت کیوں نہیں ہوئے تھے۔"

"یہ لوگ...... تنظیم کے درپے ہیں۔"

"اور میرا خیال ہے کہ ان کے ساتھ کوئی جماعت بھی نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"یہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔" ڈاکٹر سلمان اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"آپ ہی نے تو کہا تھا کہ...... میرا مطلب ہے ان چاروں آدمیوں کا بیان جنہیں پولیس نے پکڑا تھا۔ انہوں نے یہی تو بتایا ہے کہ ان میں دو مرد تھے اور ایک عورت تھی۔"

"ضروری نہیں کہ ان چاروں کو ان کے سارے حالات کا علم رہا ہو۔"

"پولیس...... میرا مطلب ہے کہ رام گڈھ کی پولیس جاگ اٹھی ہے اور تھریسیا کی تلاش جاری ہے۔ مگر ڈاکٹر...... اس کے باوجود بھی تھریسیا اپنی سرگرمیوں سے باز نہیں آئی۔"

"ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر سلمان سر ہلا کر بولا۔ "میں بھی دشمن کو حقیر نہیں سمجھتا۔ خواہ وہ ایک ننھی سی چیونٹی ہی کیوں نہ ہو۔"

"مگر ڈاکٹر......!" حمید تاریہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "یہ طریقہ کچھ جچا نہیں۔ کیا یہ ضروری ہے الفانسے تک اس کی رسائی ہو ہی جائے۔"

"میرا خیال ہے ایسا ہو کر رہے گا۔" ڈاکٹر سلمان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ پھر چند خاموش رہ کر بولا۔ "تاریہ جو چاہتی ہے کر گزرتی ہے۔ تم نے اسی وقت اسے دیکھا ہے کہ منع کرنے کے باوجود بھی...... ہائیں یہ کیا۔"

دفعتاً وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ حمید کی نظر بھی اسی طرف اٹھ گئی جدھر ڈاکٹر سلمان دیکھ رہا تھا۔

جگہ جہاں دروازہ تھا ایک چھوٹی سی چمکدار ڈبیہ فرش پر پڑی قندیلوں کی روشنی میں جگمگا رہی تھی۔ نے پہلے بھی اسے دیکھا تھا۔ لیکن کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ ڈاکٹر سلمان ایک قندیل اٹھا کر اس کی رف بڑھا۔

پھر دھماکہ

اس کے قریب پہنچ کر حمید کو معلوم ہوا کہ وہ ایک چھوٹا سا مائیک تھا جس کا تار دروازے کی خلاء حائل ہو جانے والی چٹان کے نیچے ایک پتلی سی دراڑ میں غائب ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر سلمان نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر حمید کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

حمید سمجھ گیا کہ ان کی گفتگو سنی جا چکی ہے۔ لیکن اسے حیرت تھی کہ آخر یہ ڈکٹافون یہاں آیا کس طرح۔ کیا یہ اسی وقت باہر سے کسی نے پھینکا تھا جب ڈاکٹر سلمان اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر رہا تھا۔ لیکن آنے والا ان کے ساتھ ہی یہاں تک آیا ہوگا۔ کیونکہ دروازہ بند ہونے سے پہلے ڈکٹافون کے مائیک کو اندر ڈال دینے کا تو یہی مطلب ہو سکتا تھا۔ مگر وہ آدمی نہ رہا ہوگا۔ کیونکہ اس تنگ سے درے میں کسی چوتھے آدمی کی موجودگی کا احساس ہو جانا ناممکنات میں سے نہیں تھا اور پھر ایسی صورت جب کہ ڈاکٹر سلمان کا ہر قدم بڑی احتیاط سے اٹھ رہا تھا۔ لہٰذا اگر وہ آدمی ہی تھا تو

اس کے پاس عمرو عیار کی گلیم ضرور رہی ہوگی۔ جسے اوڑھ کر وہ ان کی نظروں سے غائب ہوگیا ہوگا۔

ڈاکٹر سلمان نے جیب سے ایک بڑا سا چاقو نکالا اور مائیک کو ہاتھ میں اٹھا کر تار کاٹنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ حمید نے اسے اچھل کر پیچھے آتے دیکھا چاروں خانے چت...... بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے اسے اٹھا کر پھینک دیا ہو...... حمید بوکھلا کر اس کی طرف دوڑا۔

ڈاکٹر سلمان گندی گندی گالیاں بکتا ہوا فرش سے اٹھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا بایاں ہاتھ اب بالکل ہی بیکار ہوگیا ہو۔

''اِس میں کرنٹ موجود ہے۔'' وہ دانت پیس کر بولا۔

اچانک مائیک سے عجیب طرح کی آوازیں آئیں۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی ہنس رہا ہو۔ بہت دھیمی آواز تھی۔ وہ دونوں بے اختیارانہ طور پر پھر اس کی طرف بڑھے۔

آواز دھیمی مگر صاف تھی۔ کوئی عورت کہہ رہی تھی۔ ''ڈاکٹر سلمان تمہیں ہر قدم پر شکست دی جائے گی۔ تم خود کو دنیا کا چالاک ترین آدمی سمجھتے ہو۔ حالانکہ تم سے آدمی تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا کے ادنیٰ غلاموں میں بھی نہیں ملیں گے۔ ابھی صرف ایک الفانسے سے مقابلہ ہے لیکن تمہاری پوری تنظیم سے نپٹنے کے لئے میرے صرف چار آدمی کافی ہوں گے اور جب میں بذاتِ خود اس میں ہاتھ ڈالوں گی تو تمہاری ملکہ کائنات رام گڈھ کی سڑکوں پر بلبلاتی پھرے گی۔ ہاں تمہاری بقا کی ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ تم لوگ میرے مطالبات پورے کرتے رہو۔ فی الحال اسی سات لاکھ پر قناعت کروں گی۔ تاریہ کے جواہرات دوسرے نیک کاموں میں صرف کئے جائیں گے۔ اگر تم کچھ کہنا چاہو تو کہہ سکتے ہو تمہاری آواز مجھ تک پہنچ جائے گی۔''

''تم اسے باتوں میں الجھاؤ۔'' ڈاکٹر سلمان نے آہستہ سے حمید کے کان میں کہا۔ ''میں باہر نکل کر دیکھتا ہوں۔''

''تمہاری موت تمہیں اس سرزمین میں لے آئی ہے۔'' حمید گرج کر بولا۔ ''یہ محض اتفاق ہے کہ تم ابھی تک بچی ہوئی ہو۔ لیکن اب میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ میں نہیں جانتا کہ تم کیسی ہو۔ کبھی سامنے آؤ...... ممکن ہے اس طرح میں تم سے شادی کی درخواست کر بیٹھوں۔''

دوسری طرف سے قہقہے کی آواز آئی اور کہا گیا۔ ''تم لوگ اس وقت ہمارے رحم و کرم پر ہو۔ تہہ خانہ تمہارا مقبرہ بھی بن سکتا ہے۔''

''اوہ......!'' ڈاکٹر سلمان دانت پیس کر بولا۔ ''ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔''

مائیک سے پھر قہقہے کی آواز آئی۔

''ڈاکٹر سلمان......!'' عورت کہہ رہی تھی۔ ''تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا سے مقابلہ ہے۔''

''تھریسیا کا انجام نزدیک ہے۔'' ڈاکٹر سلمان دانت پیس کر غرایا۔

''تم جیسا بیوقوف آدمی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' مائیک سے آواز آئی۔ ''تم نے ابھی تک تاریہ قسم کی عورتیں دیکھی ہیں۔''

''عنقریب تم جیسی عورتوں کو بھی دیکھوں گا۔'' ڈاکٹر سلمان نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ اس کے انداز میں جھنجھلاہٹ باقی نہیں تھی۔

''تم واقعی احمق ہو ڈاکٹر سلمان۔'' مائیک سے آواز آئی۔ ''کیا تم اسے جانتے ہو کہ تاریہ کے ساتھ اور کون ہے۔''

ڈاکٹر سلمان حمید کو آنکھ مار کر مسکرایا۔

''کیوں......!'' اس نے مائیک پر جھک کر کہا۔ ''کیا میں اپنے کزن سہیل کو نہ پہچانوں گا۔''

''کزن سہیل......؟'' تھریسیا پھر ہنسی۔ ''کزن سہیل ہو سکتا ہے کہ کسی جیل میں ہو ڈاکٹر......!''

''شاید اب تم پاگل ہونے والی ہو۔'' ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا۔

''تم صرف احمق ہی نہیں احمقوں کے شہنشاہ بھی ہو۔''

''بکواس بند کرو۔ حقیر عورت۔'' حمید دھاڑا۔

''آہا...... تو اب کزن سہیل بول رہا ہے۔'' تھریسیا پھر ہنس پڑی۔ ہنستی رہی پھر بولی۔ ''ڈاکٹر سلمان...... میں تم پر ایک احسان کرنے جا رہی ہوں۔ اسے ہمیشہ یاد رکھنا۔ تم سہیل کے بھیس میں محکمہ سراغ رسانی کے ایک مشہور آفیسر کو ساتھ لئے پھر رہے ہو۔''

''بس...... اتنی سی بات۔'' ڈاکٹر سلمان طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''بڑا تیر مارا تم نے...... ننھی ناگن۔ یقیناً میں بڑا بیوقوف آدمی ہوں۔ لیکن تم اسے ثابت نہیں کر سکتیں جو کچھ کہہ رہی ہو۔''

''میں ثابت کر سکتی ہوں...... وہ شاید تمہارے کزن سہیل کے میک اپ میں ہے۔''

''اچھا...... ثابت کرو...... میں منتظر ہوں۔''

''کیا تم میں اتنا سلیقہ نہیں ہے کہ اس کی اصلی شکل دیکھ سکو......!''

"مجھے بالکل سلیقہ نہیں تھریسیا! کیا تم مجھے سلیقہ شعار بنانے کی کوشش کرو گی۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"جلد ہی تمہاری یہ خواہش پوری کی جائے گی۔" دوسری طرف سے ایک قہقہے کے ساتھ کہا گیا۔ "مگر اسی صورت میں جب تم اس مقبرہ سے باہر نکل سکو۔"

"اوہو......اس کی پرواہ نہ کرو۔"

"شش......!" دفعتاً حمید نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

ڈاکٹر سلمان اسے جواب طلب نظروں سے گھور رہا تھا۔

حمید نے آگے بڑھ کر آہستہ سے اس کے کان میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ آپ کو دوسری باتوں میں الجھا کر تنظیم کا تذکرہ چھیڑنا چاہتی ہے۔ اس لئے محتاط رہئے۔ ہوسکتا ہے پولیس نے ہی یہ جال بچھایا ہو۔ آپ کے خیال کے مطابق جب فریدی زندہ ہے تو آپ کو ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہئے۔"

ڈاکٹر سلمان نے اعتراف میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تمہارا خیال درست ہوسکتا ہے۔ اس دوران میں تاریہ بھی بیدار ہو کر انہیں گھور رہی تھی۔ ڈاکٹر سلمان نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"میکنزم کی خرابی میں انہیں لوگوں کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"سو فیصدی۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "لیکن اس کی پرواہ نہ کرو۔"

پھر اس نے تاریہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ ایک الماری کھولی جس میں کارتوسوں کا ذخیرہ تھا۔ اس نے اپنی جیبیں بھر لیں۔ پھر حمید کو بھی کافی تعداد میں کارتوس دیتا ہوا بولا...... "اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے۔ تھریسیا سمجھتی ہے شاید اس نے ہمیں بے بس کر دیا ہے۔"

یہ سب کچھ اس نے سرگوشیوں میں کہا تھا۔

پھر وہ ایک گوشے کی طرف بڑھا۔ حمید تاریہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے اور آنکھوں سے ہلکا سا خوف مترشح تھا۔

دفعتاً ڈاکٹر سلمان نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ دوسرے سرے پر ایک کھلے ہوئے دروازے کے قریب کھڑا انہیں اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

اسکے ہاتھ میں ایک مومی قندیل تھی۔ حمید تاریہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا اس طرف بڑھا۔

دوسرے لمحے میں وہ ایک غار میں تھے۔ حمید نے اپنی پشت پر چٹان سرکنے کی آواز سنی۔ غالباً دروازہ بند ہوا تھا لیکن وہ دیکھنے کے لئے نہیں مڑا۔

غار سے باہر نکل کر ڈاکٹر نے قندیل بجھا دی...... اور آہستہ سے بولا۔ "تم لوگ اسی راستے پر چلتے رہو۔ کچھ دیر بعد میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔"

حمید اور تاریہ تاروں کی چھاؤں میں آگے بڑھ گئے۔ باہر کھلے میں انہیں شدید ترین سردی کا احساس ہوا۔ تاریہ تو بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"کیا میں تم پر اپنا کوٹ ڈال دوں...... تاریہ ڈارلنگ......!" حمید نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں شکریہ۔" وہ اس سے اپنا بازو چھڑاتی ہوئی زہریلے لہجے میں بولی۔

"دیکھو...... یہ بیکراں فضائیں کہہ رہی ہیں۔ آؤ ہم تاروں کی چھاؤں میں مستقبل کے لئے کچھ عہد و پیاں کریں۔ ایسا اتھاہ سناٹا ہمیں پھر کبھی نصیب نہ ہوگا۔ ویسے تاریہ ڈارلنگ تم بہت تھک گئی ہو۔ بتاؤ میں کیا کروں۔ تم اتنی ہلکی بھی نہیں ہو کہ تمہیں اٹھا سکوں۔ لوگ اپنی محبوباؤں کو پھول سے تشبیہ دیتے ہیں تم بھی پھول ہو ڈارلنگ...... مگر گوبھی کا۔"

"تم اپنی بکواس بند رکھو...... سمجھے۔" تاریہ چلتے چلتے رک کر بولی۔

"تم مجھے ہمیشہ اداس کر دیتی ہو۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور پھر چلنے لگا۔ تاریہ اس سے آگے نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"دیکھو ستارے بھی اداس ہو گئے ہیں تاریہ۔" حمید بولا۔ "شاعروں نے ان کی عادات خراب کر دی ہیں۔ یہ دو دلوں کو عہد و پیان کرتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ مگر تم بڑی ظالم ہو...... ستاروں کا دل نہ توڑو۔"

تاریہ جھلا کر پلٹ پڑی۔ لیکن اس کا دو ہتڑ ایک چٹان پر پڑا۔

"یہ نہ صرف غیر شاعرانہ...... بلکہ...... یہ حرکت غیر محبوبانہ بھی ہے۔ تاریہ ڈارلنگ...... عاشقوں سے لفنگا پن نہیں کرتے۔ بُری عادت ہے۔ اس وقت تم نے صدہا سال پرانی روایات پر لات ماری ہے۔"

تاریہ کھڑی اپنے چوٹ کھائے ہوئے پنجے مسل رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ حمید کو کچا ہی چبا

جاتی اور پھر اس کی اپنی دانست میں وہ اس کے راز سے بھی واقف ہو گیا تھا۔

"چلو چلتی رہو......!" حمید آہستہ سے بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ ایک دن تم مجھے دھوکے سے گولی مار دو گی۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میں دوسری دنیا میں بھی تمہارا منتظر رہوں گا۔ کیا تم نے کبھی رائیڈر ہیگرڈ کا کوئی رومانس پڑھا ہے۔"

تاریہ جواب دیئے بغیر پھر چل پڑی۔ اچانک اسی وقت قریب ہی کہیں ایک زوردار دھماکہ ہوا اور وہ دونوں منہ کے بل گرتے گرتے بچے۔ تاریہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تھی اور اس کے ہاتھ زمین پر ٹکے ہوئے تھے۔

"اٹھو...... بھاگو......!" حمید اسے کھینچ کر سیدھا کھڑا کرنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ وہ اٹھی لیکن اس کے پیر پھر لڑکھڑا گئے۔ وہ دبی ہوئی آواز میں گالیاں بک رہی تھی۔

دفعتاً انہیں ڈاکٹر سلمان کی آواز سنائی دی۔ "چلتے رہو......کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں نے اس پناہ گاہ کو برباد کر دیا ہے۔"

پھر وہ ان کے قریب پہنچ کر بولا۔ "میں نہیں چاہتا کہ میری پناہ گاہوں پر دوسروں کی نظر پڑے۔ ہاں بس سیدھے ہی چلو......ہمیں زیادہ نہیں چلنا پڑے گا۔"

ریکریئشن ہال میں

وہ ایک اداس شام تھی۔ شام صرف شام ہوتی ہے۔ وقت کو اداسی یا خوشی سے کیا سروکار۔ اداس تو حمید تھا اسی بھیڑیئے کی طرح جو اپنے جھنڈ سے الگ ہو گیا ہو۔ یا جس کی مادہ کسی شکاری کی رائفل کی نظر ہو گئی ہو۔

اب اسے اس ماحول میں بڑی گھٹن محسوس ہوتی تھی۔ بعض اوقات تو اسے یقین ہی آ جاتا تھا کہ وہ سچ مچ اپنے راستے سے بھٹک گیا ہے۔ بھوری پہاڑیوں کے ہنگامے کے بعد دو دن تک اس

سان نہیں دیکھا۔ موڈ ہی کچھ ایسا تھا دن بھر اپنے کمرے میں پڑا رہتا۔ کمرے سے نکلتا بھی تو ے زیادہ لائبریری تک کی دوڑ ہوتی، وہاں اس توقع پر جاتا کہ کچھ دیر ساحرہ ہی سے گفتگو لیکن آج کل ساحرہ عجیب سے عجیب تر ہو گئی تھی۔ وہ لائبریری کے فرش پر کتابوں کے ڈھیر ے دوزانو بیٹھی انہیں گھورتی رہتی۔ اگر کوئی اس کی اس مصروفیت میں مخل ہوتا تو اس کے چہرے پر ی کرب کے آثار صاف نظر آنے لگتے۔

وہ حمید کی طرف مڑی اس کی آنکھوں میں ایک غم ناک سا احتجاج ہوتا لیکن ہونٹوں پر بے ی مسکراہٹ نظر آتی اور وہ کہتی۔ "سہیل...... مجھے بتاؤ ان کتابوں میں کیا ہے...... میں ہو جاؤں گی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ ساری کتابیں میں پڑھ چکی ہوں لیکن میں ان یک لفظ بھی نہیں سمجھ سکتی ہوں۔"

پھر وہ آنکھیں بند کر کے اپنی پیشانی رگڑنے لگتی۔

آج کل اس کا بے بی ساری کوٹھی میں ٹیاؤں ٹیاؤں کرتا پھرتا لیکن وہ اس کی طرف آنکھ اٹھا بھی نہ دیکھتی۔

آج حمید کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو ہی گیا اور دوپہر کے کھانے کے بعد ساحرہ میز سے اٹھ گئی۔ ر نے اس کا تذکرہ ڈاکٹر سلمان سے چھیڑ دیا۔

"میں کیا بتاؤں کیپٹن۔" ڈاکٹر سلمان نے غمگین آواز میں جواب دیا۔ "وہ بچپن ہی سے ایسی ہے۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ اس کے مرض کو سمجھ سکوں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ بہتیرے ماہرین یات نے اسے دیکھا ہے ان کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ نقص پیدائشی ہے۔"

"کیا آپ اس نقص کو ہپناٹزم کے ذریعے نہیں دور کر سکتے۔"

"شاید ہپناٹزم کے متعلق تمہاری معلومات وسیع نہیں ہیں۔" ڈاکٹر سلمان کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ہپناٹزم کے ذریعہ صرف لاشعوری گرہیں کھولی جا سکتی ہیں۔ برین یا مغز کی کوئی خامی نہیں دور کی جا سکتی۔ مثال کے طور پر مبڈ بولا...... مگر چھوڑو......ایک لمبی گفتگو چھڑ جائے گی۔ بہر حال اسے یوں سمجھو کہ پیدائشی اندھوں کو کسی قسم کا بھی علاج بینا نہیں کر سکتا۔"

ڈاکٹر مجھے اس پر بہت رحم آتا ہے۔

ڈاکٹر سلمان کچھ نہ بولا۔ ویسے اس کے انداز سے یہی مترشح ہو رہا تھا جیسے وہ اس تذکرے کو

یہیں ختم کردینا چاہتا ہو۔

''لیکن آپ نے اس پر اتنی پابندیاں کیوں عائد کررکھی ہیں۔''

''پابندیاں......نہیں تو......کیا وہ خود کہہ رہی تھی۔''

''نہیں اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔ وہ مجھ سے زیادہ تر کتابوں یا اپنے ''بے بی'' کی گفتگو کرتی ہے۔''

''کسی قسم کی بھی پابندیاں نہیں ہیں۔ میں اس سے اکثر کہتا ہوں کہ کچھ دیر کے لئے باہر بھی جایا کرے۔ مگر جائے کہاں۔ اس کی کسی سے جان پہچان ہی نہیں ہے۔ وہ خود ہی کسی سے ملنا پسند نہیں کرتی۔''

''میں آج شام اسے اپنے ساتھ باہر لے جاؤں گا۔''

ڈاکٹر کے چہرے پر پہلے تو ہچکچاہٹ کے آثار نظر آئے پھر بولا۔ ''لے جاؤ مگر مجھے حیرت ہے کہ وہ تم سے کافی حد تک مانوس ہوگئی ہے۔ ورنہ بعض اوقات تو میں اپنے لئے بھی اس کی آنکھوں میں نفرت دیکھتا ہوں۔''

''میں......!'' حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''اس کی بچکانہ باتوں کو بھی بہت اہمیت دیتا ہوں۔ میں اسے احساس نہیں ہونے دیتا کہ وہ ذہنی اعتبار سے مجھ سے کمتر ہے۔''

''اس ہمدردی کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں......کیپٹن۔''

پھر یہ بات آگے نہیں بڑھی۔

بہر حال وہ ایک اداس شام تھی۔ اداس یوں کہ حمید کے ساتھ ایک بڑی دل کش لڑکی تھی مگر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ حمید کے ساتھ ایک دلکش لڑکی ہو اور جس شام یہ واقعہ پیش آئے اسے بھلا دو۔ اداس کیوں کر کہا جاسکتا ہے۔ بات سو فیصدی حیرت انگیز ہوسکتی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ حمید بہت اداس تھا۔ اداسی کی وجہ یہ تھی کہ وہ دل کش تھی مگر بے جان۔ اس میں وہ ذہنی طراریاں نہیں تھیں جن کا حمید خوگر تھا۔ وہ چالاک اور عیار قسم کی لڑکیوں میں خوش رہتا تھا۔ اس کے لئے وہ لڑکیاں بڑی دلچسپ ہوتی تھیں جنہیں قابو میں رکھنے کے لئے اُسے ہر لمحہ ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔ وہ انہیں بہت پسند کرتا تھا جو اسے ہر لمحہ نئی چوٹ دینے کی تاک میں رہتی تھیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ عیار ترین لڑکیوں کو بیوقوف بنانے میں اسے جو مسرت حاصل ہوتی تھی وہی اس کی تفریح تھی اور

یہی تفریح سے وہ آج کل محروم تھا۔

جب اس نے ساحرہ سے کہا کہ وہ آج اسے باہر لے جائے گا تو اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''نہیں......میں یہ نہیں چاہتی کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔''

''میں یہاں سے کیوں چلا جاؤں گا۔''

''بھائی جان آپ کو یہاں نہیں رہنے دیں گے۔''

''کیوں......؟''

''اوہ......آپ نہیں سمجھتے۔''

''کیا نہیں سمجھتا۔''

''مجھ سے بحث نہ کرو......میں نہیں جاؤں گی۔''

''تمہیں چلنا پڑے گا۔'' حمید نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''میں بھائی جان سے بالکل نہیں ڈرتی۔ مگر وہ آپ کو یہاں نہیں رہنے دیں گے۔''

''تو کیا بگڑے گا میرا......میں کہیں اور جا رہوں گا۔''

''آپ نہیں جاسکتے......کبھی نہیں ہرگز نہیں۔''

''تم لباس تبدیل کرو اپنا......ہم فیریز ڈریم چل رہے ہیں۔''

''فیریز ڈریم......!'' ساحرہ نے حیرت سے کہا۔ ''وہ جہاں مرد اور عورتیں ناچتے ہیں۔''

''ہاں وہیں۔''

''نہیں......وہاں تو بھائی جان بیٹھتے ہیں۔ میں جانتی ہوں۔''

''تم کیا جانو۔''

''وہاں سے اکثر ان کے فون آتے ہیں۔''

''اچھا تو کہیں اور چلیں گے۔''

''آپ نہیں سمجھتے......بھائی جان کو کسی نہ کسی طرح معلوم ہوجائے گا۔''

''میں نے ڈاکٹر سے اجازت لے لی ہے۔''

''نہیں......!'' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں ہاں......تم اتنی ڈرپوک کیوں ہو۔"

"میں ڈرپوک نہیں ہوں......لیکن اگر انہوں نے آپ کو......!"

"وہ مجھے قیامت تک نہیں نکال سکتے۔ کیونکہ میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا تھا۔"

"کیا کہہ دیا تھا۔"

"یہی کہ ساحرہ بڑی بدصورت لڑکی ہے۔ اس کے سر پر بال ہی نہیں ہیں اور آنکھیں ہیں بٹن۔ ہونٹ نہ ہوتے تو اچھا تھا۔ کان ایک ایک بالشت کے ہونے چاہئے تھے اور ساحرہ کی ناک بالکل چپٹی ہے......اور ساحرہ......!"

"بس بس......!" ساحرہ ہنسنے لگی۔ "آپ جھوٹے ہیں۔ آپ نے یہ سب کچھ کبھی نہ کہا ہوگا۔"

"تم چلتی ہو یا نہیں۔"

"آپ تو سمجھتے ہی نہیں۔"

"میں کہتا ہوں تم اپنا لباس تبدیل کرو......ورنہ میں......!"

"اچھا آپ نہیں سمجھتے۔ میں چل رہی ہوں۔ لیکن اگر بھائی جان نے آپ کو یہاں سے نکالا تو میں خودکشی کرلوں گا۔"

وہ چلی گئی۔ حمید اس کی واپسی کا منتظر رہا۔ اسے اپنے ساتھ لے جانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ حمید اسے سمجھ سکے۔ یہ لڑکی اس کے لئے ایک سوال تھی ایک مسئلہ تھی۔ وہ جو تاریخ فلسفہ جیسے کتابوں کے حواشی پر ریمارک لکھ سکتی تھی......لیکن خود کو غیر تعلیم یافتہ ظاہر کرتی تھی۔ وہ جو کبھی کبھی بچوں کی سی باتیں کرتی ہوئی بہک کر فلسفیانہ انداز میں بولنے لگتی تھی۔ حمید اسے ہر زاویئے سے دیکھنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ لباس تبدیل کر کے واپس آ گئی۔ حمید نے اسے حیرت سے دیکھا۔ وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن حمید اداس تھا اور اسے شام بڑی اداس معلوم ہو رہی تھی۔

حمید نے پہلے یہی سوچا تھا کہ فیریز ڈریم جائے گا مگر ساحرہ کے یاد دلانے پر خیال آیا کہ ڈاکٹر وہاں کے مستقل ممبروں میں سے ہے۔

فیریز ڈریم کے علاوہ رام گڈھ میں دوسری تفریح گاہیں بھی تھیں مگر فیریز ڈریم کی بات ہی اور تھی۔ بہرحال حمید نے وہاں جانے کا خیال ترک کردیا۔

وہ دونوں تھری کیسلس میں آئے اور حمید نے دفعتاً محسوس کیا کہ ساحرہ مسرور نظر آنے لگی ہے۔

نہ جانے کتنی نگاہیں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں لیکن وہ حمید کے علاوہ اور کسی کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

وہ دونوں ایک خالی میز پر جا بیٹھے۔

"تم شراب پیتے ہو۔" ساحرہ نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

"کیوں......؟" حمید اسے گھورنے لگا۔

"یونہی پوچھ رہی ہوں۔"

"نہیں میں شراب نہیں پیتا۔"

"تم سچ مچ بہت اچھے ہو......بہت اچھے......مجھے شرابیوں سے بڑی نفرت ہے۔ میں جانتی ہوں بھائی جان بھی پیتے ہیں......مگر میں کیا کرسکتی ہوں۔"

"تم اپنے بھائی جان کی کتنی بُری عادتوں سے واقف ہو۔"

"بس یہی جانتی ہوں کہ وہ بہت پیتے ہیں۔ ان کے کمرے میں چاروں طرف بوتلیں ہی بوتلیں نظر آتی ہیں۔ مگر میں نے انہیں نشے میں کبھی نہیں دیکھا۔ اور کیا یہاں ناچ نہیں ہوتا۔"

"ہوتا ہے دوسری طرف......ابھی شروع نہیں ہوا۔ کیا تم ناچنا جانتی ہو۔"

"نہیں......مجھے نہیں آتا۔"

"سیکھو گی۔"

"نہیں......کیا کروں گی سیکھ کر۔ آج چلی آئی ہوں تمہارے ساتھ، روز تھوڑا ہی آؤں گی۔"

"میں روز لاؤں گا تمہیں۔"

"واہ......اچھی زبردستی ہے۔"

"بے کار باتیں نہ کرو......وہی ہوگا جو میں چاہوں گا۔ ڈاکٹر سلمان میری بات نہیں ٹال سکتے۔"

"آخر کیوں؟ میں اکثر سوچتی ہوں کہ بھائی جان آپ کا اتنا خیال کیوں کرتے ہیں۔"

"وہ اس پر مجبور ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "کیونکہ ادارہ روابط عامہ میرے بغیر نہیں چل سکتا۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ساحرہ سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہ کرے۔ اسے سب سے زیادہ فکر تنظیم کی سربراہ "ملکہ کائنات" کی تھی۔ پہلے اس کا خیال تاریہ کی طرف گیا تھا لیکن پھر الفانسے والے واقعے نے اس کی تردید کردی تھی۔ تنظیم کی سربراہ اس قسم کی کوئی عورت ہرگز

نہیں ہوسکتی۔ وہ عورت بھی یقیناً بہتیرے مردوں سے برتر ہوگی۔ تارا یہ تو ایک جنس زدہ عورت کی خواہشات کی غلام...... مساکسٹ عورتیں تو چاہتی ہیں کہ ان پر سختی سے حکومت کی جائے۔ ان میں دوسروں پر حکومت کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"ڈاکٹر نے شادی نہیں کی۔"

"نہیں......!"

"ان کی دوست بہتیری عورتیں ہوں گی۔"

"ہوں گی...... مجھے علم نہیں۔"

"کوٹھی میں کبھی کوئی نہیں آتی۔"

"کوئی نہیں...... میرا خیال ہے ان کے دوستوں میں کوئی عورت نہیں ہے۔ لیکن تم نے یہ تذکرہ کیوں چھیڑ دیا۔"

"کچھ نہیں...... یونہی۔"

"تم کبھی مجھ سے صاف صاف گفتگو نہیں کرتے۔"

"میں نہیں سمجھا کہ صاف صاف گفتگو کرنے سے تمہاری کیا مراد ہے۔"

"تم نے بھائی جان کا تذکرہ کیوں چھیڑا تھا۔"

"آہا...... تم ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ میں نے ان کی شادی کہیں طے کردی ہے۔"

"ارے ذرا ادھر دیکھو......!" ساحرہ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ایک طرف اشارہ کیا۔

"وہ آدمی مجھے اس طرح گھور رہا ہے جیسے میں نے اسے گالی دی ہو۔"

"تمہاری شادی کب ہوگی۔"

"یہ آج تمہیں کیا ہوگیا ہے۔" ساحرہ اسے گھورنے لگی۔ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

"نہیں اب کبھی تمہارے ساتھ نہ آؤں گی۔"

"کیوں......؟"

"تم بے کار باتیں لے بیٹھتے ہو۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک آدمی ان کی میز کے قریب آکر کھڑا ہوگیا۔ پہلے تو ایسا معلوم

ہوتا تھا جیسے وہ کسی غلط جگہ پر چلا آیا ہو۔ اس وقت تمام میزیں بھر چکی تھیں۔ وہ شاید کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھا۔ پھر اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

"جناب عالی اگر بُرا نہ مانیں تو کچھ دیر یہاں بیٹھنے کی اجازت طلب کروں۔"

"ضرور تشریف رکھئے جناب۔" حمید نے مسکرا کر جواب دیا۔ "مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ہم سے جان پہچان پیدا کرنے کی کوشش کریں۔"

"اوہو...... شکریہ۔" وہ بیٹھتا ہوا بولا۔ "مگر جناب یہ کیسے ممکن ہے کہ میں آپ کی میز پر خاموش بیٹھوں گا۔ آپ جانتے ہیں کہ آدمی حیوان ناطق کہلاتا ہے۔ تنہائی میں بھی اس سے خاموش نہیں رہا جاتا۔ وہ گانے لگتا ہے خواہ آواز ایسی ہی کیوں نہ ہو کہ پڑوسیوں کو کسی کانجی ہاؤز کا دروازہ ٹوٹ جانے کا شبہ ہونے لگے۔"

"بلاشبہ آپ اچھا خاصا بول لیتے ہیں۔"

"آپ لوگ کیا پئیں گے۔"

"شکریہ...... ہم لوگ کچھ نہیں پئیں گے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔" حمید جھنجھلا گیا۔

ساحرہ آنے والے کو توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ حمید کو یہ بات بھی کھلنے لگی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب یہاں سے اٹھ ہی جانا چاہئے۔

اتنے میں ریکریئشن ہال میں موسیقی شروع ہوگئی۔ حمید نے ساحرہ سے کہا۔

"چلو ادھر چلیں۔"

"چلو......!" ساحرہ کھڑی ہوگئی۔

"اوہو ٹھہریئے۔" اجنبی نے افسوس ظاہر کرنے والے انداز میں کہا۔ "میری وجہ سے آپ لوگ اٹھ رہے ہیں، میں جا رہا ہوں۔ آپ تشریف رکھئے۔"

حمید ایک جھٹکے کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اسے بیٹھنا ہی پڑا۔ اگر سامنے سے گولیوں کی بوچھاڑ ہوتی رہی ہوتی تب بھی وہ وہیں بیٹھ جاتا کیونکہ اجنبی اپنی ٹھیک آواز میں بولا تھا اور وہ آواز فریدی ہی کی ہوسکتی تھی

"بیٹھ جاؤ......!" اس نے ساحرہ سے کہا۔ "واقعی مجھ سے بد اخلاقی سرزد ہوئے جا رہی تھی۔"

اجنبی سگار سلگانے لگا تھا۔ ساحرہ بیٹھ گئی۔ لیکن وہ اجنبی کے بجائے حمید کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ کچھ پلانے جا رہے تھے۔" حمید نے اجنبی سے کہا۔

"ٹھنڈا پانی۔" اجنبی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ پھر فرانسیسی زبان میں بولا۔ "تم مرز کھیاں مار رہے ہو۔ تم نے اب تک کیا کیا۔"

"ابھی تک تو کچھ بھی نہیں کیا۔ مجھے اس لڑکی سے صرف ہمدردی ہے۔"

"لڑکی کے بچے...... کیا تمہیں......!"

"اوہو...... ٹھہریئے...... آپ خفا کیوں ہو رہے ہیں۔ آج کل میں صرف عورتوں میں کام کر رہا ہوں تاکہ تنظیم کی سربراہ تک پہنچ سکوں۔ مگر یہ تھریسیا بمبل بی کون ہے۔"

"میں نے بھی سنا ہے لیکن مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ویسے وہ لوگ نہ جانے کیوں ڈاکٹر سلمان سے الجھ گئے ہیں۔" اجنبی نے کہا۔

"تو پھر اس کا مطلب ہے کہ میں تھریسیا اور اس کے ساتھیوں سے بھی نپٹ سکتا ہوں۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اسلئے اس تذکرے کو آگے نہ بڑھاؤ۔ یہ لڑکی کون ہے۔"

"ڈاکٹر سلمان کی بہن۔"

"خیر تم جو چاہو کرو...... مجھے اس سے سروکار نہیں۔ لیکن اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔"

ساحرہ حیرت سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ فرانسیسی زبان اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

حمید چند لمحے اجنبی کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "تاریہ الفانسے کو زہر دے گی۔ ڈاکٹر نے اسے ٹرانس میں لا کر یہ سجیشن دیا تھا۔"

"یہ الفانسے کیا بلا ہے۔"

"شاید وہ بلا میرے سامنے ہی بیٹھی ہوئی ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"فضول باتوں میں مت پڑو...... کام کرو...... وقت بہت کم ہے۔ فی الحال تھریسیا نے الجھا لیا ہے۔ ورنہ وہ کوئی بہت بڑی حرکت کر بیٹھتے۔ وہ فاشی انقلاب کی تیاریاں کر رہے ہیں۔"

حمید کو یہ سن کر حیرت ہوئی۔ کیونکہ ڈاکٹر سلمان نے اس قسم کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔

"اوہ...... اچھا...... تو پھر اب مجھے سنجیدگی اختیار کرنی چاہئے...... مگر ہاں یہ تو بتایئے کہ قاسم والے معاملے کا کیا بنا۔"

"اس کا باپ واپس چلا گیا۔ اس نے اپنی رپورٹ واپس لے لی ہے۔ قاسم یہیں ہے روحی کے ساتھ۔"

"کیا بوڑھا اسے واپس نہیں لے گیا۔"

"نہیں چھپ گیا تھا...... لیکن اب تم قاسم واسم کے چکر میں نہ پڑو...... سمجھے۔"

"سمجھ گیا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن میں تھریسیا سے ملنا چاہتا ہوں۔"

اجنبی اس کا جواب دیئے بغیر اٹھ گیا۔

ساحرہ چند لمحے حمید کو گھورتی رہی پھر بولی۔ "تم کس زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ یہ کون تھا۔"

"ایک آوارہ فرانسیسی...... وہ ہمیں بھی فرانسیسی ہی سمجھا تھا۔ یہ میری فرنچ کٹ ڈاڑھی دیکھ رہی ہو نا...... وہ کہہ رہا تھا کہ تم بہت واہیات ہو۔ مجھ سے بولا کہ ایسی بدصورت لڑکی کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے۔"

"اس نے کہا تھا۔" ساحرہ نے غمگین انداز میں ایک سسکی لی۔

"کہا تھا...... لیکن میں نے اس کا دماغ درست کر دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہے۔"

"نہیں......!" ساحرہ جھینپے ہوئے انداز میں ہنسی پھر بولی۔ "ہم ادھر جا رہے تھے جہاں رقص ہونے والا ہے۔"

"ہاں...... آں چلو......!" حمید اٹھ گیا۔ وہ ریکریئشن ہال میں آئے۔

یہاں آرکسٹرا نے موسیقی شروع کر دی تھی۔ لیکن رقص میں ابھی دیر تھی۔

دفعتاً حمید چلتے چلتے رک گیا۔ اس کا منہ حیرت کے اظہار میں پھیل گیا تھا۔

کلب میں ہنگامہ

"اب یہاں کیوں رک گئے ہو۔" ساحرہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "ادھر کی ساری میزیں بھری جا رہی ہیں۔"

"آ...... ہاں......!" حمید چونک کر اس کی طرف مڑا۔ "اچھا دیکھو...... تم وہاں کسی خالی میز پر بیٹھ جاؤ...... میں ابھی آ رہا ہوں۔"

"میں اکیلے کبھی نہ بیٹھوں گی...... مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"یہاں بھیڑیے نہیں ہیں جو تمہیں کھا جائیں گے۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"تم کہاں جا رہے ہو۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "اچھا میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں پھر ڈائننگ ہال میں واپس آ گئے۔

حمید اسے اسی میز پر بٹھا کر جہاں وہ کچھ دیر پہلے بیٹھے ہوئے تھے کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ یہاں اس نے فون پر ڈاکٹر سلمان کے نمبر ڈائیل کئے لیکن وہ کوٹھی میں موجود نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار نظر آنے لگے۔ مگر پھر اسے یاد آیا کہ وہ اس وقت فیریز ڈریم میں ہوگا۔

اس کا خیال غلط نہیں نکلا۔ ڈاکٹر وہیں موجود تھا۔

"ہیلو...... ڈاکٹر...... میں سہیل ہوں۔ تھری کیٹس سے بول رہا ہوں۔"

"اوہو...... مجھے توقع تھی کہ تم یہاں آؤ گے...... کیوں کیا بات ہے۔"

"آپ فوراً یہاں آیئے۔"

"کیوں......؟"

"فون...... پر نہیں بتاؤں گا...... بہرحال آپ کا پہنچنا ضروری ہے۔ یہ میں صرف ساحرہ کے لئے کہہ رہا ہوں۔ اگر تنہا ہوتا تو آپ کو تکلیف نہ دیتا۔"

"میں آ رہا ہوں......!" ڈاکٹر نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید پھر واپس میز پر آ گیا۔

"کیا بات ہے۔ تم نے کس کو فون کیا تھا۔"

"ڈاکٹر کو میں نے یہاں بلایا ہے۔"

"کیوں......؟"

"ان کی موجودگی میں تمہیں رقص سکھاؤں گا۔"

"کیا مطلب......؟"

"کہو تو اس جملے کا انگریزی میں ترجمہ کر دوں۔"

"تم نے بھائی جان کو کیوں بلایا ہے۔"

"ایک بار کہہ دیا اب خاموش رہو۔"

ساحرہ کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "جب تم مجھے پریشان کرتے ہو تو دل چاہتا ہے کہ تمہارے تھپڑ لگاؤں۔"

"کوشش کر کے دیکھو۔" حمید مسکرایا۔

"میں نے اکثر محسوس کیا ہے کہ تم بہت بے درد آدمی ہو۔"

"تم مجھے الزام دے رہی ہو...... ساحرہ...... کیا تم اسے ثابت کر سکو گی۔"

ساحرہ کچھ نہ بولی۔

حمید نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی کے لئے کہا اور ساحرہ کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔ "اگر تم شراب پینا چاہو تو......!"

"مت بولو مجھ سے۔" ساحرہ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"کل سے نہیں بولوں گا۔ اس وقت تو بولنے ہی دو۔ کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ آج ہم اس وقت آخری بار گفتگو کر رہے ہیں۔"

ساحرہ اُسے گھورنے لگی۔

"کل میں رام گڈھ سے چلا جاؤں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں......!"

"ہاں...... کل ہی۔"

"تم نہیں جا سکتے...... ہرگز نہیں۔"

اتنے میں کافی آ گئی...... ساحرہ کا جملہ پورا نہ ہو سکا۔

''تم نہیں جا سکتے...... میں تمہیں آگاہ کر رہی ہوں۔'' اس نے ویٹر کے چلے جانے پر کہا

''اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ میں اپنی زندگی سے عاجز آ گئی ہوں۔''

''چلو...... کافی بناؤ'' حمید نے ٹرے اس کی طرف کھسکا دی۔

''میں...... پاگل ہو جاؤں گی...... اس ویران عمارت میں۔''

''ویران کیوں...... نصف درجن سے زائد تو نوکر ہیں تمہارے۔''

''دیکھو...... اب میں پاگلوں ہی کی طرح چیخنا شروع کر دوں گی۔ تم مجھے غصہ دلا رہے ہو۔''

''تم اس وقت بھی پاگلوں ہی کی سی باتیں کر رہی ہو۔ کیا نوکروں کا تذکرہ تمہیں پاگل کر دیتا ہے۔''

''تم آخر...... میری بات سمجھتے کیوں نہیں۔'' ساحرہ نے ایک طویل سانس لے کر بے بسی سے کہا۔ ''کیا میں نوکروں کے کمروں میں صفائی کر سکتی ہوں؟ ان کی چیزوں کی دیکھ بھال کر سکتی ہوں؟ چائے یا کھانے پر ان کا انتظار کر سکتی ہوں۔ ان کے لئے چیزیں خرید سکتی ہوں؟ بتاؤ خاموش کیوں ہو۔''

حمید کرسی کی پشت سے ٹک کر اُسے گھورنے لگا۔

ساحرہ نے کافی کی پیالی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کیا میں نوکروں کے انتظار میں رات گئے تک جاگ سکتی ہوں۔ میں کبھی تمہارے آنے سے پہلے نہیں سوئی۔''

''ارے...... مجھے نہیں معلوم تھا۔''

''تم کیا جانو......!'' وہ شکایت آمیز لہجے میں بولی۔ ''میں باہر برآمدے میں پام کے بڑے گملوں کی اوٹ میں کھڑی رہتی ہوں جب دیکھتی ہوں کہ تم آ رہے ہو تو چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی جاتی ہوں۔''

''تم ایسا کیوں کرتی ہو۔''

''نہ جانے کیوں...... میں خود اکثر سوچتی ہوں۔ میں نہیں بتا سکتی کہ میں کیوں ایسا کرتی ہوں اور تم بھی نہیں سمجھ سکتے۔ پہلے جب تم نہیں آئے تھے تو میں ''بے بی'' کے لئے پریشان رہا کرتی تھی۔ مگر اب مجھے اس کی بالکل پرواہ نہیں ہے۔ اکثر سوچتی ہوں مگر تمہیں نہیں بتاؤں گی۔ تم ہنسو گے مجھ

پر خود بھی ہنسی آتی ہے۔''

وہ جھینپے ہوئے انداز میں ہنسنے لگی۔

''نہیں...... تم بتاؤ...... میں نہیں ہنسوں گا۔''

''تم میرا مضحکہ اڑاؤ گے۔ میں نہیں بتاؤں گی۔''

''نہیں میں وعدہ کرتا ہوں۔''

''اوہ...... وہ......!'' ساحرہ سر جھکا کر اپنی انگلیاں مروڑتی ہوئی بولی۔ ''میں سوچتی ہوں کاش تم ایک...... نہیں نہیں...... میں نہیں بتاؤں گی۔''

وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر ہنسنے لگی حمید اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

ساحرہ اسی طرح منہ پر ہاتھ رکھے ہنستی رہی پھر اس ہنسی میں شرمیلا پن بھی شامل تھا اور وہ اس وقت پہلے سے بھی زیادہ اچھی لگ رہی تھی۔

''تم نہیں بتاؤ گی۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''ب...... بتاتی ہوں...... مگر تم خفا نہیں ہو گے۔''

''میں اب چپ چاپ اٹھ کر چلا جاؤں گا...... تم خواہ مخواہ میرا وقت ضائع کر رہی ہو۔''

''پھر خفا ہو گئے تم...... میں دراصل سوچتی ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''کاش تم ایک ننھے سے بچے ہوتے۔ میں تمہیں تھپک تھپک کر سلاتی۔ تمہارے لئے ننھے ننھے سویٹر بنتی، ننھے ننھے کپڑے چھوٹی سی قمیض...... ننھی سی نیکر......!''

اس کی آنکھیں پھر ویسی ہی ہو گئیں تھیں جیسے بیداری میں خواب دیکھ رہی ہو۔

وہ کہتی رہی۔ ''کاش...... تم ایک ننھے سے بچے ہوتے...... تم روٹھتے...... ضد کرتے...... میں تمہیں مناتی...... اور میں تمہارے لئے ساری کی ساری رات جاگ کر گزار دیتی۔ کاش تم......؟''

اس نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔ کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ رو رہی ہے۔ اس کے رخساروں پر بڑے بڑے آنسو ڈھلک آئے تھے۔

''ساحرہ یہ کیا کر رہی ہو تم۔ یہاں تم ایک بڑے مجمعے میں ہو۔ لوگ دیکھیں گے تمہیں۔''

وہ یک بیک اس طرح چونک پڑی جیسے ابھی تک خود کو تنہا محسوس کرتی رہی ہو۔

''میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گی۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپاتی ہوئی بولی۔ پھر اس نے

جلدی جلدی رومال سے آنسو خشک کئے اور کافی کی پیالی پر جھک گئی حمید خاموش تھا۔ اب وہ اسے حد تک سمجھ رہا تھا۔ مگر یہ بے بسی وہ اس بے چارگی میں کیوں مبتلا ہے۔ حمید سوچتا رہا اور اس کی کافی ٹھنڈی ہوگئی۔ وہ اس لڑکی کے لئے صحیح معنوں میں موم ہوگیا تھا۔ لیکن یہ سوال بھی اس کے ذہن پر برابر ہتھوڑے چلا رہا تھا کہ وہ آخر اس بے چارگی میں کیوں مبتلا ہے؟

کچھ دیر بعد ڈاکٹر سلمان وہاں پہنچ گیا۔ جسے دیکھ کر ساحرہ سچ مچ متحیر رہ گئی۔ اس نے حمید کی طرف شکایت آمیز انداز میں دیکھا۔ ڈاکٹر سلمان ان کی میز کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے ان دونوں کو باری باری سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ساحرہ کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "انہوں نے کہا تھا کہ... آپ نے اجازت دے دی ہے۔"

"کیا ہم فرانسیسی میں گفتگو کر سکتے ہیں۔" حمید نے ڈاکٹر سلمان سے انگریزی میں کہا۔

"ہاں کیا بات ہے؟" ڈاکٹر نے فرانسیسی میں کہا۔ حمید کو اس پر حیرت ہوئی۔ کیونکہ اس کا لہجہ بھی فرانسیسیوں ہی کا تھا۔

"وہاں ریکریئیشن ہال میں تاریہ کے کئی آدمی موجود ہیں۔" حمید نے کہا تھا۔

"تو پھر......!"

"میرا مطلب ہے وہ ان گھٹیا قسم کے لوگوں میں سے ہیں جن کی موجودگی یہاں حیرت انگیز ہے۔ انہیں لباس تک پہننے کا سلیقہ نہیں ہے۔"

"پھر میں کیا کروں۔" ڈاکٹر سلمان جھنجھلا گیا۔ "بس اتنی ہی سی بات کے لئے تم نے مجھے یہاں تک دوڑایا ہے۔"

"آپ پوری بات بھی تو سنئے...... مجھے شبہ ہے کہ وہ گھر سے یہاں تک میرا تعاقب کرتے ہوئے آئے ہیں۔ شبہ نہیں بلکہ مجھے یقین ہے۔"

"وہم ہے تمہارا...... آخر تم کس بناء پر اس وہم کا شکار ہوئے ہو۔"

"اس کی وجہ معقول ہے جب آپ بھوری پہاڑیوں میں تھریسیا کے آدمیوں کا مقابلہ کر رہے تھے میں نے تاریہ سے کہہ دیا تھا کہ میں نے اسے دستی بم پھینکتے دیکھا تھا؟"

"یہ تم نے کیا حماقت کی تھی۔" ڈاکٹر سلمان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اوہو مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ اس سلسلے میں کسی قسم کی حکمت عملی کو دخل دیں گے۔ میں تو سمجھا تھا کہ تاریہ کو فی الفور سزا دی جائے گی۔"

"تو پھر تمہیں اس وقت تذکرہ کرنا چاہئے تھا جب میں اسے ٹرانس میں لا کر اس سے سوالات کر رہا تھا۔"

"بس میں کیا کروں...... مجھ سے اکثر اس قسم کی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ ویسے میں نے تاریہ کو اطمینان دلا دیا تھا کہ میں ڈاکٹر سلمان سے اس کا تذکرہ نہیں کروں گا۔"

"یہ اور زیادہ احمقانہ بات تھی۔"

"وہ دیکھئے...... دراصل اسے قابو میں رکھنے کے لئے میں نے اسے یقین دلایا تھا کہ میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔ اگر وہ الفانسے کا خیال دل سے نکال دے تو میں ڈاکٹر سلمان سے اس کا تذکرہ نہیں کروں گا۔"

"اور تم نہ کرتے کیوں؟" ڈاکٹر سلمان اسے گھورنے لگا۔

"یقیناً کرتا...... مگر مجھے تو خیال تھا کہ آپ نے بھی اسے دستی بم پھینکتے ہوئے دیکھا ہوگا۔"

"تمہاری گفتگو مجھے الجھن میں ڈال رہی ہے۔ کیا میں سمجھ لوں کہ تمہارے خیالات پھر بدل رہے ہیں۔"

"قطعی نہیں...... میرے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ دوسری بات بھی میرے ذہن میں تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر تاریہ اسی طرح راہ پر آجائے تو آپ تک یہ بات کیوں پہنچائی جائے۔ تاریہ کی علیحدگی کسی حد تک تنظیم کو کمزور کر سکتی ہے۔"

"ہرگز نہیں......!" ڈاکٹر سلمان بولا۔ "تاریہ کی کیا حیثیت ہے...... تم نہیں جانتے کہ تنظیم کی پشت پر کتنی بڑی ہستیاں ہیں۔"

"مجھے علم نہیں ہے لیکن تاریہ دردسر تو بن سکتی ہے۔"

"ہاں دردسر تو بن سکتی ہے۔ اس صورت میں ہمارا مقابلہ تین مختلف پارٹیوں سے ہوجائے گا۔"

"تین......!" حمید نے حیرت سے دہرایا۔ "تین کون کون سی۔"

"تھریسیا، فریدی، تاریہ۔"

"تھریسیا اور فریدی کو آپ الگ کیوں کر رہے ہیں۔"

"حالات...... اگر تھریسیا کا تعلق فریدی سے ہوتا تو وہ کبھی مجھ پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرتی کہ تم دھوکہ دے کر ہم میں آ ملے ہو۔"

"آ...... ہاں...... یہ بات تو ہے۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ظاہر ہے کہ فریدی سے ابھی تک تمہاری ملاقات نہیں ہوئی۔"

"قطعی نہیں...... مگر پھر اس صورت میں آپ کو فریدی کا مسئلہ الگ ہی رکھنا پڑے گا۔"

"کیوں......؟"

"اگر تھریسیا فریدی ہی کی اسسٹنٹ نہیں ہے تو پھر کہنے دیجئے کہ فریدی عرصہ ہوا دوسری دنیا کے سفر پر روانہ ہو چکا ہے۔"

"میں اسے بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔"

"خیر اس بحث کو چھوڑیئے۔ میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ آپ ساحرہ کو اپنے ساتھ لے جائیے۔ میں تاریہ کے آدمیوں سے نپٹ لوں گا۔"

"تنہا......!"

"ہاں...... آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔"

"اچھا......!" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔ "میں تمہاری یہ صلاحیت بھی آزمانا چاہتا ہوں۔"

"شوق سے۔ میں اس قسم کے شکار کھیلنے کا عادی ہوں۔ اگر ان میں کوئی مارا بھی گیا تو مجھ افسوس نہ ہوگا۔"

"اٹھو......!" ڈاکٹر سلمان نے ساحرہ سے کہا۔

"میں اپنی خوشی سے نہیں آئی۔" ساحرہ گڑگڑائی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"اوہو...... آج سردی زیادہ ہے۔ اس لئے واپس چلو...... مجھے تمہارے آنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرا کر بولا۔

ڈاکٹر سلمان اسے ساتھ لے کر ہال سے نکل گیا۔ حمید کی دانست میں تاریہ کا ایک آدمی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ حمید نے وہیں بیٹھے بیٹھے مزید کافی طلب کی۔ تاریہ کا ایک آدمی وہیں موجود رہا۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ اسے ڈاکٹر سلمان سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ حمید نے اس بار کافی ختم کرنے میں تقریباً بیس منٹ لئے۔

اس کا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ اسے بہرحال نہ صرف ان لوگوں کے نرغے سے نکل جانا تھا بلکہ تاریہ کو بھی ایک اچھا سبق دینا تھا۔

کافی ختم کر کے حمید نے بل ادا کیا اور اٹھ کر ریکریئیشن ہال میں چلا آیا۔ یہاں رمبا کا دور چل رہا تھا۔ گیلریوں کی میزوں پر صرف مرد نظر آ رہے تھے ان کی تعداد بھی برائے نام ہی تھی۔ زیادہ تر رقص کر رہے تھے۔

حمید کو تاریہ کے چار آدمی بھی ایک گیلری میں نظر آئے۔ وہ گھٹیا قسم کے لوگ تھے۔ غیر تعلیم یافتہ، معمولی قسم کے لفنگے، لیکن ان کے جسموں پر قیمتی لباس تھے تاکہ اس ماحول میں کھپ سکیں۔ ورنہ انہیں نہ رقص کا سلیقہ تھا اور نہ اونچے طبقے سے رکھ رکھاؤ کا۔ اس لئے حمید کو اپنے اسی خیال پر قائم رہنا پڑا تھا جو کچھ دیر قبل اس کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ یعنی یہ لوگ وہاں اس کے چکر میں آئے تھے۔

پانچواں آدمی اب بھی اس سے تھوڑے فاصلے پر چل رہا تھا۔

حمید سیدھا اسی میز کی طرف چلا گیا جس کے گرد وہ چاروں بیٹھے ہوئے تھے۔

شائد انہیں اس کی توقع نہیں تھی۔ اس لئے ان کا بوکھلا جانا یقینی تھا۔ وہ یک بیک کھڑے ہو گئے۔

"اوہو...... بیٹھو بیٹھو......!" حمید آہستہ سے سر ہلا کر بولا اور ایک کرسی کھینچ کر اسی میز کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ چاروں بھی بیٹھ گئے۔

"اچھا ہوا تم لوگ یہاں مل گئے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "مجھے تم سے ایک کام لینا ہے۔ یہاں کچھ ایسے آدمی موجود ہیں جن سے نپٹنا ضروری ہے۔ لڑکی کو میں نے ڈاکٹر کے ساتھ گھر روانہ کر دیا ہے۔"

وہ چاروں خاموشی سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہے۔

"کیوں کیا خیال ہے...... اگر تمہیں کوئی پس و پیش ہو تو تاریہ کو فون کر دوں۔"

"ہم......!" ایک نے کھکھار کر کہا۔ "دراصل چھٹی پر ہیں جناب۔"

اتنے میں حمید نے ایک ویٹر کو بلا کر ایک بوتل وہائٹ ہارس اور پانچ گلاسوں کا آرڈر کر دیا۔

ان میں سے کئی نے اپنے ہونٹ چبائے اور زبانیں اندر کر لیں۔

"خیر......!" حمید بولا۔ "میں کوئی دوسرا انتظام کر لوں گا۔ آج نہ سہی پھر سہی۔ یا میں تنہا ہی

نپٹ لوں گا۔ تاریہ اس وقت کہاں ہوگی۔"

"پتہ نہیں جناب۔"

"گھر ہی پر ہوگی۔" دوسرے نے جواب دیا۔ جو ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بار بار گیلری کے سرے پر نظر دوڑانے لگتا تھا۔ شاید اسے ویٹر کا انتظار تھا۔

"آپ نے پانچ گلاس طلب کئے ہیں مگر ہم نہیں پئیں گے۔" پہلا بولا۔

"کیوں...... کیا تم نہیں پیتے۔"

"پیتے ہیں...... مگر اس وقت نہیں پئیں گے۔"

"تم چھٹی پر ہو۔"

"پئیں گے صاحب...... آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"کیا بکواس ہے۔" پہلے نے دوسرے کو ڈانٹا۔

"کیا......!" دفعتاً حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "تمہاری اتنی جرأت کہ میرے سامنے اونچی آواز میں بول سکو۔"

اتنے میں ویٹر ایک بڑی ٹرے اٹھائے ہوئے میز کی طرف آتا دکھائی دیا۔ جیسے ہی اس نے ٹرے میز پر رکھی وہ پانچواں آدمی بھی لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا میز کی طرف بڑھا جو ہال سے حمید کا تعاقب کرتا ہوا آ کر گیلری کے سرے پر رک گیا تھا۔

"آؤ...... آؤ......!" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "یہاں پانچ گلاس ہیں۔"

پہلا آدمی کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "اگر کسی نے بھی شراب پی تو......!"

"تو کیا ہوگا......!" حمید بھی کھڑا ہوگیا۔

"آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔" پہلا بولا۔

"ابے تیرا دماغ چل گیا ہے...... کیا...... بیٹھتا کیوں نہیں۔" دوسرے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھانے کی کوشش کی۔

لیکن اس نے جھلاہٹ میں اس کے منہ پر ہاتھ رسید کر دیا۔ وہ بلبلا کر اٹھا تو میز تیسرے آدمی پر جا رہی۔ حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا ان میں سے دو لڑ پڑے تھے اور بقیہ تین انہیں الگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن پھر انہوں نے بھی ان میں سے ایک پر ہاتھ چھوڑ دیئے۔

اس ہلڑ میں یک بیک موسیقی بند ہوگئی اور لوگ اس گیلری کی طرف دوڑنے لگے۔ رقص ختم چکا تھا۔ ایک ریلا آیا اور حمید کھسکتا ہوا گیلری کے نیچے پہنچ گیا۔

اب اسے کیا ضرورت تھی کہ خواہ مخواہ وہاں رک کر وقت خراب کرتا۔ وہ بڑی تیزی سے ڈانسنگ ہال میں آیا...... اور نہایت اطمینان سے باہر نکلا چلا گیا۔

اس کا ارادہ تو دراصل یہ تھا کہ وہ ان پانچوں کو حلق تک لبریز کر کے چپ چاپ یہاں سے نکل جائے گا لیکن حالات نے دوسرا رخ اختیار کر لیا تھا۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ حمید کو یہ رخ سب سے زیادہ پسند آیا ہو۔ ظاہر تھا کہ کچھ دیر بعد ان پانچوں کو قریبی تھانہ تک لے جانے کی زحمت تو یقیناً دی جاتی...... اور پھر جو کچھ بھی ہوتا تاریہ کے لئے خوش گوار نہ ہوتا۔

حمید نے کچھ دور چلنے کے بعد ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے تاریہ کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً جواب ملا۔ بولنے والی "تاریہ" تھی۔ حمید نے دو چار بار کھانس کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تاریہ...... میں الفانسے ہوں...... بھوری پہاڑیوں تک فوراً پہنچو۔ کسی کو ساتھ لانے کی ضرورت نہیں۔ سرائے کے پاس تمہیں ضرور موجود ہونا چاہئے۔"

پھر جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

ایک رات ایک صبح

حمید نے ٹیکسی سرائے سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر چھوڑی اور آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا سرائے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سے بہتر موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ تاریہ کو اگر ڈاکٹر سے باقاعدہ طور پر لڑا دیا جائے تو اس کے لئے ایک نئی الجھن پیدا ہو جائے گی۔ جس کا خدشہ خود اسے بھی لاحق تھا اور غالباً اسی لئے الفانسے والا واقعہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی اس نے کھلم کھلا اس کے خلاف کارروائی نہیں کی تھی۔

حمید نے اوورکوٹ کے کالر کھڑے کر لئے اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھکا لیا۔

اسے یقین تھا کہ الفانسے فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے ا
عادت کے مطابق حمید کو تاریکی ہی میں رکھنے کی کوشش کی ہو۔ بہرحال اگر فریدی ہی تھا تو وہ بھی یہ
چاہتا تھا کہ تاریہ اور سلمان آپس میں ٹکرا جائیں۔ پھر حمید ہی اس نیک کام میں پہل کیوں نہ کرتا
سوچ رہا تھا کہ اگر حالات نے کوئی دوسرا رخ اختیار کرلیا تو وہ ان دونوں کو مجبور کر دے گا کہ وہ کھ
کھلا ایک دوسرے کے مقابلے میں آ جائیں۔ فریدی سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ یہ لوگ انقلاب
تیاریاں کر رہے ہیں اس لئے انہیں آپس کی الجھنوں میں مبتلا کر دینا بہت ضروری تھا۔

سرائے کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ دور، دور تک روشنی نہیں نظر آ رہ
تھی۔ سرائے کی پشت پر کوئی کھڑکی بھی نہیں کھلتی تھی۔ اس لئے اندر کی روشنی اس طرف نہیں آ سک
تھی۔

اسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ سڑک پر کسی کار کی اگلی روشنیاں دکھائی دیں اور حمید ا
کے دائرہ انعکاس سے پیچھے ہٹ گیا۔

لیکن اس نے اوورکوٹ کی جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکال کر اسے تیزی سے تین با
روشن کر کے پھر جیب میں ڈال لیا۔

کار میں پورے بریک لگائے گئے اور وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ انجن بند ہوا۔ ہیڈ لائٹس
گل ہوئیں اور دھندلا سا سایہ حمید کی طرف بڑھنے لگا۔

"الفانسے۔" ایک تیز قسم کی سرگوشی سنائی دی۔

"تاریہ.....!" حمید نے بھی آہستہ سے کہا اور سایہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

"کیا بات ہے الفانسے۔"

"تمہارے آدمیوں نے سہیل کو قتل کر دیا۔"

"مجھے ان سے یہی توقع تھی۔"

دوسرے ہی لمحے میں تاریہ کے گال پر ایک بھرپور ہاتھ پڑا اور وہ لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ
گئی۔

"الفانسے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"چچا سہیل کہو۔" حمید ہنس پڑا۔

تاریہ پتھر کے بت کی طرح ساکت ہو گئی۔

"تم خود کو بہت چالاک سمجھتی ہو.....کیوں.....؟"

تاریہ کچھ نہ بولی۔ حمید کہتا رہا۔ "تمہارے وہ پانچوں آدمی اس وقت اپنے ہاتھ پیر گنوا بیٹھے
ہوں گے۔ تم میں عقل بالکل نہیں ہے۔ ایسے آدمی کیوں لگائے تھے میرے پیچھے جنہیں میں پہچانتا
تھا۔"

"تو کیا تم اس وقت مجھے مار ڈالو گے۔" دفعتاً تاریہ نے سوال کیا۔ حمید لہجے سے اندازہ نہ لگا
سکا کہ اس سوال کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔

"کیا نہیں مار سکتا۔" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"نہیں.....!"

"کیوں.....؟"

"کوشش کر کے دیکھ لو.....!"

اچانک حمید کو تاروں کی روشنی میں ایک دھندلی سی چمک نظر آئی۔ تاریہ کے ہاتھ میں غالباً خنجر
تھا۔

"میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گا۔" اس نے کہا۔ "بس یہ ایک تھپڑ ہی کافی ہے۔ بلکہ اس
وقت کا تھپڑ ہمارے لئے تنظیم کی طرف سے ایک چیلنج ہے۔ یعنی کہ تنظیم سے برگشتہ ہو کر تم اپنے لئے
ایک مستقل عذاب مول لے رہی ہو۔"

"میں تم سب کو دیکھ لوں گی۔"

"ضرور دیکھ لینا.....لیکن اس سے پہلے ہی میں تمہیں آگاہ کر دوں کہ ڈاکٹر سلمان کو تمہاری
حرکات کا علم ہو چکا ہے۔"

"اوہ.....ڈاکٹر سلمان.....وہ میرا کیا بگاڑ لے گا۔"

"اچھا بس اب دور ہو جاؤ۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ اگر اس وقت اس کے پاس ریوالور ہوتا تو کبھی کی اس پر فائر کر چکی ہوتی۔
لہٰذا وہ نہایت اطمینان سے سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا رہا۔

تاریہ جانے کے لئے کار کی طرف مڑی اور حمید وہیں کھڑا رہا۔

اس کی کار فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ لیکن اب حمید کو گھر تک پیدل ہی جانا تھا کیونکہ اس سنسان سڑک پر کسی سواری کے ملنے کی توقع دیوانے کے خواب سے کم نہیں تھی۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک چلتے رہنے کے بعد وہ گھر تک پہنچ گیا۔

دوسری صبح کے اخبارات میں تھری کیٹس کے ہنگامے کی خبر آئی تھی۔ پانچوں آدمی زخمی حالت میں ہسپتال پہنچا دیئے گئے تھے اور پولیس تفتیش کر رہی تھی۔ ہنگامے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ بہرحال ان پانچوں نے تو یہی بیان دیا تھا کہ وہ نشے کی حالت میں لڑ پڑے تھے۔ کلب کے ایک ویٹر کا بیان تھا کہ اس نے اس میز پر پانچ ہی آدمی دیکھے تھے لیکن جس نے وہائٹ ہارس کا آرڈر دیا تھا وہ ڈاڑھی والا تھا۔ لیکن زخمیوں میں سے ایک کے بھی ڈاڑھی نہیں تھی۔ ویسے ان پانچوں نے کسی ڈاڑھی والے کے وجود سے لاعلمی ہی ظاہر کی تھی۔

حمید بستر سے اٹھ کر ناشتے کے لئے نیچے جانے ہی والا تھا کہ ساحرہ ناشتے کی ٹرے لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ شاید وہی صبح ہی صبح اس کے کمرے میں اخبار بھی پھینک گئی تھی۔

"کیوں...... آج کیوں لائیں ناشتہ......!" حمید نے پوچھا۔

"کیا کرتی...... بھائی جان تو ہیں ہی نہیں۔" اس نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کہاں گئے۔"

"پتہ نہیں...... وہ مجھ سے کبھی نہیں بتاتے۔ میں نے تو جاتے بھی نہیں دیکھا۔"

"ہام...... بیٹھ جاؤ۔" حمید ایک طویل انگڑائی لے کر بولا۔ "پچھلی رات انہوں نے کچھ کہا تو نہیں تھا۔"

"نہیں کچھ نہیں...... لیکن تم نے انہیں وہاں کیوں بلایا تھا۔ ان سے کیا گفتگو کر رہے تھے اور پھر خود وہیں کیوں رہ گئے تھے۔ اگر بھائی جان نہ ہوتے تو میں تمہیں وہاں تنہا نہ چھوڑتی۔"

"کیوں......؟"

"بس یونہی...... وہاں بہت سی عورتیں تھیں۔ تم ان کے ساتھ ناچتے رہو گے میں تو کبھی نہ دیکھ سکتی تھی۔"

"کیوں......؟"

"پتہ نہیں کیوں...... بس نہ دیکھ سکتی۔ مجھے رات بھر نیند نہیں آئی۔ بس یہ سوچ سوچ کر غصہ آرہا کہ تم دوسری عورتوں کے ساتھ ناچ رہے ہو گے۔"

"اس میں غصہ آنے کی کیا بات ہے۔"

"مجھ سے بحث نہ کرو۔" ساحرہ جھلا گئی۔

حمید خاموش ہو گیا اور ساحرہ چائے بنانے لگی۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

"مجھے بھی ناچنا سکھا دو۔"

"نہیں سکھاؤں گا۔"

"کیوں......؟"

"بس یونہی...... میں تمہارے ساتھ نہیں ناچوں گا۔"

"آخر کیوں......؟"

"مجھ سے بحث نہ کرو۔" حمید نے ساحرہ کے لہجے کی نقل اتاری اور ساحرہ ہنس پڑی۔ کچھ دیر چپ رہی پھر بولی۔ "مجھے بھائی جان کا عجیب و غریب پیشہ بالکل پسند نہیں ہے۔"

"پھر میں وجہ پوچھوں گا تو کہو گی مجھ سے بحث نہ کرو۔ لہٰذا ایسی باتیں ہی نہ چھیڑو۔"

"نہیں میں اس پر بحث کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"کرو بحث......!"

"تم اعتراض کرو گے میرے خیال پر۔"

"کل کروں گا فی الحال چائے پیو۔ تم میرا دماغ چاٹ ڈالتی ہو۔"

"میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں گولی مار دوں اور اپنے بھی مار لوں...... وجہ نہ پوچھنا۔ بہتیری باتوں کی وجہ میرے دماغ میں نہیں آتی۔"

"مار دو گولی اور خود بھی مر جاؤ...... میں وجہ نہیں پوچھوں گا لیکن تمہیں اپنے بھائی جان کے اس طرح غائب ہو جانے پر تشویش نہیں ہوتی۔"

"نہ جانے کیوں مجھے خوشی ہوتی ہے اگر وہ مر جائیں تو اور زیادہ خوشی ہو۔"

حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا کیونکہ اس نے یہ بات سنجیدگی سے کہی تھی۔

"تم مجھے اس خیال سے بُرا بھلا کہو گے۔ میں جانتی ہوں اور بعض اوقات مجھے بھی ایسے

حالات سے نفرت معلوم ہوتی ہے مگر میں نے تمہیں حقیقت بتائی ہے۔ مجھے بھائی جان سے بڑی نفرت ہے۔"

"تم آخر مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کیوں کرتی ہو۔"

"نہیں تو......!"

"تمہیں ڈاکٹر سلمان سے نفرت ہے۔"

"ہاں مجھے ان سے گہری نفرت ہے۔ مجھے بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے انہوں نے مجھ پر کوئی بہت بڑا ظلم کیا ہو۔"

"تمہیں صرف محسوس ہوتا ہے اس لئے یہ محض وہم ہے۔"

"ہوسکتا ہے وہم ہی ہو......لیکن نفرت ہے مجھے۔"

"میں تمہیں آج تک نہیں سمجھ سکا۔" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے بیوقوف بنا رہی ہو اور کبھی تم مجھے دنیا کی سب سے زیادہ معصوم ہستی نظر آئی۔ مجھے بتاؤ کہ میں تمہیں کیا سمجھوں۔"

"جو تمہارا دل چاہے۔" ساحرہ نے لاپروائی سے کہا اور یک بیک مغموم نظر آنے لگی۔

"میں نے دو باتیں کہی تھیں۔" حمید جلدی سے بولا۔ "لہٰذا کسی ایک سے اثر لینا درست نہ ہوگا۔"

"تمہارا اور جو کچھ دل چاہے کہہ دو۔ میرے غم کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں کچھ بھول گئی ہوں جو مجھے یاد نہیں آتا۔ اسی کی الجھن کیا کم ہے اور یہ الجھن کسی دن میرا خاتمہ کردے گی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"جب میں خود ہی نہیں سمجھ سکتی تو تمہیں کیا سمجھاؤں۔"

"تم کیا بھول گئی ہو۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"کوئی بہت بڑی بات ہے جو میری لئے بہت اہم تھی...... مجھے یہی محسوس ہوتا ہے۔"

حمید سوچنے لگا کہ اگر یہ لڑکی سچ کہہ رہی ہے تو......

"دوہری شخصیت......!" کا کیس ہے۔ کیا یہ چیز ڈاکٹر سلمان کی سمجھ میں نہ آئی ہوگی۔ اگر وہ کوشش کرتا تو نفسیاتی تجزیئے کے ذریعے اس کی وجہ بھی معلوم کرسکتا تھا۔ پھر آخر وہ اسے اس طرح نظرانداز کیوں کرتا رہا۔

ساحرہ بڑبڑا رہی تھی۔ "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پہلے کبھی میرے سارے جسم پر آنکھیں ہی آنکھیں تھیں۔ آنکھیں ہی آنکھیں۔ میں نے نہ جانے کیا کیا دیکھا تھا۔ مجھے ہر چیز کی ہلکی ہلکی جھلکیاں سی نظر آتی ہیں۔ پھر قبل اس کے کہ میں انہیں سمجھ سکوں وہ میری نظروں سے غائب ہوجاتی ہیں۔"

حمید الجھن محسوس کرنے لگا۔ ایک بار اس نے سوچا کہیں یہ لڑکی اسے اُلو تو نہیں بنا رہی ہے۔ بہرحال وہ ڈاکٹر کی بہن تھی۔

ناشتہ ختم کرچکنے کے بعد بھی ساحرہ وہیں جمی رہی اور حمید نے بہت شدت سے بور ہو کر چپ سادھ لی۔

"تم کچھ بولتے کیوں نہیں۔"

"کیا بولوں؟"

"جو دل چاہے۔"

"نہیں بولوں گا۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"تو صرف میں ہی کتیوں کی طرح بھونکتی رہوں۔"

"ارے بابا......تم سے کون کہتا ہے۔"

"یعنی تم نہیں چاہتے کہ میں بولوں۔"

"تم شوق سے بولو......لیکن مجھے بولنے پر مجبور نہ کرو۔"

"یعنی میں اس قابل ہی نہیں ہوں کہ تم میری بات کا جواب دینا پسند کرو۔"

"اوہ......میرے خدا۔" حمید اپنے بال نوچتا ہوا چیخا۔ "کس وبال میں پھنس گیا ہوں۔"

"میں وبال ہوں...... ہائیں...... بولو...... میں وبال ہوں۔"

ساحرہ اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی جیسے بہت دیر سے بھری بیٹھی ہو۔

"ارے......ارے...... ہائیں۔" حمید بوکھلا کر کھڑا ہوگیا۔

"میں......وبال...... سچ مچ......اپنے گولی مار لوں گی۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ عورتوں کو روتے دیکھ کر وہ ہمیشہ نروس ہوجاتا تھا۔ پہلے تو وہ احمقانہ انداز میں اُسے چپ کرانے کی کوشش کرتا رہا پھر بے ساختہ اچھل کر وہاں سے

بھاگ نکلا۔

زینے پر ایک نوکر سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ جو اس کی فون کال کی اطلاع لے کر اس کے پاس جا رہا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ یہاں اسے فون کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔ فریدی خارج از بحث تھا کیونکہ وہ کبھی ایسی حماقت نہ کرتا۔ رہ گئی تاریہ تو شائد ایسا سوچنے کی بھی ہمت نہ کرسکتی۔"

وہ بڑی تیزی سے اس کمرے میں آیا جہاں فون رکھا ہوا تھا۔ حمید اس وقت میک اپ میں نہیں تھا۔ لیکن ڈاکٹر سلمان کے نوکر اسے سہیل کے نام سے جانتے تھے۔ انہوں نے اسے بدلی ہوئی شکل میں دیکھا تھا۔ لیکن یہ ان کے لئے کوئی حیرت انگیز بات نہیں تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ادارہ روابط عامہ میں کام کرنے والے اکثر بھیس بدل کر اپنے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔

"ہیلو.....!" حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.....کون مسٹر سہیل۔" دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز آئی۔

"ہاں.....میں ہی ہوں.....آپ کون۔"

"تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا۔"

"آ.....چھا.....پھر.....!"

"کیا میں پولیس کو مطلع کردوں کہ تم یہاں چھپے بیٹھے ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"یہ ارتھمیٹک کا کوئی سوال نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں.....بمبل بی.....لیکن.....!"

"تم نے موٹے آدمی کا سر پھاڑ دیا ہے.....اس ایکٹریس اور ہیڈ مسٹریس پر ریوالور سے فائر کئے تھے۔ پولیس آج بھی اس رپورٹ میں دلچسپی لے رہی ہے۔"

"پولیس کی اس سعادت مندی سے میں بہت خوش ہوں بمبل بی۔ مگر تم چاہتی کیا ہو۔"

"ڈاکٹر سلمان کا پتہ.....وہ یکا یک کہاں غائب ہوگیا ہے۔"

"مجھے علم نہیں.....مگر بمبل بی.....میں تمہیں قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ ویسے تمہاری آواز تو بڑی حسین ہے۔"

"میں خود بھی حسین ہوں.....تم دیکھ کر خوش ہو جاؤ گے۔"

"تو پھر کب اور کہاں۔"

"فی الحال تم مجھے ڈاکٹر کا پتہ بتاؤ۔"

"کوئی دوسری شرط پیش کرو.....بمبل بی ڈارلنگ۔ مجھے علم نہیں ہے کہ ڈاکٹر کہاں ہے۔"

"یہ معلوم کرنا ضروری ہے کیپٹن۔"

"کیوں کیا تم اس سے کوئی اچھا برتاؤ کرو گی۔"

"میں کسی سے بھی بُری طرح پیش نہیں آتی۔ ویسے پیسوں کی ضرورت ہر ایک کو درپیش رہتی ہے۔"

"تو اب ڈاکٹر پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ ہے۔"

"قطعی کیپٹن.....ہمارے اخراجات بہت وسیع ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ تم لوگوں کی کفالت کے لئے تاریہ ہی کافی ہے۔"

"نہیں کیپٹن تمہارا خیال غلط ہے۔"

اچانک حمید نے محسوس کیا کہ وہ تاریہ ہی کی آواز ہے وہ آواز بدل کر بولنے کی کوشش کررہی تھی۔ شروع میں اسے کامیابی ہوئی تھی۔ لیکن پھر اصل آواز اور لہجے کو بگاڑنا ناممکن ہوگیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اسے بولتے سنا اور رہا سہا شبہ بھی یقین میں تبدیل ہوگیا۔ کیونکہ اس بار دوسری طرف سے بولنے والی ہنسی بھی تھی اور اب تو آواز پر بالکل ہی قابو نہیں رہ گیا تھا۔ حمید نے سلسلہ منقطع کردیا۔

تاریہ نے اسے کیپٹن کہہ کر مخاطب کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اسے بھی اس کی شخصیت کا علم ہوگیا تھا۔ اچانک ایک نیا خیال حمید کے ذہن میں ابھرا.....اور اسی کی بناء پر اس نے سوچا کہ اب یہاں سے بھاگ جانا چاہئے۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ غفلت میں ٹھکانے ہی لگا دیا جائے۔

خونخوار چرواہا

وہ بڑی جلدی میں اپنے کمرے میں پہنچا۔ ساحرہ جاچکی تھی۔ اس نے اپنے کپڑے اور میک اپ کا سامان سوٹ کیس میں ٹھونسا اور ایک خط لکھنے کے لئے میز پر بیٹھ گئی۔

وہ جلدی جلدی گھسیٹ رہا تھا۔

"ڈاکٹر!

میں جلدی میں یہاں سے رخصت ہو رہا ہوں۔ ابھی تاریہ نے فون پر تھریسیا بن کر مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا تھا۔ یقیناً وہ گہری سازش کر رہی ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا ہے۔ آپ کچھ فکر نہ کیجئے گا۔ میں آپ سے وقتاً فوقتاً ملتا رہوں گا۔"

پھر اس نے نیچے سہیل لکھا اور کاغذ کو ایک لفافے میں رکھتا ہوا سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گیا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں ساحرہ سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ نہایت اطمینان سے کمپاؤنڈ میں آ گیا۔ یہاں اس نے ادارہ کے دفتر میں وہ لفافہ ڈاکٹر کے معتمد کے حوالے کیا اور خود باہر نکل گیا۔

مگر یہاں ٹیکسیاں بھی نہیں ملتی تھیں اور وہ اس وقت اپنی اصلی شکل میں تھا۔ بہر حال وہ تیزی سے چلتا رہا۔ اسے تھکن کا بھی احساس نہیں تھا۔ مسئلہ ہی ایسا درپیش تھا۔ اسے سو فیصدی یقین تھا کہ الفانسے فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ تھریسیا نے اگر اس پہاڑی پناہ گاہ میں ڈاکٹر کو اس کی اصلیت سے آگاہ کیا تھا تو یہ اسی کے حق میں بہتر تھا۔ اس طرح ڈاکٹر کو یقین آ جاتا کہ تھریسیا فریدی ہی کا کوئی اسسٹنٹ نہیں ہے۔ مگر تاریہ کو حمید کی اصلیت سے آگاہ کرنے والا فریدی یا الفانسے نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی یہ حرکت قطعی بے مقصد ہوتی اور فریدی سے بے مقصد حرکات کی توقع کرنا ہی فضول تھا کیونکہ اس کی کوئی حرکت بے مقصد نہیں ہوا کرتی۔ پھر تاریہ کو اس کی اصلیت کا علم کیسے ہوا۔ جب کہ خود ڈاکٹر ہی نے اس پر اس کا راز نہیں ظاہر کیا تھا۔ دوسری صورت یہی ہو سکتی تھی کہ اب خود ڈاکٹر ہی تاریہ کی پشت میں موجود تھا۔ یہ ناممکن بھی نہیں تھا۔ کیوں حمید نے پچھلی رات ہی ڈاکٹر کی آنکھوں میں شبہے کی جھلک دیکھی تھی۔ اس نے دراصل اس سے تاریہ سے بم پھینکنے والے واقعے کا تذکرہ کر کے سخت غلطی کی تھی۔ اسے اس مسئلے پر خاموش ہی رہنا چاہئے تھا۔ مگر وہ کرتا بھی کیا۔ حالات ہی ایسے پیش آ گئے تھے۔ اس نے تاریہ کے آدمیوں سے نپٹنے سے پہلے ساحرہ کو وہاں سے کھسکا دینا ہی مناسب سمجھا تھا ورنہ ہو سکتا تھا کہ اس کی حفاظت کرنے میں خود مارا کھا جاتا۔ پھر ڈاکٹر کو طلب کرنے کے بعد اسے یہ بھی بتانا پڑا کہ تاریہ کے آدمی اس کے پیچھے کیوں لگ گئے ہیں۔

لہٰذا ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر کو شبہ ہو گیا ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ پش فائر کے بیکار ہو جانے پر اسے

تنظیم کے مشینی کارناموں پر اعتماد ہی نہ رہ گیا ہو۔ اس نے سوچا کہ ممکن ہے حمید پر کیا جانے والا وار کامیاب نہ ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے وہ اسے دھوکا دے رہا ہو۔

اب پھر اس نے تاریہ سے گٹھ جوڑ کر کے اپنے شبہات رفع کرنے کی کوشش کی ہو۔ اور تاریہ نے تھریسیا بن کر اسے فون کیا تھا۔ اس کا یہی مقصد ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر کے متعلق حمید کے صحیح خیالات معلوم کئے جائیں۔

وہ سڑک کے نیچے اتر کر چٹانوں کی اوٹ لیتا ہوا چلتا رہا۔ سڑک ہی ایسی تھی کہ اس پر ٹیکسیوں کی آمدورفت عام طور پر نہیں رہتی تھی۔ مگر وہ سوچ رہا تھا کہ جائے گا کہاں۔ فی الحال وہ کسی ایسی جگہ قیام نہیں کرنا چاہتا تھا جہاں ڈاکٹر یا اس کے آدمیوں سے ٹکراؤ کا خدشہ ہو۔ دفعتاً اسے اس سرائے کا خیال آیا جس کے قریب پچھلی رات کو اس کی ملاقات تاریہ سے ہوئی تھی۔ اس کی دانست میں وہ ایک محفوظ جگہ تھی۔ جہاں رہ کر وہ اپنے کام جاری رکھ سکتا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ اب صرف تاریہ سے نپٹنا چاہتا تھا اور اسے یہ بھی دیکھنا تھا کہ ڈاکٹر سلمان کے متعلق اس کا خیال کس حد تک درست ہے۔

اس نے یہی طے کر لیا کہ وہ سرائے ہی میں قیام کرے گا۔ مگر دشواری یہ تھی کہ اس کے پاس معمولی قسم کا لباس نہیں تھا۔ ایسا لباس جس سے وہ سرائے کے ماحول میں کھپ سکتا۔ میک اپ کا سامان تو سوٹ کیس ہی میں موجود تھا۔ مگر لباس...... لباس کہاں سے لائے۔ ویسے لباس بھی مہیا ہو سکتا تھا لیکن اس کے لئے اسے شہر تک جانا پڑتا۔

اچانک اسے ایک چرواہا نظر آیا جو دو چار بھیڑیں ساتھ لئے تقریباً بیس بائیس فٹ کی گہرائی میں چل رہا تھا۔

حمید نے اسے آواز دی اور رکنے کا اشارہ کرتا ہوا نیچے اترنے کے لئے کوئی معقول راستہ تلاش کرنے لگا۔

چرواہا رک کر اوپر دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی حمید نیچے پہنچا اس نے چرواہے کی آنکھوں میں تمسخر کی جھلک دیکھی اور جھنجھلا گیا۔ لیکن اسے بہر حال اپنا کام نکالنا تھا۔

"مجھے پہاڑیوں سے محبت ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "اکثر سوچتا ہوں کہ کاش میں بھی چرواہا ہوتا۔ تمہارے یہ اونچے اونچے پہاڑ میرے لئے بڑی کشش رکھتے ہیں۔"

"پھر......!"

''میں تمہیں ایک گرم پتلون اور گرم قمیض دینا چاہتا ہوں۔''

''کس خوشی میں۔'' چرواہے نے پوچھا اور حمید بوکھلا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اسے اس سے اتنی اچھی اردو بولنے کی توقع نہیں تھی۔

''بس تم اپنے کپڑے مجھے دے دو اور اس کے عوض میں تمہیں ایک گرم قمیض اور ایک گرم پتلون دوں گا۔''

''اوہ..... اچھا۔'' چرواہے نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اپنی پیوند لگی ہوئی قمیض اتارنے جا رہا ہو..... لیکن..... حمید اگر اچھل کر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو.....!

چرواہے کے داہنے ہاتھ میں ایک بڑا سا چاقو چمک رہا تھا۔

''ہائیں یہ کیا.....؟'' حمید سنبھل کر بولا۔

''تم کوئی ٹھگ ہو۔''

''اچھا تو آؤ.....!'' حمید سوٹ کیس زمین پر ڈالتا ہوا بولا۔

دوسرے ہی لمحے میں چرواہے نے اس پر چھلانگ لگائی اور حمید نے ڈاج دے کر دوسری طرف نکل جانا چاہا لیکن ممکن نہ ہوا کیونکہ چرواہا کسی اڑتے ہوئے عقاب کی طرح اس پر چھا گیا تھا۔

حمید کو بھی سمجھنے کی مہلت نہ ملی کہ اسے کس طرح اتنی آسانی سے دبوچ لیا گیا تھا۔ اس نے اپنی پشت پر چاقو کی چبھن محسوس کی، وہ دم بخود ہو گیا۔

''بس.....!'' چرواہے نے قہقہہ لگایا۔ ''اسی بساط پر دنیا فتح کرنے نکلے تھے سکندر اعظم۔''

دفعتاً حمید کو تاریہ اور ڈاکٹر سلمان کا خیال آیا۔

''میں تو مذاق کر رہا تھا دوست.....!'' حمید بڑبڑایا۔ ''تم ذرا یہ چاقو ہٹاؤ تو بتاؤں تمہیں کہ۔''

''کیا بتاؤ گے..... یہی نا کہ ابھی خوبصورت لڑکی کے پہلو سے اٹھ کر آ رہے ہو۔''

''تم کون ہو میرے دوست۔''

''تمہاری عقل کا پتھر..... عورتوں کی صحبت اسی طرح دماغ ماؤف کر دیتی ہے۔'' وہ اسے چھوڑ کر ہنستا ہوا بولا اور اس بار حمید اس کی آواز پہچان سکا۔ وہ فریدی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا جو حمید کو چشم زدن میں اس طرح بے بس کر دیتا۔

''اور آپ بھیڑیں چرا رہے ہیں..... ہاہا۔'' حمید نے ایک طویل اور ہذیانی سا قہقہہ لگایا۔

''ابھی تمہاری موت بہت دور ہے۔ اسی لئے میں بھیڑیں چرا رہا تھا۔ میری بجائے اور کوئی ...ا تو تم کہیں اور ہوتے۔ کیا اتنے دنوں تک تم محض مکھیاں مارتے رہے ہو۔ خدا کی قسم اس وقت ...ایک تھرڈ ریٹ لفنگے سے زیادہ نہیں معلوم ہوتے۔ ایڈیٹ.....!''

''آپ نہیں جانتے کہ میں کس مشکل میں پھنس گیا ہوں۔''

''سوائے اس کے کہ تمہاری کسی نادانی کی بناء پر بساط الٹ گئی ہوگی اور کیا ہو سکتا ہے۔ مجھے ...م ہے کہ سرائے کے پاس والے واقعے کے بعد تاریہ نے ڈاکٹر سلمان سے ایک طویل گفتگو کی ...ی۔''

''کی تھی نا.....؟'' حمید چہک کر بولا۔ پھر کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''جو کچھ بھی ہوا ٹھیک ہی ہوا۔ مجھے موجودہ مہم میں تمہاری ضرورت محسوس ہوگی..... چلتے رہو۔''

حمید نے محسوس کیا کہ فریدی کسی پیشہ ور چرواہے کی طرح بھیڑوں کو ہانکتا ہوا چل رہا ہے۔ شائد ایک چرواہا بھی اسے سوانگ کہنے پر تیار نہ ہوتا جس کی عمر ہی اس پیشے میں گزری ہو۔

وہ چلتے رہے۔ پھر ایک جگہ فریدی رک گیا۔ یہاں چاروں طرف کافی اونچی چٹانیں تھیں اور جگہ زیادہ کشادہ نہیں تھی۔

فریدی نے اپنے پشت سے ایک وزنی تھیلا اتارا اور ایک پتھر کے ٹکڑے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''تم اپنے کپڑے اتار دو..... میں تمہیں دوسرا لباس دوں گا..... ویسا ہی جیسا تم چاہتے تھے..... اس کے بعد ہم اطمینان سے گفتگو کر سکیں گے۔''

''مگر یہ بھیڑیں.....!''

''ہماری گفتگو میں دخل نہیں دیں گی۔ تم مطمئن رہو۔ یہ صرف سنسکرت ہی بول سکتی ہیں۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ فریدی نے تھیلے میں سے کپڑوں کا جوڑا نکالا۔ وہ بھی اسی قسم کا تھا جیسا فریدی کے جسم پر موجود تھا۔

ساری تیاریاں مکمل ہو جانے کے بعد حمید کا سوٹ کیس ایک چھوٹے سے غار میں چھپا دیا گیا۔ حمید نے جو جوتے پہن رکھے تھے فریدی نے چاقو سے انہیں چھیل چھیل کر بدوضع کر دیا اور اب وہاں ایک کے بجائے دو چرواہے نظر آ رہے تھے۔

حمید کے چہرے پر ایک بے ڈھنگی سی ڈاڑھی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

ان کا سفر بھی شروع ہوگیا۔ چٹانیں دھوپ میں سڑ رہی تھیں۔ اس سنسان ویرانے کا سناٹا بڑا پرہول معلوم ہورہا تھا۔

فریدی کے ایماء پر حمید نے تاریہ کی داستان چھیڑ دی اور جب وہ ساری تفصیلات ختم کر چکا تو فریدی نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "تم نے اچھا کیا کہ وہاں سے چلے آئے ورنہ ہوسکتا تھا کہ تمہیں کسی دوسرے مشینی تجربے کا شکار ہوجانا پڑتا۔ کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ ڈاکٹر کسی خاص طریقے سے تمہاری ذہنی حالت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا۔"

"مگر جناب...... ہم جا کہاں رہے ہیں۔"

"پرواہ مت کرو۔"

"سچ کہتا ہوں میرے لئے یہ پیشہ بھی بڑا شاندار رہتا۔" حمید بھیڑوں کی طرف اشارہ کرکے بولا۔

"تمہیں اس کا سلیقہ بھی نہیں ہے فرزند...... تم ان سات بھیڑوں کو بھی کنٹرول میں نہیں رکھ سکتے۔"

"میں ایک اریسٹوکریٹ فیملی کا فرد ہوں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

فریدی کچھ نہیں بولا۔ وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ بھی تھی۔ اس کی پشت پر ایک وزنی سا تھیلا تھا جس میں اب حمید کے سامان کا بھی اضافہ ہوگیا تھا۔

کچھ دیر بعد حمید بہت شدت سے بوریت محسوس کرنے لگا۔ پہاڑی راستوں پر مسلسل چلتے رہنا آسان کام نہیں۔ حمید کا سارا جسم پسینے میں ڈوب گیا تھا۔

آخر ایک جگہ وہ بیٹھتا ہوا بولا۔ "دو بھیڑیں مجھ پر سوار کردیجئے تنہا نہیں چلا جاتا۔"

"بس......!" فریدی مسکرایا۔ "عورتوں کی ہم نشینی سے خدا ہر شریف آدمی کو محفوظ رکھے۔"

"بلکہ خدا کسی مرد کو عورت کے بطن سے پیدا نہ کرے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

فریدی پھر ہنسنے لگا۔ وہ بہت اچھے موڈ میں معلوم ہوتا تھا۔

"الفانسے......!" حمید دانت پیس کر بڑبڑایا اور فریدی ہنستا ہوا اس کے برابر ہی بیٹھ گیا۔

"تم پر الفانسے...... اس بُرے طرح کیوں سوار ہے۔"

"تنظیم سے تعلق رکھنے والے ہر فرد پر الفانسے اسی طرح سوار ہے۔"

"خیر...... تنظیم سے نپٹنے کے بعد ان لوگوں سے بھی سمجھوں گا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید کا منہ اور زیادہ بگڑ گیا تھا۔

"آپ کے تھیلے میں میرا پائپ اور تمباکو کی پاؤچ ہے۔"

"اسے احتیاط سے رکھوں گا...... مطمئن رہو۔ اپنے چرواہے پائپ نہیں چلم پیا کرتے ہیں اور اب ہم جہاں جانے والے ہیں وہاں تمباکو عنقا ہے۔ اس لئے ویسے بھی اسے احتیاط سے خرچ کرنا پڑے گا۔ میرے پاس تو تقریباً ڈھائی سو سگار ہیں۔"

"مگر آپ یہ نہ بتائیں گے کہ ہم کہاں جارہے ہیں۔"

"تم اسے اپنی روحانی زبان میں خوابوں کی سرزمین بھی کہہ سکتے ہو۔"

"میں اب کچھ نہیں پوچھوں گا......" حمید نے بیزاری سے کہا اور اپنی مصنوعی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ بھیڑیں ادھر اُدھر بھاگتی پھر رہی تھیں اور فریدی اپنے حلق سے طرح طرح کی آوازیں نکال کر انہیں اپنی طرف متوجہ کررہا تھا۔

یک بیک بے تحاشہ ہنسنے لگا پھر بولا۔ "خدا بداعمالیوں کی سزا اسی طرح دیتا ہے۔ لاکھوں کا آدمی بھیڑیں چرا رہا ہے۔"

فریدی ایک خشک سگار توڑ کر اس کی تمباکو کو ننھے ننھے ٹکڑوں میں تبدیل کررہا تھا۔

پھر اس نے جیب سے مٹی کی ایک چھوٹی سی چلم نکال کر اس میں وہی تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

"میں لاکھوں کا آدمی ہوں لیکن بعض اوقات مجھے یہ تبدیلیاں بہت ہی حسین اور پرکشش معلوم ہوتی ہیں۔ کاش تم اس وقت میرے ذہن میں جھانک سکتے۔"

"میں صرف لڑکیوں میں جھانکنا پسند کرتا ہوں۔"

"اور ایسے غبار سے پھٹتے ہیں جن سے تمہارے حلق تک سیاہی بھر جاتی ہے۔"

"ایسے مواقع پر آپ ذہن میں جھانکنے کی کوشش کریں۔" حمید نے کہا۔ پھر یک بیک سنجیدہ نظر آنے لگا۔ دراصل لیش فائر اور الفانسے والا واقعہ یاد آگیا تھا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ کوئلے کے مجسمے کس طرح عالم وجود میں آتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے اچھی طرح علم ہے۔" فریدی نے کہا اور چلم میں رکھے ہوئے تمباکو کو جلانے لگا۔

"لیکن میں نے اس حربے کو بے کار ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔"

"تم پیش فائر کی بات کر رہے ہو۔"

"اوہ۔۔۔ آپ نام سے بھی واقف ہیں۔"

"کیوں۔۔۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ میں اتنے دن جھک نہیں مارتا رہا۔"

"کیا آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں صرف جھک مارتا ہوں۔" حمید پھر جھنجھلا گیا۔ وہ دراصل اس سے اعتراف کرانا چاہتا تھا کہ تھریسیا بمبل بی اس کی اسسٹنٹ ہے۔"

"مجھے علم ہے تم صرف جھک مارتے رہے ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم شاید یہ بھی نہ بتا سکو کہ ڈاکٹر سلمان نے تاریہ کی غداری سے واقف ہو جانے کے باوجود بھی اسے ختم کیوں نہیں کر دیا۔"

"مجھے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں تو ملکہ کائنات کے چکر میں تھا اور اس فکر میں تھا کہ کسی طرح زمین دوز دنیا کا راستہ معلوم ہو جائے۔"

"لیکن ان دونوں میں سے ایک بھی نہ ہو سکا۔ ہاتھ آئی ڈاکٹر کی بہن اور تم اسے نائٹ کلبوں میں لئے پھرتے رہے۔"

"اوہ۔۔۔ وہ۔۔۔ کاش میں اس کے متعلق کچھ معلوم کر سکتا۔"

"کیوں۔۔۔؟"

حمید نے اسے ساحرہ کے متعلق بتایا۔ لیکن فریدی نے اس پر رائے زنی نہیں کی۔ اس کے تذکرے کے ختم ہوتے ہی وہ پھر تاریہ اور ڈاکٹر سلمان کے تعلقات کے متعلق گفتگو کرنے لگا۔

"تاریہ آج بھی کیوں محفوظ ہے بتا سکتے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ سلمان کو اس پر ملکہ کائنات ہونے کا شبہ ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"بکواس۔۔۔!" فریدی بولا۔ "پیش فائر تاریہ کے قبضے میں ہے۔ ڈاکٹر سلمان اسے حاصل کئے بغیر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔ لیکن تم نے اپنی حماقتوں کی بناء پر انہیں پھر یکجا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر سلمان کو تم پر ذرہ برابر بھی اعتماد نہیں رہ گیا۔ اب اس سے دور ہی دور رہنا۔"

"دیکھا جائے گا۔۔۔ میں تو اب تھریسیا کے چکر میں ہوں۔"

"فضول۔۔۔ اس سے تمہیں کچھ بھی نہیں حاصل ہو سکے گا۔"

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ کو اس کا بھی علم ہوگا کہ الفانسے نے کس طرح پیش

...بے کار کر دیا تھا۔"

"ہاں مجھے اس کا بھی علم ہے۔"

"اس پر اس حیرت انگیز حربے کا اثر کیوں نہیں ہوا تھا۔"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔"

"بہرحال آپ اعتراف نہیں کریں گے۔"

"کس بات کا۔"

"یہی کہ الفانسے کا رول آپ ہی ادا کرتے رہے ہیں۔"

"ہم حقائق سے دوچار ہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "کوئی جاسوسی ناول نہیں اسٹیج کر رہے ہیں۔ ...اب اٹھو۔۔۔ ہمیں ابھی بہت چلنا ہے۔"

فریدی نے چلم کی راکھ ایک طرف جھاڑ کر اسے جیب میں ڈال لیا۔

اور یہ سفر پھر جاری ہو گیا۔ شام ہوتے ہوتے وہ اسی جگہ پر پہنچ گئے جہاں ایک بار حمید کو ایک تجربے سے دوچار ہونا پڑا تھا اور جس کے نتیجے کے طور پر اسے زمین دوز دنیا کی سیر کرنی پڑی ...۔ وہ سوچنے لگا کہ فریدی نے اس کا راستہ معلوم کر لیا ہے۔ لیکن فریدی کسی سوال کا جواب دینے پر ...نہیں تھا۔ دوسری بار سفر شروع کرنے سے اب تک وہ خاموش رہا تھا یا قطعی غیر متعلق گفتگو کی تھی۔

سورج غروب ہو رہا تھا اور خنکی بھی بڑھ گئی تھی۔ فریدی نے بھیڑیں ایک غار میں ہانک دیں ...حمید کو اس کی پتلی سی دراڑ کی طرف بڑھنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ اسی دراڑ میں داخل ہو رہے تھے جہاں کچھ دنوں پہلے ان دونوں نے الگ الگ ...اتوں پر زندگی کی بقاء کے لئے جدوجہد کی تھی۔ ایک بار پھر وہ اسی گہری تاریکی میں تھے جس نے ...ان دو مختلف جہانوں کی سیر کرائی تھی۔ فریدی تو حمید کے تجربات سے واقف تھا لیکن حمید اس کے ...تجربے سے لاعلم تھا۔

شکار گاہ

فریدی حمید کا ہاتھ پکڑے چلتا رہا۔ وزنی تھیلا اب بھی اس کی پشت پر موجود تھا۔ اس۔
ٹارچ روشن نہیں کی تھی۔ اپنے سابقہ تجربات اور یادداشت کی مدد سے وہ اندھیرے میں آگے بڑ
رہا۔

پھر وہ اس جگہ پہنچے جہاں سے اترائی شروع ہوئی تھی۔ یہاں فریدی نے اپنی ننھی سی ٹار
روشن کی۔ حمید نیچے اترنے لگا۔ مگر اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

"کیا آپ نے ان کے تہہ خانوں کے راستے کا پتہ لگالیا ہے۔" اس نے سرگوشی کی۔

"بس چپ چاپ چلتے رہو۔ یہاں گفتگو کا موقع نہیں ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

وہ چلتے رہے پھر حمید نے پانی بہنے کی آواز سنی۔

یہاں پھر فریدی نے ٹارچ روشن کی۔ پہاڑی نالا زور شور کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ فریدی۔
درمیان میں ابھری ہوئی چٹان پر روشنی ڈالی اور آہستہ سے بولا۔ "کیا تم اتنی لمبی چھلانگ لگا سکتے ہو۔"

"ہاں مگر ٹانگوں میں ہاف ڈنکی پاور کا انجن لینے کے بعد۔ اتنی تھکن کے بعد آپ مجھ سے ا
کی توقع رکھتے ہیں۔ دنیا کا ہر آدمی فریدی نہیں ہو سکتا۔ مگر نہیں ٹھہریئے میں کوشش کروں گا۔ کیونکہ
کھیل میری ہی ذات سے شروع ہوا تھا۔ نہ میں روحی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا اور نہ
مصیبت نازل ہوتی۔"

"کھیل ہر حال میں شروع ہوتا حمید صاحب۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ سیاہ مجسمے والا واقعہ مجھے ا
طرف متوجہ نہ کرلیتا۔ اصل واقعہ تو اسی مجسمے سے شروع ہوتا ہے۔ یہ بات اور ہے کہ تم بھی نادانستہ
میں انہیں لوگوں سے جا کر ٹکرائے ہو۔"

"کیا آپ نے محکمے کو ان واقعات سے آگاہ کر دیا ہے۔"

"ہرگز نہیں...... میں کھیل نہیں بگاڑنا چاہتا اور محکمے کو آگاہ کر دینے کی صورت میں کسی ایک
لغزش سارا کھیل بگاڑ سکتی ہے۔ پھر کیوں نہ میں ایسے آدمیوں سے کام لوں جن کے متعلق کوئی کچھ
نہیں جانتا۔"

"میں نہیں سمجھا...... آپ کن آدمیوں کا تذکرہ کر رہے ہیں۔"

"میری بلیک فورس کے آدمی۔"

"آپ ان سے کام لے رہے ہیں۔"

"قطعی۔ میں نے اسی تنظیم کے مقابلے پر ایک نئی تنظیم پیدا کی ہے۔"

"جس کی سربراہ تھریسیا بمبل بی ہے...... کیوں؟"

"تھریسیا بُری طرح تمہارے ذہن پر سوار ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"اور اس وقت تک سوار رہے گی جب تک آپ اس کی عمر کم از کم پینسٹھ سال نہ ثابت
کر دیں۔"

"ختم کرو......!" فریدی بیزاری سے کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "چلو لگاؤ چھلانگ تم
اتنے کمزور بھی تو نہیں ہو۔"

حمید نے ایک بار پھر فاصلے کا اندازہ لگایا۔ اتنی لمبی چھلانگ تو وہ مرنے سے ایک گھنٹہ قبل بھی
لگا سکتا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اس چٹان پر تھا۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ فریدی
اس وزنی تھیلے سمیت چھلانگ لگا سکے گا۔ فریدی نے ایک بار پھر ٹارچ روشن کی۔ حمید نے اسے بجھتے
دیکھا اور پھر اسے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ فریدی کب اس کے پاس پہنچ گیا۔

اب اس کی ٹارچ کی روشنی دوسرے کنارے پر پڑ رہی تھی۔

"چلو...... شاباش...... اب پھر چھلانگ لگاؤ۔ اس کے بعد پھر کوئی ایسی دشواری نہیں پیش
آئے گی۔" اس نے کہا۔

حمید نے ٹارچ کی روشنی میں پھر چھلانگ لگائی اور دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ جب فریدی
بھی دوسرے کنارے پر پہنچ گیا تو حمید ہانپتا ہوا بولا۔ "اب ایک قدم بھی نہیں۔ کم از کم ایک گھنٹہ
آرام کے بعد...... میں نے صبح معمولی سا ناشتہ کیا تھا اور اس کے بعد اب تک......!"

"بس تھوڑی ہی دور۔" فریدی اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اس کے بعد ہم آرام بھی کریں گے
اور شاید پھر پیدل بھی نہ چلنا پڑے گا۔"

حمید نے ایک طویل سانس لی اور پھر چل پڑا۔ اب اس میں بڑبڑانے کی بھی سکت نہیں رہ گئی
تھی۔

کچھ دیر بعد چڑھائی شروع ہوگئی۔ حمید فریدی کی ہدایت پر اس کے کرتے کا پچھلا حصہ پکڑے آگے بڑھتا رہا۔ یہاں اس نے ایک بار بھی ٹارچ نہیں روشن کی تھی۔

آخر ایک جگہ فریدی رک گیا اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے حمید نے اپنے کپڑوں میں پھڑپھڑاہٹ محسوس کی وہ ایک بڑے سوراخ کے سامنے کھڑے تھے جس سے تاروں بھرا آسمان نظر آرہا تھا۔

"چلو......!" فریدی نے اشارہ کیا اور وہ دونوں دوسرے ہی لمحے کھلے آسمان کے نیچے آگئے اور حمید کا جسم سردی کی شدت سے کانپنے لگا۔

اب پھر اترائی شروع ہوگئی تھی۔ حمید آخری نچلی چٹان پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔

"خیر......!" فریدی بھی بیٹھتا ہوا بولا۔ "مگر یہاں......نہ تم لباس تبدیل کرسکتے ہو اور نہ تمہارا پیٹ ہی بھر سکتا ہے۔"

"اور نہ ہی دفن ہوسکتا ہوں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "کیونکہ زمین پتھریلی ہے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "تم اس وقت ایک کلاسیکل قسم کی بیوی معلوم ہو رہے ہو جو اپنے شوہر کی لاپرواہیوں اور ناعاقبت اندیشیوں کا شکار ہوگئی ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ زیادہ بولنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے بولنے سے تھکن اور زیادہ بڑھ جائے گی۔

"چلو اٹھو......!" فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "وہ سامنے جو چٹانیں نظر آرہی ہیں وہاں ہم کافی دیر تک آرام کریں گے۔ فاصلہ آدھے فرلانگ سے بھی کم ہے۔"

"چلئے......!" حمید بے بسی سے بولا اور اٹھ کر لنگڑاتا ہوا چلنے لگا۔

"ویسے کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس وقت کس سرزمین پر ہو۔"

"شامت آباد......میں......!" حمید کا مختصر سا جواب تھا۔

وہ کسی نہ کسی طرح فریدی کا ساتھ دیتا رہا۔ اگر اس کا معدہ بالکل ہی خالی نہ ہوتا تو شاید وہ اتنی ابتر حالت کو کبھی نہ پہنچتا۔

پھر وہ چٹانوں میں داخل ہوئے جن کی طرف فریدی نے بڑی ٹارچ روشن کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے یہاں کسی خاص جگہ کی تلاش ہو۔ حمید خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ اچانک کہیں

ب ہی سے کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے گھوڑے اکثر اپنی باچھوں سے نکالتے ہیں۔ فریدی چونک کر اسی طرف مڑا۔ اس کے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے۔ حمید بھی ساتھ دیتا رہا۔ لیکن اب اس کی ی کسی حد تک ختم ہوگئی تھی۔ کیونکہ اسے کسی نئے اور خوش گوار واقعے کا خدشہ لاحق ہوگیا تھا۔

گھوڑے کی فرفراہٹ پھر سنائی دی اس بار آواز بہت قریب کی تھی اور سمت کا تعین بھی وثوق کے ساتھ کیا جاسکتا تھا۔ ٹارچ کی روشنی کا دائرہ ایک غار کے دہانے میں رینگ گیا اور پھر ان دونوں نے بھی اس کی تقلید کی۔

غار کافی کشادہ تھا۔ وہاں حمید کو گھوڑا نظر آیا جس پر زین موجود تھی۔ اس نے شبہ بھری نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ لیکن فریدی کو اطمینان سے تھیلا اتار کر ایک طرف ڈالتے دیکھ کر اسے رت ہوئی۔ گھوڑے کی گردن میں رسی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی چند منٹ کے لئے اسے اں چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہو اور اب اس کی واپسی یقینی ہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اسے کہیں باندھ کر گیا ہوتا۔

"بیٹھ جاؤ......!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "فی الحال یہی ہماری منزل ہے۔"

"اور یہ گھوڑا۔"

"یہ گھوڑا ہمیں منزل مقصود تک لے جائے گا۔"

حمید ایک طویل سانس لے کر بیٹھ گیا۔ فریدی گھوڑے کے قریب جا کر اس کی پیٹھ تھپتھپانے لگا۔ گھوڑے نے زمین پر ٹاپیں ماریں۔ لیکن اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

پھر فریدی حمید کے پاس آبیٹھا۔ وہ اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے وہاں دو مومی شمعیں روشن کر دیں۔ پھر تھیلے سے کھانے کا سامان نکالا۔ تھیلے میں پانی کی بوتل اور کافی کا تھرماس بھی تھا۔

"میں اب آپ سے یہ بھی نہ پوچھوں گا کہ جہنم کا راستہ ہے یا جنت کا۔" حمید کھانے پر ٹوٹتا ہوا بولا۔

"ذرا سنبھل کر فرزند۔" فریدی مسکرایا۔ "ابھی ہمیں پھر سفر کرنا ہے۔"

"فکر نہ کیجئے۔" حمید منہ چلاتا ہوا بولا۔ "اب میں گھوڑے کی دم میں لٹک کر بھی سفر جاری رکھ سکتا ہوں۔"

فریدی نے صرف تین ٹھنڈی پائیاں کھائیں اور پانی کے دو گھونٹ لینے کے بعد تھرماس سے کافی انڈیلنے لگا۔

حمید دل نہیں بلکہ معدہ کھول کر کھاتا رہا۔

کچھ دیر بعد وہ کافی ختم کر کے پائپ سلگانے لگا۔ پھر دو تین ہی کش اسے عالم بالا میں لے گئے۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے تمباکو کے کش لینے کی بجائے چرس کے دم لگائے ہوں۔ اس کی پلکیں وزنی ہو کر نیچے جھکتی جا رہی تھیں اور سر ہوا میں اڑ رہا تھا۔ فریدی اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"اگر تم خود کو سمجھنے کی کوشش کرو تب بھی کام کے آدمی ہو سکتے ہو۔" اس نے کہا۔

"میں...... میں......!" حمید نے زبردستی آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ "خود کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔"

"جسمانی تھکن کی حالت میں اگر زیادہ ٹھہرو تو بس سو ہی جانے کو دل چاہتا ہے۔"

"ارے تو کیا سو جانا حرام کاری ہے۔" حمید ہاتھ نچا کر بولا۔ "نیند آئے گی تو سو ہی جاؤں گا۔"

"میں تم پر گھوڑا چڑھا دوں گا...... سمجھے۔"

"یہی مناسب بھی ہے۔ ورنہ میرے چڑھنے کے لئے دوسرا گھوڑا کہاں سے آئے گا۔"

"تم اس وقت وادی کراغال میں ہو فرزند......!"

"میں اس وقت عدنان کی جنت میں بھی ہوں تو مجھے سونے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔"

"خیر......!" فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔ "تب تمہارا جسم گولیوں سے چھلنی ہو جائے تو آواز دینا۔ اگر میں زندہ ہوا تو دو لاتیں میں بھی رسید کر دوں گا۔"

"کر دیجئے گا۔" حمید نے پائپ کی راکھ ایک طرف جھاڑتے ہوئے کہا۔ پھر ایک چٹان سے ٹک کر آنکھیں بند کرتا ہوا بولا۔ "شب بخیر۔"

"کیا تم نے نہیں سنا کہ ہم وادی کراغال میں ہیں۔" فریدی نے اس کے بال پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"کہاں......!" حمید یک بیک سیدھا ہو کر بیٹھتا ہوا بولا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے پہلے اس نے سنا

ہی نہیں۔

"وادی کراغال میں۔"

"ارے باپ رے۔" حمید کی آنکھیں پھیل گئیں اور ان میں نیند کا سایہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں...... یہاں تمہیں ہر ہر قدم پر محتاط رہنا پڑے گا۔"

"مگر آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔"

"ایک لمبی داستان ہے۔"

"اور اب میں کسی داستان میں دلچسپی نہ لے سکوں گا۔"

"کیوں......!"

"میں نے کراغال اور کراغالیوں کے متعلق بہت کچھ سن رکھا ہے۔"

"میرا پہلا سفر نہیں ہے حمید صاحب۔"

"یعنی آپ پہلے بھی یہاں آ چکے ہیں۔"

"نہ صرف یہاں آیا ہوں بلکہ یہاں کے حکمران کا مہمان بھی رہا تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ کراغال کے متعلق عام طور پر مشہور تھا کہ وہاں کے باشندے اپنی زمین پر کسی غیر کا وجود نہیں برداشت کر سکتے۔

"تمہیں اس لئے حیرت ہے کہ وہ اجنبیوں کو کراغال میں داخل نہیں ہونے دیتے۔"

"ہاں...... میں نے یہی سنا ہے اور وہ سو فیصدی درندے ہیں۔"

"غلط سنا ہے تم نے...... وہ کافی مہذب ہیں۔ ویسے اتنے چالاک بھی نہیں ہیں کہ اپنی درندگیوں کو فلسفے یا سائینٹیفک نظریات کی چادر میں لپیٹ کر پیش کریں۔"

"تو کیا یہ غلط ہے کہ وہ اجنبیوں کو مار ڈالتے ہیں۔"

"قطعی درست ہے...... وہ یقیناً مار ڈالتے ہیں۔"

"اوہو...... تو پھر آپ کسی کراغالی کے بھیس میں رہے ہوں گے۔"

"ہرگز نہیں...... میں اپنی اصلی حیثیت میں ان لوگوں تک پہنچا تھا۔" فریدی نے کہا اور پھر اپنے کراغال پہنچنے کا واقعہ دہرانے لگا۔ حمید کی آنکھیں بار بار حیرت سے پھیل جاتی تھیں۔ پھر فریدی موجودہ حالات کی طرف گریز کرتا ہوا بولا۔ "آج ہی مجھے خانم نے ٹرانسمیٹر پر اطلاع دی ہے کہ وہ

بہت بڑے خطرے میں گھری ہوئی ہے اور نہیں کہہ سکتی کہ آنے والے لمحات اس کے لئے کیسے ہوں گے۔"

"بغاوت......!" حمید بولا۔

"ہوسکتا ہے خان ضیغم جو خانم کے شوہر کا بھتیجا ہے خود حکومت کی باگ ڈور سنبھالنا چاہتا ہو۔ خان کا سیاہ مجسمہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ خانم کا بیان ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور اس راز سے واقف نہیں۔ دوسری طرف یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خان مرحوم خان عیسیٰ خان کے خلاف کوئی کراغال میں سر بھی نہیں اٹھا سکتا۔ لہٰذا اب سر اٹھانے والا لازمی طور پر جانتا ہے کہ خان عیسیٰ اس سے باز پرسی کے لئے اس دنیا میں واپس نہیں آئے گا۔ اگر وہ یہ جانتا ہے تو پھر اس میں شبہ نہ کرنا چاہئے کہ وہ خان عیسیٰ کے قاتلوں سے ملا ہوا تھا اور خان عیسیٰ کے قاتل کون ہوسکتے ہیں یہ وہ سیاہ مجسمہ ہی بتا سکتا ہے۔ اس لئے یہ سو فیصدی فریدی کا کیس ہے حمید صاحب۔"

"ٹھیک ہے......مگر صرف ہم دو آدمی کیا کرسکیں گے۔"

"یہ میں نے کبھی نہیں سوچا کہ میں تنہا کیا کرسکوں گا یا کیا نہ کرسکوں گا۔"

"کم از کم مجھے تو سوچنے دیا کیجئے۔"

"ہم دونوں وحدت بناتے ہیں۔ تم میرے ہی جسم کا ایک حصہ ہو۔ کیا سمجھے۔"

"آپ کے یہ مسائل تصوف مجھے کسی دن جہنم میں تو پہنچا ہی دیں گے۔"

"اور وہاں تمہیں دنیا کی حسین ترین عورتیں ملیں گی پھر کس بات کا غم ہے۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ لیکن اب وہ زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس نے آج تک موت کے جبڑوں میں بھی فریدی کا ساتھ دیا تھا۔ ویسے نہ وہ اس کی طرح ذہین تھا اور نہ اس کی سی قوت رکھتا تھا۔ لیکن یہ بات ضرور تھی کہ فریدی کی موجودگی میں اس کی خود اعتمادی میں فرق نہیں آنے پاتا تھا۔ اس کے ساتھ اسے یہی محسوس ہوتا کہ وہ دونوں مل کر ایک بار موت کا منہ بھی پھیر دیں گے۔

حمید نے فریدی سے اس گھوڑے کے متعلق پوچھا۔

"یہ گھوڑا شاہی اصطبل کا ہے اور خانم نے اسے پوشیدہ طور پر میرے لئے بھجوایا ہے۔ مجھے چونکہ تنہا یہاں آنا تھا اس لئے ایک ہی گھوڑا آیا ہے۔ تم تو اتفاقاً مل گئے تھے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میں

تمہاری طرف سے غافل تھا۔ آج بارہ بجے تک تمہیں کسی نہ کسی طرح اس کا علم ہوجاتا کہ اب تم کو ڈاکٹر سے ہوشیار رہنا چاہئے۔"

"کس طرح علم ہوجاتا۔"

"بس ہوجاتا......کیا یہ سمجھتے ہو کہ رام گڈھ میں اس وقت بھی کام نہ ہو رہا ہوگا۔"

"کیا انور سے بھی کام لے رہے ہیں۔"

"ہاں......اور رشیدہ بھی کام کررہی ہے۔"

"رشیدہ......!" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ "آہا......تب تو۔"

"کیا......؟"

"رشیدہ......افوہ......میں کتنا احمق ہوں۔ تھریسیا رشیدہ کے علاوہ اور کون ہوسکتی ہے۔"

"پھر تھریسیا۔"

"خیر......چھوڑیئے......ہاں تو......" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اب ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"سب سے پہلے ہم حالت درست کریں گے۔" فریدی نے جواب دیا اور اپنی بے ڈھنگی سی ڈاڑھی کے بال چہرے سے الگ کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ دونوں اپنی اصلی حالت پر آگئے لیکن فریدی شاید اصلی حیثیت میں یہ سفر نہیں جاری رکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس نے پھر میک اپ کا سامان نکال لیا تھا۔ اس نے تھیلے سے تین شمعیں نکالیں اور انہیں بھی روشن کردیا۔ غار میں کافی روشنی پھیل گئی تھی۔ اسی روشنی میں آئینہ سامنے رکھ کر وہ پھر میک اپ کرنے لگا۔ حمید کے چہرے پر بھی اس نے خفیف سی تبدیلیاں کیں۔ بہرحال وہ دونوں خدوخال کے اعتبار سے کراغالی ہی معلوم ہو رہے تھے اور انکے جسموں پر پھٹے پرانے لباس کی بجائے انکے اپنے گرم سوٹ تھے۔

"کیا کراغالی سوٹ پہنتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"اکثر لوگوں کو میں نے سوٹ میں بھی دیکھا ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔ "معززین اور شاہی خاندان کے افراد عموماً سوٹ پہنتے ہیں اور غالباً یہ عیسیٰ خان کی جدت بھی تھی۔ تمہیں یہ سن کر اور زیادہ حیرت ہوگی کہ عیسیٰ خان نے انگلینڈ میں تعلیم حاصل کی تھی اور میرا کلاس فیلو تھا۔"

"اوہ......تو کہئے اس لئے آپ شاہی مہمان تھے۔"

"نہیں اس وقت تک مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ عیسیٰ خان ہی کراغال کا خان تھا۔ انگلینڈ میں

بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کراغالی ہے۔ یہ بات تو یہاں آ کر معلوم ہوئی تھی۔

کال کوٹھڑی

کچھ دیر بعد وہ دونوں اسی گھوڑے پر شاہی محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ گھوڑا بڑا جاندار تھا دو آدمیوں کے بار کے باوجود بھی اس کی تیز رفتاری حیرت انگیز تھی۔ وہ گویا ہوا سے باتیں کر رہا تھا اور اس کے سموں پر اس قسم کے چرمی غلاف چڑھے ہوئے تھے کہ ٹاپوں کی آواز دور تک نہیں پھیل سکتی تھی۔

حمید کو یہ سفر پچھلے سفر سے بھی زیادہ طویل معلوم ہو رہا تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ جلد از جلد اس رومینٹک اور پراسرار ماحول میں پہنچ جانا چاہتا تھا جس کا تذکرہ فریدی نے کیا تھا۔

"کچھ دیر بعد مطلع ابر آلود ہو گیا اور تاریکی بڑھ گئی۔ لیکن گھوڑے کی رفتار میں کوئی فرق نہ آیا۔

"کیا آپ کو زمین سجھائی دے رہی ہے۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں سوال کیا۔

"نہیں......!" فریدی نے جواب دیا۔

"ارے باپ رے......تب تو پھر اسے آہستہ چلایئے۔"

"میں نے لگام چھوڑ رکھی ہے......میرے چلانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

حمید نے یہ سن کر بڑی مضبوطی سے فریدی کی کمر پکڑ لی۔

"تم ڈرو مت......یہ گھوڑا صرف اسی راہ کے لئے مخصوص ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اگر تم اس وقت اس کی آنکھوں پر دھوپ کی عینک لگا دو تب بھی یہ اسی رفتار سے دوڑتا رہے۔"

"اگر اس نے صحیح سلامت پہنچا دیا تو میں اسے ایک درجن عینکیں خرید دوں گا۔" حمید دانت پر

جما کر بولا اور فریدی ہنسنے لگا۔

حمید تھوڑی دیر بعد پھر بولا۔ "کیا آپ کراغالی بول سکتے ہیں۔"

"ہاں اب تو میں خاصی روانی کے ساتھ بول سکتا ہوں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"مگر تم اس کی فکر نہ کرو......خانم انگریزی بھی بول اور سمجھ سکتی ہے۔"

"لیکن آپ نے کراغالی کب سیکھی۔"

"تھوڑی بہت پہلے سے جانتا تھا لیکن مشاقی اسی دوران بہم پہنچائی ہے۔ سردار شکوہ بہت اچھی کراغالی بول سکتا ہے۔"

"سردار شکوہ۔" حمید نے حیرت سے دہرایا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

"میرا سب سے پہلا شکار۔" فریدی نے جواب دیا اور پھر اس نے واقعہ بتایا کہ کیسے اس نے سردار شکوہ کی مرمت کی تھی۔

"اس کے بعد سے سردار شکوہ نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لئے۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں کہ اگر وہ یہ بات تنظیم کے کسی رکن پر ظاہر کر دے کہ وہ فریدی کے ہاتھوں پٹا تھا تو اس کی زندگی محال ہو جائے گی۔ وہ لوگ کبھی اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"اوہ......میں سمجھ گیا۔ مگر میں سردار شکوہ کو ایسا آدمی نہیں سمجھتا جس پر اعتماد کیا جا سکے۔"

"خیر......ہمیں ضرورت ہی کیا ہے کہ اس پر اعتماد کریں۔ میرا مقصد تو یہ تھا کہ اس سے اس کی اصلیت معلوم کروں۔ وہ میں نے معلوم کر لی۔ تنظیم کے لئے روپیہ فراہم کرنا ہی اس کا کام ہے۔ روحی کو اس نے ادارہ روابط عامہ سے مدد حاصل کرنے کی ترغیب دی تھی اور خود ہی اس پر حملے کراتا رہا تھا۔"

"پہلے میرا بھی یہی خیال تھا۔" حمید نے کہا۔ "جب میں ادارہ کی اصلیت سے واقف بھی نہیں تھا۔"

"بہرحال سردار شکوہ میرے لئے اسی حد تک کارآمد ثابت ہوا ہے۔ اس سے نہ یہ معلوم ہو سکا کہ ملکہ کائنات کون ہے اور نہ یہی پتہ چل سکا کہ تنظیم کا مرکز کہاں ہے۔ ویسے اتنا مجھے معلوم ہے کہ رام گڈھ والوں کو ملکہ کائنات کے پیغامات ڈاکٹر سلمان کے توسط سے ملتے ہیں۔"

"اور ڈاکٹر سلمان ایک ماہر ہپناٹسٹ بھی ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر وہ خاموش ہو گئے۔ گھوڑا اب بھی اسی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ کبھی بادلوں سے ستاروں کی مدھم سی روشنی چھنتی اور کبھی پھر پہلے ہی کی سی گہری تاریکی چھا جاتی۔ ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑے حمید کو بدحال کیئے دے رہے تھے اور اب پھر اسے بولتے ہوئے کاہلی محسوس ہو رہی تھی۔

یہ سفر کافی دیر تک جاری رہا۔ پھر گھوڑے کی رفتار سست ہونے لگی۔

"شاید اب ہم منزل مقصود پر پہنچ رہے ہیں۔" فریدی بڑبڑایا۔ وہ اندھیرے میں چاروں طرف آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔

"بڑا عجیب گھوڑا ہے۔" حمید نے کہا۔

"یقیناً گھوڑوں کو اس طرح سدھانا بڑا مشکل کام ہے۔"

گھوڑا اب دوڑ نہیں رہا تھا۔ آخر کار ایک چڑھائی پر وہ رک گیا۔ فریدی اترتا ہوا بولا۔ "بس آ گئے۔"

وہ بہت آہستہ سے بولا تھا۔ حمید بھی آہستگی سے نیچے اتر گیا۔ فریدی نے گھوڑے کی زین اتاری اور پھر زمین پر بیٹھ کر اس کے سموں پر چڑھے ہوئے غلاف اتارنے لگا۔ حمید نے ایک بار پھر خود کو اونچی نیچی چٹانوں کے درمیان پایا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں گھور رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی اور چونک کر اس کی طرف مڑا۔ گھوڑا آہستہ آہستہ نیچے اترتا چلا جا رہا تھا۔

فریدی نے حمید سے زین سمیٹنے کو کہا۔ وہ خود اپنا تھیلا سنبھالے ہوئے تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد وہ پھر رکے۔ فریدی نے تھیلا اتار کر نیچے رکھ دیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ پھر اس نے اسے اپنی ننھی سی ٹارچ روشن کرتے دیکھا۔ وہ زمین پر جھکا ہوا شاید کچھ تلاش کر رہا تھا۔ لیکن جو کچھ بھی تلاش کر رہا تھا وہ اسے دس منٹ گزر جانے کے بعد بھی نہیں ملا تھا۔ آخر حمید بھی اکتا کر اس کے پاس پہنچ گیا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"کچھ نہیں...... ٹھہرو...... وہیں ٹھہرو...... ورنہ اس چٹان سے ٹکرا کر چپٹے ہو جاؤ گے۔ کیونکہ یہ اپنی جگہ سے کھسکنے والی ہے۔"

حمید بوکھلا کر پیچھے ہٹا ہی تھا کہ چٹان سچ مچ اپنی جگہ سے کھسک گئی۔ بہت ہی ہلکی سی آواز کے ساتھ۔ حمید سوچ رہا تھا کہ فریدی نے اسے الو بنایا ہے۔ خواہ مخواہ اس نے ایک خواب کی سی داستان دہرائی تھی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اسے تنظیم کی زمین دوز دنیا کا راستہ معلوم ہو گیا ہے اور وہ اس کے اندر جانے کا ارادہ کر رہا ہے۔ مگر پھر اسے وہ گھوڑا یاد آ گیا۔ وہ گھوڑا پھر کہاں سے آیا تھا۔ لیکن وہ اس سے زیادہ نہیں سوچ سکا کیونکہ فریدی اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ مگر پھر شاید کسی دوسرے خیال کے تحت وہ خود ہی اس کے قریب چلا آیا۔

"زین اٹھاؤ......!" فریدی اپنا تھیلا اٹھاتا ہوا بولا۔

حمید نے زین اٹھائی۔ فریدی کی ٹارچ کی روشنی ایک چوکور سی قد آور خلاء میں پڑ رہی تھی۔

"چلو...... اندر چلو......!" فریدی بولا۔

حمید کچھ کہے بغیر خلاء میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد فریدی اندر پہنچا۔ حمید نے پھر چٹان کھسکنے کی آواز سنی لیکن مڑ کر نہیں دیکھا۔ اسے فریدی پر غصہ آ رہا تھا۔ کیونکہ اس کی دانست میں اس نے ابھی تک اسے الف لیلیٰ کی ایک داستان میں الجھائے رکھا تھا اس کے خیال کے مطابق یہی درست تھا کہ وہ اس وقت زمین دوز دنیا میں داخل ہو رہا ہے۔ جس کا تجربہ اسے ایک بار پہلے بھی ہو چکا تھا۔ وہ خاموشی سے چلتا رہا۔ اب فریدی اس کے آگے تھا۔

کچھ دور چل کر وہ پھر رکا اور حمید نے محسوس کیا کہ اس نے تھیلا بھی زمین پر رکھ دیا۔ یہاں گہری تاریکی تھی۔ فریدی نے ٹارچ نہیں روشن کی تھی اور حمید کے دونوں ہاتھ گھوڑے کی زین میں پھنسے ہوئے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ زین اپنے سر پر رکھ کر اور رکابوں میں پیر ڈال کر گھوڑے کی طرح ہنہناتا ہوا جدھر سینگ سمائے بھاگتا چلا جائے۔

دفعتاً اسے اندھیرے میں روشنی کی ایک پتلی سی لکیر نظر آئی۔ یہ فریدی کی چھوٹی ٹارچ کی روشنی تھی جو غالباً کسی دروازے کے قفل پر جم گئی تھی۔ پھر روشنی کی لکیر غائب ہو گئی اور ایک ہلکا سا کھٹکا سنائی دیا۔ کچھ دیر بعد روشنی کی لکیر حمید کی طرف رینگ آئی۔ فریدی اسے آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

حمید آگے بڑھا اور پھر وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ فریدی نے دروازہ بند کر کے بڑی ٹارچ روشن کر لی تھی اور اس کا دائرہ چاروں طرف رینگتا پھر رہا تھا۔ حمید نے دیواروں پر بے شمار رائفلیں لٹکی ہوئی دیکھیں۔ یہ یقیناً کوئی اسلحہ خانہ تھا۔ بارود کے ڈرم اور تھیلے ایک طرف چنے ہوئے

تھے۔ کمروں میں دو چار کرسیاں بھی تھیں اور ایک بڑی میز جس کے سرے پر بڑا سا آئینہ نصب تھا اس پر حمید کو میک اپ کرنے کا سامان بھی نظر آیا۔

"اب پھر یہاں کچھ دیر ستالو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "لیکن یہاں تم تمباکو نہیں پی سکو گے۔ کیونکہ ان تھیلوں اور ڈرموں میں بارود ہے اب اس کے بعد سے ہمارے قدم خطرات کی طرف اٹھیں گے۔ ہمیں خانم تک پہنچنا ہے پھر ہم دیکھیں گے کہ اس کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ ابھی مجھے پورے حالات کا بھی علم نہیں ہے ورنہ اس سے ملے بغیر بھی کام شروع کیا جاسکتا تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ لیکن ابھی اس کا شبہ رفع نہیں ہوا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر اونگھنے لگا۔ فریدی بھی بیٹھ گیا تھا۔ تقریباً بیس منٹ تک کمرے کی فضا ساکت رہی۔ ساکت یوں رہی کہ حمید سو گیا تھا۔ پہلے فریدی نے اسے آوازیں دیں لیکن وہ اتنا ہی تھک گیا تھا کہ یہ آوازیں اس کی نیند میں خلل انداز نہ ہو سکیں۔

آخر فریدی نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔

"اُف...... ابھی تک میں بہت اچھا تھا۔" حمید بڑبڑایا۔ "وہ لڑکی ساحرہ میرے لئے بُری طرح رو رہی ہوگی۔"

"اُٹھو......!" فریدی نے اسے کالر سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

"اٹھوں گا نہیں تو جاؤں گا کہاں۔" حمید نے بے بسی سے کہا۔

"ریوالور ہے تمہارے پاس......!"

"نہیں......!"

"یہ رکھو......اور کچھ زائد راؤنڈز......!"

"لائیے......!" حمید کی آواز میں زندگی نہیں تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ تھکن نے اسے نڈھال کر رکھا تھا۔ ورنہ وہ تو بزدل تھا اور نہ کام چور۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ فریدی کے سامنے وہ بچہ ہی بن جاتا رہا ہو۔

اپنا سامان انہوں نے اس کمرے ہی میں چھوڑ دیا اور پھر اسی طویل سرنگ میں پہنچ گئے جس سے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

فریدی نے ٹارچ روشن کرلی اور وہ دونوں چلتے رہے۔ حمید کو یقین ہوتا جارہا تھا کہ وہ ایک بار

زمین دوز دنیا کی سیر کرنے جارہا ہے لیکن اس بار حالات پہلے سے مختلف ہوں گے۔

تقریباً بیس منٹ تک چلتے رہے۔ پھر یک بیک حمید کو سرنگ کا اختتام نظر آیا۔ آگے راہ نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سرنگ یہیں ختم ہوگئی ہو۔

"ب سے پہلے میں تمہیں وہ خوفناک جیل دکھاؤں گا جہاں مجھے خانم کے حکم سے ڈال دیا گیا" یدی نے کہا۔

"اچھا تو کیا ابھی ہم کسی خوشگوار عشرت کدے میں ہیں۔" حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں

یدی ایک طرف کی دیوار ٹٹول رہا تھا۔ دفعتاً حمید نے ویسی ہی آواز سنی جیسی بیرونی چٹان لے وقت سنی تھی۔ اب سامنے پھر خلاء نظر آنے لگی۔ لیکن فریدی نے ٹارچ بجھا دی تھی۔ وہ ے میں آگے بڑھے۔ حمید فریدی کے قدموں کی آواز پر چل رہا تھا۔ یک بیک فریدی رک بد اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ آخر اس کے ہاتھ فریدی سے ٹکرائے اور فریدی کان کے قریب منہ لاکر آہستہ سے بولا۔ "بس یہیں رکے رہو...... میری چھٹی حس کہہ رہی ہارے علاوہ بھی یہاں کوئی ہے۔"

مید کچھ نہ بولا۔ ویسے جیب میں پڑے ہوئے ریوالور پر اس کی گرفت مضبوط ہوگئی تھی اور بھی نہیں سوچ رہا تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔

کچھ دیر تک اسی طرح خاموش کھڑے رہے۔ پھر حمید نے فریدی کو کچھ بڑبڑاتے سنا۔ لیکن ھ سکا کہ وہ کس زبان میں بڑبڑایا تھا۔ اس کے بعد پھر وہی سناٹا۔

"کچھ نہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "وہم بھی ہو سکتا ہے۔"

س نے ٹارچ روشن کی اور روشنی کا دائرہ ایک سلاخوں دار دروازے پر پڑا۔

یکھا ہے .... اوہ دیکھو...... یہ کتنا بھیانک ہے۔ یہاں کے قیدی کو کبھی آسمان دیکھنا یں ہوتا۔"

یدی ٹارچ روشن کئے ہوئے آگے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید نے تحیر آمیز آواز سلاخوں سے لٹکا ہوا کھڑا اس کال کوٹھری میں روشنی ڈال رہا تھا۔ حمید بھی تیزی سے آگے ر اس کی آنکھیں بھی حیرت سے بھر گئیں۔ اندر فرش پر ایک عورت چت پڑی تھی۔ اس کے

جسم پر سیاہ لبادہ تھا۔ بال کھلے ہوئے تھے اور اس کا چہرہ...... ایسے چہرے حمید نے عموماً قدیم
فن مصوری کے نوادرات میں دیکھے تھے۔ حمید نے محسوس کیا جیسے وہ سچ مچ خواب دیکھ رہا ہو۔ یا
گزر یونان کے کسی ہزاروں سال پرانے مقبرے میں ہوا ہو۔ سانسوں کے ساتھ اسکے سینے کا
ہی اسکی زندگی کا ثبوت تھا۔ ورنہ پہلی نظر میں تو وہ اسے مردہ ہی سمجھا تھا۔

''خانم......!'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''شاید وہ لوگ کامیاب ہو گئے۔''

''خانم...... کیا مطلب......!''

''کراغال کی خانم......!'' فریدی نے مضمحل آواز میں کہا۔ ''اگر باغیوں کو کامیابی نہ
ہوتی تو وہ یہاں کیوں نظر آتی۔ شکر ہے کہ انہوں نے اسے مار نہیں ڈالا۔''

فریدی نے جھک کر دروازے کے قفل پر روشنی ڈالی اور جیب سے ایک باریک اوزار نکا
اس کے سوراخ میں ڈال دیا۔ قفل کھلنے میں آدھ منٹ سے زیادہ وقت نہیں صرف ہوا۔ فریدی
ٹارچ حمید کو دے دی اور خود دروازے کو دھکیل کر کھولنے لگا۔ دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ
اور خانم بے ساختہ اچھل پڑی۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی وحشت
آنکھیں حمید کو ہزاروں سال پرانی کہانیاں سنا رہی تھیں۔

''ڈریئے نہیں۔'' فریدی نے انگریزی میں کہا۔ ''ہارڈ اسٹون......!''

''اوہ...... تم......!'' وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اس طرح فریدی پر آ رہی جیسے کسی نے
سے دھکیل دیا ہو۔

فریدی اگر اسے بازوؤں میں نہ سنبھال لیتا تو وہ یقینی طور پر گر جاتی۔

''انہوں نے کراغال پر قبضہ کر لیا۔ بُرے آدمیوں نے...... یہاں اس پاک سرزمین پر شرا
ن سینکڑوں بوتلیں آئی ہیں۔ کرنل کراغال کو بچاؤ...... خدا کے لئے۔''

''آپ فکر نہ کیجئے...... چلئے نکلئے یہاں سے۔''

''نہیں جب تک کہ کراغال ان ناپاکیوں میں مبتلا رہے گا میں یہاں سے نہیں جا سکتی۔
یہیں مر جاؤں گی۔''

''نہیں یہ وقت جذبات کی رو میں بہنے کا نہیں۔ چلئے ہم وہاں اسلحہ خانے میں بیٹھ کر ش
کریں گے۔''

تمہارے ساتھ دوسرا کون ہے۔''

میرا وہی ساتھی ہے جس کے لئے میں پریشان تھا۔ بس اب چلئے یہاں سے۔''

خانم چند لمحے سوچتی رہی پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کوٹھڑی سے باہر نکل آئی۔

فریدی نے دروازے کو کھینچ کر بند کرتے ہوئے پھر قفل چڑھا دیا۔

کچھ دیر بعد وہ اسلحہ خانے میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ فریدی نے وہاں دو موی شمعیں روشن
کی تھیں جو پہلے ہی سے وہاں موجود تھیں۔

خانم کہہ رہی تھی۔ ''یہ سب کچھ ایک آدمی کی وجہ سے ہوا۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں سے آیا
کراغالی اسے باکمال بزرگ سمجھ کر اس کی پرستش کر رہے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ شراب کی
بوتلیں بھی آئی ہیں۔ حالانکہ شراب یہاں ہمیشہ ممنوع رہی ہے۔''

''آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ بوتلیں اسی کے ساتھ آئی ہیں۔'' فریدی بولا۔

''میں یہی محسوس کر رہی ہوں۔ وہ مجھے کوئی مکار معلوم ہوتا ہے۔ کراغالی باہر کی چیزوں کے
گئے ہیں۔ خان ان کے لئے دوسرے ممالک سے آسائش کا سامان مہیا کرتے رہتے تھے۔
کچھ دنوں سے ان چیزوں کی قلت ہو گئی تھی اور ضیغم عام آدمیوں کے کان بھر رہا تھا۔ اس
یقین دلایا کہ خان عیسیٰ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ بس انہوں نے بغاوت کر دی...... پھر
فقیر بھی آ گیا۔ وہ بھی ضیغم ہی کا حامی بن بیٹھا۔ پھر ضیغم کو نہ جانے کہاں سے باہر کی چیزیں
ہو گئیں اور اس نے انہیں کراغال میں مفت تقسیم کر دیا۔

''کیسی چیزیں......!''

''مشینوں سے بنے ہوئے کمبل، چھریاں، تمباکو اور کپڑے وغیرہ۔ آخر اسے یہ سارا سامان
سے ملا ہے۔ میں نے یہی سب تیاریاں دیکھ کر تمہیں اس سے مطلع کیا تھا اور صبح کو شکارگاہ کا
ڈرا بھی کھلوا دیا تھا...... خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئے۔''

''لیکن آپ کو یہاں اس کال کوٹھری میں دیکھ کر مجھے بہت حیرت ہوئی ہے۔ آپ نے تو کہا
کا سے میرے اور خان کے علاوہ کوئی تیسرا واقف نہیں۔''

''یہاں تم کچھ بھول رہے ہو۔ تمہیں اس تہہ خانے میں کس نے پہنچایا تھا۔''

''تو کیا خان یوسف نے غداری کی۔'' فریدی خانم کو گھورتا ہوا بولا۔

"نہیں......وہ غریب تو کام آ گیا۔ ضیغم نے اس پر تشدد کی حد کر دی۔ اس سے تہہ خا
راستہ معلوم کیا اور پھر اسے گولی ماردی۔"

"تو پھر مجھے یہی سمجھنا چاہئے کہ یہ کمرہ بھی محفوظ نہیں ہے۔"

"نہیں......انہیں اس سرنگ کا علم نہیں ہوسکا اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تمہیں یہاں
تمہاری زندگی خطرے میں نہ ڈالتی۔ مجھے یقین ہے کہ خان یوسف نے انہیں اس کے متعلق
ہوگا......ورنہ اب تک یہ اسلحہ خانہ بالکل صاف ہوگیا ہوتا۔"

"کیا فقیر کسی آزاد ہی علاقے سے تعلق رکھتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں مجھے تو نہیں معلوم ہوتا۔" خانم بولی۔

"کیوں......یہ آپ کس بناء پر کہہ رہی ہیں۔"

"میں انگریزی زبان میں گفتگو کر رہی ہوں لیکن کیا میرا لہجہ بھی انگریزی کا سا ہے۔ اسی ط
وہ مقلاقی زبان میں گفتگو کرتا ہے جو کراغالی سے بہت کچھ مشابہت رکھتی ہے لیکن اس کا لہجہ مقلاقی
کا سا نہیں ہے۔ اگر تم کراغالی میں گفتگو کرو......!"

"ہاں......میں کراغالی ہی میں گفتگو کروں گا۔" فریدی مسکرایا۔ "لیکن آپ میرے لہجے
ٹوک نہیں سکیں گی۔"

"یہ ناممکن ہے۔" خانم بھی مسکرائی۔ "تم ہماری طرح کراغالی نہیں بول سکتے۔"

فریدی نے کراغالی میں اس سے پوچھا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ خان یوسف کو قتل کر دیا گیا۔"

"مجھے یقین ہے۔ کیونکہ میں نے اسے یہیں تہہ خانے کے سامنے تڑپتے دیکھا ہے وہ یہاں
انہیں راستہ دکھانے آیا تھا لیکن مجھے بند کرنے کے بعد انہوں نے اس کو گولی ماردی۔ کیا تم نے فر
پر خون نہیں دیکھا تھا۔"

"نہیں......میری نظر نہیں پڑی۔"

"میرا دعویٰ ہے کہ کوئی کراغالی تمہیں غیر کراغالی نہیں سمجھ سکتا۔ تمہارے لہجے میں ابھی تک کوئی
خامی نہیں پا سکی۔"

"آپ کو یقین ہے کہ میرے لہجے میں کوئی خامی نہیں ہے۔"

"ہاں میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتی ہوں۔"

"تب تو پھر میری کامیابی یقینی ہے......آپ قطعی پریشان نہ ہوں۔"

حمید کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار دیکھ کر فریدی نے پھر انگریزی میں گفتگو شروع کر دی۔

"پھر تم کیا کرو گے۔" خانم نے کہا۔

"جو کچھ بھی کرنا ہے......کافی سمجھ کر ورنہ ہماری معمولی سی غلطی بھی سارا کھیل بگاڑ دے گی۔
سب سے پہلے اس فقیر کی زیارت کرنا چاہوں گا جس کا تذکرہ آپ نے کیا ہے۔"

"میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ اب بھی قلعے میں موجود ہے یا نہیں۔"

"دوسری بات یہ ہے کہ......کیا ضیغم حقیقتاً کراغالیوں میں اتنا ہی مقبول ہے کہ آپ کی
حکومت کا تختہ الٹ سکے۔"

"نہیں اسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن اپنا آرام سب کو عزیز ہے۔ کراغالی سوچتے ہیں کہ
اگر خان سچ مچ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں تو پھر کل ان کی آسائش کی چیزیں کون مہیا کرے گا۔
ویسے میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اس سازش میں پراسرار فقیر ایک اہم رول ادا کر رہا ہے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اب آپ کیا کہتی ہیں۔ یہ قضیہ ایک رات میں تو
طے ہونے سے رہا۔ ہمیں فی الحال یہاں سے کہیں اور چلنا چاہئے۔"

"میں بھی یہی مناسب سمجھتی ہوں۔ پتہ نہیں کب ان کا رخ ادھر بھی ہو جائے۔ ضیغم خان
سارے راز معلوم کر لینے کی فکر میں ہے۔"

"کیا آپ مجھے رازوں سے آگاہ کرنا مناسب سمجھیں گی۔"

"جتنے رازوں سے واقف ہوں تمہیں آگاہ کر چکی ہوں۔ یہاں سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر
خان کی ایک پناہ گاہ ہے جس کا علم میرے اور خان کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ اگر تم وہاں چلو تو بہتر
ہے۔ یوں تو کئی پناہ گاہیں اور بھی ہیں۔ لیکن یہ سب سے نزدیک ہے۔"

کچھ دیر بعد وہ تینوں سرنگ سے نکل کر چٹانوں کے درمیان پہنچ گئے۔ فریدی نے اپنا اوور
کوٹ خانم پر ڈال دیا تھا۔

ان کی رفتار سست تھی۔ کیونکہ خانم زیادہ تیزی سے نہیں چل سکتی تھی اور وہی ان کی رہنمائی
کر رہی تھی۔

حمید دل ہی دل میں اپنے مقدر کو گالیاں دیتا ہوا سوچ رہا تھا کہ دیکھئے کب اس سفر سے نجات

ملتی ہے۔ ویسے وہ خانم سے بہت زیادہ متاثر ہوا تھا۔ یہ خیال بھی اس کے ذہن میں بُری طرح کچوکے لگا رہا تھا کہ فریدی سے ہمیشہ اونچی ہی قسم کی عورتیں ٹکراتی ہیں۔

ڈیڑھ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ یہ پناہ گاہ دراصل ایک غار تھا۔ جس کے چھوٹے سے دہانے کو کانٹے دار جھاڑیاں گھیرے ہوئے تھیں۔

غار اندر سے کافی کشادہ تھا اور وہاں پتھر کی کئی بڑی بڑی سلیں پڑی ہوئی تھیں جن پر پیال کے ڈھیر تھے اور یہ غالباً سونے کے لئے استعمال کی جاتی رہی ہوں گی۔

خانم نے ایک سل پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''یہاں سب کچھ موجود ہے۔'' پھر ایک طرف اشارہ کر کے بولی۔ ''اس پتھر کے پیچھے کمبل ہوں گے۔''

حمید نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ کمبل کے نام ہی سے اسے نیند کے جھونکے آنے لگے۔ وہ اسی طرف لپکا جدھر خانم نے اشارہ کیا تھا۔ پتھر کے پیچھے سات آٹھ کمبل تہہ کئے ہوئے پڑے تھے۔ حمید نے وہ کھینچ لئے۔ ایک سل پر پڑا ہوا پیال برابر کر کے اس پر کمبل بچھا دیا اور دوسرا کمبل اپنے اوپر تانتا ہوا جوتوں سمیت دراز ہو گیا۔ فریدی موم شمعیں روشن کر کے اسے رکھنے کے لئے مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا۔ حمید کی بوکھلاہٹ پر وہ ہنستا ہوا بولا۔

''او ڈفر یہ کیا ہو رہا ہے۔''

''بالکل مناسب ہو رہا ہے۔ فکر نہ کیجئے...... انشاء اللہ صبح ملاقات پھر ہو گی۔''

حالانکہ خانم اردو نہیں سمجھ سکتی تھی لیکن پھر بھی وہ اس کے بولنے کے انداز پر ہنس پڑی۔

حمید نے کمبل سے سر نکال کر انگریزی میں کہا۔ ''میں سونے کا سپیشلسٹ ہوں، اس لئے شب بخیر۔''

پھر اس نے دوسری کروٹ لے کر آنکھیں بند کر لیں۔

واپسی

دوسری صبح وہ فریدی کے جھنجھوڑنے ہی پر بیدار ہوا۔ خانم بھی بیدار ہو چکی تھی اور اس وقت وہ رات سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ حمید اٹھتے ہی گنگنانے لگا۔

شب وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست
تیرے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی

فریدی اس پر چراغ پا ہو گیا۔ لیکن حمید بدستور گنگناتا رہا۔ پھر بولا۔ ''آپ خفا کیوں ہوتے ہیں۔ جن صاحب کا یہ شعر ہے اب وہ بھی عورتوں سے عشق کرنے لگے ہیں۔ خدا آپ کو بھی توفیق عطا فرمائے۔''

''بکواس مت کرو۔''

''بہتر ہے میرا کیا بگڑتا ہے۔ لیکن مجھے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں ٹھہرا اللہ ورا...... اس لئے شعر سنانے کے علاوہ آپ کی اور کیا خدمت کر سکوں گا۔ ویسے خدا کا شکر ہے یہ عورت بہت مناسب ہے جی ہاں۔''

''تمہاری کھال ادھیڑ دوں گا۔''

''اور میں اس کھال کے جوتے بنوا کر محترمہ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔''

دفعتاً خانم بولی۔ ''ساری گفتگو اس زبان میں ہونی چاہئے جسے میں بھی سمجھ سکوں۔''

حمید نے انگریزی میں کہا۔ ''میں کرنل صاحب سے کہہ رہا تھا کہ ہم ناشتے میں بھنے ہوئے پتھر چبائیں گے۔''

''یہ مسئلہ واقعی غور طلب ہے۔'' خانم تشویش کن لہجے میں بولی۔

''ہے نا......!'' حمید نے کہا اور کمبل سے باہر نکل آیا۔

دن بھر وہ اسی غار میں رہے۔ خانم مختلف قسم کی تجاویز پیش کرتی۔ لیکن فریدی انہیں رد کر دیتا۔ وہ ایک ایسا طریق کار اختیار کرنا چاہتا تھا جس سے حالات حیرت انگیز طور پر بدل جائیں ورنہ تنہا پورے کراغال کو چیلنج کرنا حماقت ہی ہوتی۔

بہرحال شام تک کوئی خاص فیصلہ نہ ہو سکا۔ آج کا دن انہوں نے خشک پھلوں پر گزارا تھا اور پھل فریدی کے تھیلے سے برآمد ہوئے تھے۔ تھیلے میں گوشت اور مچھلیوں کے ڈبے بھی تھے لیکن خانم نے انہیں کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ حمید نے بھی یہ سوچ کر پتہ نہیں کب تک اسی حال میں رہنا پڑے انہیں ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

رات ہوتے ہی فریدی تنہا باہر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

"میں بھی چلوں گی۔" خانم نے کہا۔

"نہیں ...... آپ یہیں ٹھہریں گی۔ آج میں محل میں گھسنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تا کہ حالات کا جائزہ لے سکوں پھر میں دیکھوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں۔"

"کیا مجھے بھی یہیں رہنا ہوگا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں......!" فریدی نے اردو میں جواب دیا۔ "لیکن اس بات کا لحاظ رکھنا کہ یہ ایک ملک کی حکمران ہے۔"

"اور کرنل ہارڈ اسٹون کو لپ آف ویکس بنانے والی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" فریدی نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔

خانم کے روکنے کے باوجود بھی فریدی تنہا ہی چلا گیا اور خانم نے حمید سے کہا۔

"ایسا ضدی آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔"

"میں آدمی ہی نہیں سمجھتا۔" حمید نے لاپرواہی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"تمہارا ان سے کیا رشتہ ہے۔" خانم نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں...... بس اس خیال سے ساتھ رہتا ہوں کہ کہیں اسے کوئی مار نہ ڈالے۔"

"تمہارا کیا نام ہے۔"

"حمید یوف...... نسلاً روسی ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور شاید خانم کو یقین بھی آ گیا۔ کیونکہ اس کے بعد وہ کچھ بھی نہیں بولی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"مجھے کرنل کے متعلق کچھ بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں۔" حمید غم ناک انداز میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

خانم جواب کا انتظار کرتی رہی۔ لیکن حمید نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لئے۔

"تم خاموش ہو گئے...... کیوں؟"

"آپ کرنل کے بارے میں کیا معلوم کرنا چاہتی ہیں۔"

"وہ کس قسم کے آدمی ہیں۔"

"ہر قسم کا سمجھئے...... میں خود بھی آج تک نہیں سمجھ پایا کہ وہ کس قسم کے آدمی ہیں۔"

"یہ فرصت کے اوقات میں کیا کیا کرتے ہیں۔"

"میں آج تک اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکا کہ فرصت کے اوقات کب شروع ہوئے اور کب ختم ہو گئے۔ میں نے انہیں کبھی بے کار بیٹھے نہیں دیکھا۔"

"میں ہر آدمی کو اس کی آنکھوں میں پڑھ سکتی ہوں لیکن کرنل کو سمجھنا واقعی بہت دشوار ہے۔"

"میرے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"تمہارے متعلق......!" خانم ہنس پڑی۔ اس نے پتھر پر سے مومی قندیل اٹھائی اور حمید کے چہرے پر روشنی ڈالتی ہوئی بڑبڑائی۔ "تم اگر میں نہیں غلطی کر رہی ہوں۔ ایک کھلنڈرے آدمی ہو...... اپنا داہنا ہاتھ ادھر لاؤ...... میں تمہیں تمہارے متعلق سب کچھ بتا دوں گی۔"

حمید نے ہاتھ بڑھا دیا۔ لیکن جیسے ہی خانم نے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ موم کے کسی بڑے ڈھیر کی طرح پگھلتا چلا جا رہا ہو۔

خانم نے اس کی ہتھیلی پر نظر جمائے ہوئے کہا۔ "تم...... لاابالی طبیعت رکھتے ہو۔ تلون طبعی کافی ہے تم میں...... عورتوں کی صحبت کے شائق لیکن جلد اکتا جانے والے...... ایماندار بھی ہو۔ دوستوں کے لئے جان بھی دے سکتے ہو...... انتقامی جذبہ ابھر آئے تو جان پر کھیل جاؤ گے۔ کرنل کی طرح ضدی اور اٹل نہیں ہو...... اور کیا بتاؤں۔"

"بس اتنا ہی کافی ہے۔" حمید نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کرنل فریدی سے بھی زیادہ عجیب ہیں۔"

"کیوں تم نے مجھ میں کون سی عجیب بات دیکھی ہے۔"

"کل تک آپ ایک قوم پر حکومت کرتی تھیں...... آج ایک غار میں فردکش ہیں...... کل معلوم نہیں کیا ہو۔ لیکن آپ کو اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں معلوم ہوتی۔"

خانم ہنس پڑی پھر بولی۔ "کیا تم نے مجھے تہہ خانے میں دیکھا تھا۔"

"دیکھا تھا......!"

"کیا میں خوفزدہ نہیں تھی۔ کسی ننھی سی بچی کی طرح۔"

"میں نے غور نہیں کیا تھا۔"

"میں خوفزدہ تھی لیکن یہ آدمی...... ہارڈ اسٹون...... میں اکثر سوچتی ہوں کہ یہ اس دنیا کا آدمی نہیں ہے۔ اس کی موجودگی میں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میری پشت پر ایک بہت بڑی فوج

موجود ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کے ذہن میں ایک نیا شبہہ سر ابھار رہا تھا۔ کہیں یہی عورت تو "ملکہ کائنات" نہیں ہے۔ حمید نے ایک بار پھر اسے غور سے دیکھا۔ شمع کی سرخ روشنی میں اس کا چہرہ انگارے کی طرح دہکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ یک بیک اس نے اپنی گھنیری پلکیں اوپر اٹھائیں اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ قدیم مصر کے کسی معبد کی کنواری پجارن سے گفتگو کر رہا ہو۔

"تم خاموش کیوں ہو گئے۔" اس نے کہا۔

"کچھ نہیں...... کوئی خاص بات نہیں۔" حمید مسکرایا۔

"میں کرنل کے لئے فکر مند ہوں۔ کراغالی غیر کی بو سونگھ کر فائر کر دیتے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تم کیا دیکھ رہے ہو۔"

"میں کیا بتاؤں کہ کیا دیکھ رہا ہوں۔ آپ کے چہرے پر تھکن کے آثار ہیں جنہیں دور کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ لیکن اس کا واحد علاج یہی ہے کہ آپ سو جائیے۔"

"کیا تم بھی چلے جانا چاہتے ہو۔" خانم مسکرائی۔

"نہیں...... میں کرنل کے حکم کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔"

خانم پیال کے بستر پر بیٹھی ہوئی بولی۔ "محل کرنل کا دیکھا ہوا ہے۔ وہ کہیں پہنچنے میں غلطی نہیں کر سکتے۔ کاش وہ تنہا جانے سے باز رہتے۔" پھر کچھ دیر خاموش رہ کر لیٹتے ہوئے کہا۔ "میں سچ مچ بڑی تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ آج مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آدمی سچ مچ بے بس ہے کل تک میں ہزاروں پر حکمران تھی لیکن آج وہ میرے خون کے پیاسے ہیں...... خیر......!"

اس نے کمبل کھینچ کر خود کو گردن تک ڈھانپ لیا اور حمید کی طرف کروٹ لیتی ہوئی بولی۔

"معمولی آدمی ہونا کتنا اچھا ہے۔"

"میں نے کبھی موت کے منہ میں بھی یہ نہیں سوچا کہ معمولی آدمی ہونا کتنا اچھا ہے۔"

"تم ہارڈ اسٹون کے ساتھی ہو نا۔ وہ جو صرف تین فائر کرتا ہے اور سینکڑوں کی جمعیت خوفزدہ ہو کر بھاگ جاتی ہے۔"

"اچھا...... وہ بارود کے تھیلوں والا قصہ۔"

"ہاں...... وہی قصہ...... میرے خدا...... وہ کتنے پھرتیلے ہیں۔ جتنی تیزی سے ہاتھ چلتے ہیں اتنی ہی تیزی سے ان کا ذہن سوچ بھی سکتا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اس سے زیادہ گفتگو کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ نہ جانے کیوں اس عورت کے سامنے وہ اپنی شخصیت میں ہلکا پن محسوس کرنے لگتا تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ حمید بھی نہایت اطمینان سے کمبل اوڑھ کر پیال کے بستر پر دراز ہو گیا تھا۔

"کیا سو گئے۔" خانم نے اسے مخاطب کیا۔

"میں سو کیسے سکتا ہوں...... جب کہ آپ جاگ رہی ہوں۔ ہاں...... کیا کراغال میں اب ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو آپ کی حمایت کر سکے۔"

"قانون...... قانون ہے۔" خانم نے کہا۔ "کراغالیوں کو یقین دلایا گیا ہے کہ خان کا انتقال ہو گیا ہے۔ لہٰذا ہمارے قانون کے مطابق کوئی عورت حکومت نہیں کر سکتی۔"

"لیکن آپ اس قانون کے حق میں نہیں ہیں۔"

"میں سو فیصدی اس کے حق میں ہوں لیکن کراغال پر میں کسی بُرے آدمی کی حکومت نہیں برداشت کر سکتی۔ ضیغم لاپرواہ اور عیش پسند ہے۔ وہ قوم کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ شاہی خاندان میں اس سے بہتر افراد موجود ہیں۔"

"خان سے اس کے تعلقات کیسے تھے۔"

"بہت اچھے تھے...... ان کی موجودگی میں اس نے کبھی سر اٹھانے کی جرأت نہیں کی۔"

"آپ کو اس سیاہ مجسمے کو دفن کرا دینا چاہئے۔"

"اس سے کیا ہوتا...... میرا خیال ہے کہ ضیغم نے انہیں لوگوں سے ساز باز کی ہے جنہوں نے خان کو......!"

خانم کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ کیونکہ حمید یک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے غار کے باہر کی جھاڑیوں میں سرسراہٹ سنی تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے مومی قندیل بجھا دی اور ریوالور کے دستے کو مضبوطی سے گرفت میں لئے ہوئے غار کے دہانے سے آ لگا۔

پانچ منٹ تک یہی کیفیت رہی پھر اس نے اپنی گردن پر گرم گرم سانسیں محسوس کیں اور خانم کی سرگوشی سنی۔ "کیا بات ہے۔"

''مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی ادھر آیا ہے۔ آپ لیٹئے جا کر...... مجھے اتنے اطمینان سے نہ لیٹنا چاہئے ورنہ ہوسکتا ہے نیند ہی آ جائے۔''

اس نے خانم کے جانے کی آواز سنی اور پھر اسی پتھر سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔ اس کے ذہن میں بے شمار سوالات تھے۔ بار بار اس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجتیں اور انہیں کے درمیان کوئی کہتا۔

''یہی ہے...... تنظیم کی سربراہ...... موجودہ طاقت اور ملکہ کائنات یہی عورت ہے...... فریب دے رہی ہے...... اپنا اطمینان کرنا چاہتی ہے کہ دشمنوں میں رہ کر بھی وہ محفوظ رہ سکتی ہے۔ اس عورت کا اس سے بڑا کمال اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس نے تم کو دوسرے معاملات میں الجھا لیا ہے۔ اس وقت جو کچھ بھی ہو رہا ہے ایک شاندار ڈرامہ ہے۔ اس کا حقیقت سے ذرہ برابر بھی لگاؤ نہیں ہے۔''

حمید سوچتا رہا اور اونگھتا رہا اور شاید اس پتھر سے ٹکا ہوا سو بھی گیا۔ کیونکہ دوسری بار ہوش میں آنے کے بعد اسے چند لمحوں تک یہی نہیں معلوم ہوسکا کہ سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے...... ویسے کسی نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

''میں آہٹیں سن رہی ہوں۔'' یہ خانم کی سرگوشی تھی۔

''فکر نہ کیجئے۔'' حمید نے کچھ سوچے بغیر کہا اور ریوالور کے دستے پر پھر اس کی گرفت مضبوط ہوگئی۔ اب وہ بھی آہٹیں سن سکتا تھا اور یہ ایک سے زیادہ قدموں کی آہٹیں تھیں۔ اس نے ریوالور نکال کر اس کا رخ غار کے دہانے کی طرف کر دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے فریدی کے کھانسنے کا انداز پہچان لیا۔ ہوسکتا ہے اس نے بھی سوچا ہوگا کہ کہیں حمید اندر سے فائر ہی نہ کر بیٹھے۔ پھر بھی جیسے ہی اس نے اندر قدم رکھا حمید نے اسکے سینے پر ریوالور کی نال رکھ دی۔

''ہٹ جاؤ......!'' فریدی آہستہ سے بولا اور ساتھ ہی اس نے ٹارچ روشن کر لی۔ خانم بھی حمید کے پیچھے ہی تھی۔ فریدی نے بھرائی ہوئی آواز میں کراغالی میں اس سے کچھ کہا۔ اور وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ پھر حمید نے اسے مومی شمعیں روشن کرتے دیکھا۔

غار میں روشنی ہوگئی۔ فریدی کا چہرہ اوورکوٹ کے کالر میں چھپا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے دو آدمی ایک بھاری وزن اٹھائے کھڑے تھے۔ فریدی نے مڑ کر انہیں اسے زمین پر ڈال دینے کا اشارہ کیا۔ اسکے بعد وہ دونوں خانم کے سامنے خفیف سا جھکے پھر سیدھے کھڑے ہوگئے۔ خانم نے کچھ کہا جس کے جواب میں حمید نے ان دونوں کی ہکلاہٹ محسوس کر لی۔ فریدی نے اوورکوٹ کے کالر گرا دیئے

[خا]نم کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی۔ اگر فریدی نے آگے بڑھ کر اسے سنبھال نہ لیا ہوتا تو گر ہی [جا]تی۔ پھر وہ دونوں تھوڑی دیر تک کراغالی میں گفتگو کرتے رہے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے خانم [کسی ب]ات سے انکار کر رہی ہو۔ ذرا سی ہی دیر میں حمید الجھن محسوس کرنے لگا کیونکہ وہ ان کی گفتگو [نہیں] سمجھ سکتا تھا۔ مگر خاموش ہی رہا۔ کیونکہ وہ دونوں اجنبی اسے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً [فریدی] نے ان کی طرف مڑ کر کچھ کہا تھا اور پھر وہ چاروں بھی غوغائی پرندوں کی طرح ''ٹائیں ٹائیں'' [کر]نے لگے۔ حمید کی نظروں میں وہ محض ''ٹائیں ٹائیں'' ہی تھی کیونکہ وہ اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا تھا۔ مگر حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ جب اس نے خانم کو اوورکوٹ پہن کر ان دونوں [کے س]اتھ باہر جاتے دیکھا۔ فریدی وہیں کھڑا رہا۔ وہ اس میک اپ میں نہیں تھا جس سے پہلی بار [ا]س سے رخصت ہوا تھا۔ خانم کے جانے کے بعد وہ ایک پتھر پر بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔

''یہ کیا ہوا'' حمید نے کہا۔

''فکر مت کرو۔ ذرا اس گٹھڑی کو کھولو۔'' اس نے گٹھڑی کی طرف اشارہ کیا جو دونوں آدمی [اٹھا] کر لائے تھے۔ لیکن اس کے چہرے سے کپڑا ہٹتے ہی حمید کے حلق سے ایک تحیر زدہ سی چیخ نکلی [او]ر وہ اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ بے ہوش آدمی گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

جنگ

فریدی حمید کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے پوچھا۔ ''کیا بات ہے۔''

''آپ جانتے ہیں یہ کون ہے۔''

''ہاں...... وہی فقیر جس کا تذکرہ خانم نے کیا تھا۔ میں اسے اسکی خواب گاہ سے اٹھا لایا ہوں۔''

''اس کے علاوہ آپ اور کیا جانتے ہیں...... اس کے بارے میں۔''

''تم جو کچھ جانتے ہو بتاؤ۔'' فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ بارن ہے۔"

"میں نہیں جانتا یہ بارن کیا بلا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"وہ آدمی جس کی حکومت طاقت کی زمین دوز دنیا پر ہے۔ جس کے متعلق وہاں کہا جاتا تھا کہ باہر نکلنے کے راستوں سے صرف وہی واقف ہے۔"

"تمہاری نظر دھوکہ تو نہیں کھا رہی ہے۔"

"ہرگز نہیں......" حمید نے جواب دیا۔ "میں اسے لاکھوں ڈاڑھی والوں میں پہچان سکتا ہوں۔"

"ہوں......!" فریدی کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "تو میری محنت برباد نہیں ہوئی۔ حالانکہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنا اہم آدمی ہے۔"

"مگر شائد آپ اس سے راستہ نہ معلوم کرسکیں...... یہ کم بخت کہیں گھر جانے پر خودکشی کر لیتے ہیں۔ لیکن اپنا کوئی راز ہرگز نہیں بتاتے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔"

"مگر خانم کہاں گئی۔"

یہ بھی ایک طویل قصہ ہے۔ میں کم سے کم الفاظ میں اسے دہرانے کی کوشش کروں گا۔ کراغالی محض اس بناء پر باغی ہو گئے تھے کہ انہیں خان کی موت کا علم ہو گیا تھا۔ مرحوم خان عیسیٰ سے وہ اب بھی کانپتے ہیں۔ میں اس وقت دراصل خان عیسیٰ کے میک اپ میں ہوں۔ تمہیں وہ سرنگ والا کمرہ یاد ہوگا جہاں سے ہم اسلحہ لائے تھے۔ وہاں میک اپ کا سامان بھی رہتا ہے۔ غالباً میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ آکسفورڈ میں ہم دونوں ساتھ رہے تھے اور میک اپ کرنا ہم نے ایک ہی آدمی سے سیکھا تھا۔ خان عیسیٰ نے بھی اس فن میں خاصی مہارت بہم پہنچائی تھی۔ بہرحال میں اسی کا میک اپ کر کے شاہی محل میں داخل ہوا...... تم نے اسے اندر سے نہیں دیکھا۔ اسے محل نہیں بلکہ قلعہ کہنا چاہئے۔ بہرحال وہاں اندر فوج بھی رہتی ہے۔ یہ دو آدمی جو ابھی میرے ساتھ آئے تھے کراغالی فوج کے دو اعلیٰ آفیسر تھے۔ میں جانتا تھا کہ خان عیسیٰ کی موت کی خبر ہی نے ضیغم کو ابھرنے کا موقع دیا ہے۔ ورنہ کراغالی اسے پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ ظالم اور عیاش طبع آدمی ہے۔ بہرحال میں چھاؤنی کی طرف بھی سوچ کر گیا تھا کہ ایسے حالات میں یقینی طور پر وہاں خان عیسیٰ کے بہتیرے حامی پیدا ہو جائیں گے۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ بہتیرے آفیسروں نے اس وقت میرے سامنے قسمیں کھائی

ہیں کہ وہ خان ضیغم کی حکومت کا تختہ الٹ دیں گے۔ میں نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ میں فی الحال منظر عام پر نہیں آ سکتا۔ اس پر انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ وہ خانم کو میرا قائم مقام سمجھتے رہیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خان عیسیٰ کے قائم مقام کی حیثیت سے کراغال پر حکومت کرے گی۔"

"اسے آپ یہاں کیسے اٹھا لائے۔" حمید نے بے ہوش آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ "کیا آپ پہلے سے اس کے متعلق جانتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں...... لیکن اس کا علم مجھے ان دونوں آفیسروں سے ہوا کہ یہ فقیر اکثر خان عیسیٰ کو شکارگاہ میں ملا کرتا تھا۔ انہوں نے مجھ سے بڑی حیرت کے ساتھ کہا تھا کہ آپ کے دوست نے اس انقلاب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ میں نے سوچا ممکن ہے یہ دوست طاقت کی تنظیم ہی سے تعلق رکھتا ہو۔ اب تم یہ اطلاع دیتے ہو کہ یہ بہت ہی اہم آدمی ہے۔"

"کیا یہ کراغال کی خانم...... ملکہ کائنات نہیں ہو سکتی۔"

"ہوگی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو۔ کیا اب یہاں میری شکست ہو سکتی ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں...... اگر خانم ہی ملکہ کائنات ہے تو ہم ہر وقت اس کی مٹھی میں ہیں۔"

"اول تو وہ ہے نہیں۔ اگر ہے بھی تو میں اس سے ٹکرانے کی قوت رکھتا ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ یہاں سے ایک فرلانگ کے اندر ہی اندر میرے آدمی موجود ہیں۔"

"فریدی کے اس دعویٰ پر حمید کو بڑی حیرت ہوئی۔ لیکن وہ کچھ نہ بولا۔ شاید فریدی بھی اس دعویٰ کے ثبوت میں کچھ پیش کرنا چاہتا تھا۔ اس نے تھیلے سے ایک چھوٹا سا کیمرہ نکالا۔ حمید پہلی نظر میں اسے کیمرہ ہی سمجھا تھا۔ لیکن وہ حقیقتاً ٹرانسمیٹر تھا۔ چھوٹے براؤنی کیمرے سے کچھ بڑا...... فریدی نے اس کے میکنزم میں کچھ تبدیلی کی اور اسے منہ کے قریب لے جا کر بولا۔ "ہیلو...... کرنل اسپیکنگ...... تم لوگ نشان سے کتنی دور ہو...... اوور......!"

"ایک فرلانگ کے فاصلے پر...... اوور......!" مدھم سی آواز آئی اور حمید کھوپڑی سہلانے لگا۔

"فی الحال وہیں ٹھہرو...... اوور اینڈ آل۔" فریدی نے کہا۔

اس نے ٹرانسمیٹر پھر تھیلے میں ڈال دیا۔

"تھریسیا کے آدمی ہیں یا سرکاری۔" حمید نے پوچھا۔ لیکن فریدی کوئی جواب دینے کی بجائے

بے ہوش آدمی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ جس نے کراہ کر کروٹ لی تھی۔ فریدی نے اپنے کوٹ کے کالر پھر کھڑے کرلئے اور حمید غار کے دہانے پر جم گیا۔ اس نے ریوالور بھی نکال لیا تھا۔

دفعتاً بے ہوش آدمی اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ پہلے اس نے فریدی کی طرف دیکھا اور پھر حمید کی طرف جو اپنی اصلی شکل وشباہت میں نہیں تھا۔

''بارن......!'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

''تم کون ہو۔'' بارن نے انگریزی میں پوچھا۔ پھر اس نے کراغالی زبان میں بھی دہرایا۔

دفعتاً فریدی نے اپنے اوورکوٹ کے کالر گرادیئے اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ اوپر اٹھادیا۔

دوسرے ہی لمحے میں بارن اپنی جگہ سے اچھل کر ایک پتھر سے جاٹکا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں تھیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر فریدی کی طرف دیکھے جارہا تھا۔

''اب کیا خیال ہے۔'' فریدی نے بھرائی ہوئی آواز میں انگریزی میں کہا۔

بارن کے ہونٹ ہلے اور وہ پاگلوں کی طرح بڑبڑانے لگا۔ ''میں یقین نہیں کرسکتا۔''

''ابھی میں تمہیں ننھے سے پرندے کی طرح ذبح کردوں گا۔'' فریدی مسکرایا۔

''تم خان عیسیٰ نہیں ہو...... ہرگز نہیں ہو۔''

''اگر نہیں ہوں......تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یعنی تمہاری تقدیر نہیں بدل سکتی۔''

''تم کون ہو......!'' بارن نے پھر دہرایا۔

''اگر تمہیں یقین آجائے تو میں یہ بھی بتادوں گا۔ مگر اسے سننے کے لئے تم اپنا دل مضبوط کرلو۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ پھر میرے کسی سوال کا جواب دینے کے قابل ہی نہ رہ جاؤ۔''

بارن کچھ نہ بولا۔ صرف اس کی پلکیں جھپکتی رہیں۔

''کیوں! تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''کچھ نہیں......!'' بارن نے اپنے لہجے میں لاپرواہی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ ''تم کوئی بھی ہو مجھے تمہاری موت پر افسوس نہیں ہوگا۔''

''تم شاید اب بھی خواب دیکھ رہے ہو۔ تم اپنی اسی سیٹی کے متعلق سوچ رہے ہوگے جس کی آواز میلوں تک پھیلتی ہے۔ مگر نہیں تم اس کے متعلق نہیں سوچ سکتے۔ کیونکہ وہ نہ صرف سیٹی بلکہ ایک قسم کا ٹائم بم بھی ہے۔ جو سیٹی کی حیثیت سے پھونکے جانے کے کچھ دیر بعد پھٹ جاتا ہے۔ تم چونکہ

میں ایک مخصوص اہمیت رکھتے ہو اس لئے تمہارا جسم چیتھڑے اڑنے کے لئے نہیں ہے۔''

''تم کون ہو......!''

''وہی جسے تم ہر بار بڑی آسانی سے مار ڈالتے ہو۔''

''میں نہیں سمجھا صاف صاف کہو......ہوسکتا ہے کہ تم نے مجھے اس طرح پکڑ کر غلطی کی ہو۔''

''میں ڈاکٹر سلمان ہوں اور میرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔''

''میں کسی ڈاکٹر سلمان کو نہیں جانتا۔ مجھے جانے دو۔'' وہ غار کے دہانے کی طرف مڑا۔ حمید پتھر کے بت کی طرح ساکت وسامت کھڑا تھا اب اس کے ہاتھ میں ریوالور بھی نہیں تھا۔ ہی اس کا گھونسہ بارن کے جبڑے پر پڑا اور بارن لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ فریدی آگے بڑھ کر سنبھال نہ لیتا تو اس کی کھوپڑی پتھریلی زمین کے رومان سے ضرور واقف ہوجاتی۔

''وہ آدمی گونگا اور بہرہ ہے۔'' فریدی نے بارن کا جبڑا سہلاتے ہوئے کہا۔ تم کچھ خیال مت ۔ ویسے یہ بھی تمہاری ہی ایک حماقت کا نتیجہ ہے۔ تم نے اسے کسی مشینی تجربے کا شکار بنا کر اپنے ایک فرینکسٹین تیار کرلیا ہے اور وہ اب تمہاری قبروں تک تمہارا تعاقب کرے گا۔''

''تم لوگ سچ مچ پاگل ہو۔'' بارن غرایا۔

''میں نہیں......!'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''صرف وہ...... جسے کیپٹن حمید کہتے ہیں۔'' بارن ساختہ اچھل پڑا اور پھر ہکلایا۔ ''یعنی......تم......تم......!''

''مجھے لازمی طور پر کرنل فریدی کہتے ہوں گے۔'' فریدی نے اسی انداز میں مسکرا کر کہا۔

بارن ایک بے جان بت کی طرح کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اس میں ہلنے جلنے کی شی ہی نہ رہ گئی ہو۔

دفعتاً فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ ''میں تمہاری پوجا نہیں کروں گا۔ بارن تم جانتے ہی گے کہ اب کیا ہوگا۔ لیکن جو کچھ بھی ہوگا اس کی تمام تر ذمہ داری صرف تم پر ہوگی، لہٰذا اگر تم چاہو تو ائل بھی سکتی ہے۔''

''پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔'' بارن بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر تم نے تنظیم کا راستہ نہ بتایا تو تمہیں زندہ درگور ہوجانا پڑے گا۔''

ہوں پر جب میرا ہاتھ اٹھ جاتا ہے تو پھر بڑی مشکل سے رکتا ہے۔''

اچانک بارن کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا اور اس نے گرج کر کہا۔ ''یہ کراغال ہے...... یہاں تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''یقیناً......!'' فریدی مسکرایا۔ ''یہاں کا قانون میری نہیں سنے گا۔ لیکن میرے ہاتھ ایسے مقامات پر جیسے قوانین چاہتے ہیں بہ آسانی وضع کر لیتے ہیں اس لئے اس کی پرواہ قطعی نہ کرو۔''

''بھول ہے تمہاری۔'' بارن زہر خند کے ساتھ بولا۔ ''تم دونوں مل کر بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''میں تم جیسے دو ٹکے کے آدمیوں پر ہاتھ اٹھانا بھی پسند نہ کروں گا۔ لیکن کیپٹن حمید بھی اپنی مرضی کا مختار ہے۔''

حمید سمجھ گیا کہ وہ بارن کو اس کے ہاتھوں سے پٹوانا چاہتا ہے۔ وہ آگے بڑھا۔ لیکن اس سے پہلے ہی بارن نے اس پر حملہ کر دیا۔ حمید بہت اچھے موڈ میں تھا اور پھر فریدی کی موجودگی، اس نے بارن کو گھونسوں پر رکھ لیا۔ لیکن خود بھی دو چار بہت ہی گہرے قسم کے ہاتھ کھائے جو اسے اور زیادہ مشتعل کر دینے کے لئے کافی تھے۔ بارن کو شاید اس بات کا خطرہ بھی لاحق تھا کہ کہیں فریدی اسے دھوکے میں رکھ کر کوئی اس سے بھی زیادہ سخت اقدام نہ کر بیٹھے۔ اس لئے وہ اکثر اس کی طرف بھی متوجہ ہو جاتا تھا۔ ایسے ہی ایک موقع پر حمید کا گھونسہ اس کی ناک پر پڑا اور وہ کراہ کر ڈھیر ہو گیا۔ پھر پتھریلی زمین نے کھوپڑی کی بھی خاصی آؤ بھگت کی اور وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو گیا۔

''تم بالکل گدھے ہو۔'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''اب وہ اس قابل بھی نہیں رہ گیا کہ میرے سوالات کا جواب دے سکے۔ میں نے کب یہ کہا تھا کہ اتنا مارو۔''

''میرا دعویٰ ہے کہ وہ ایک لفظ بھی نہیں بتائے گا۔ یہ کم بخت مر جاتے ہیں لیکن تنظیم سے غداری نہیں کرتے۔''

''فضول قسم کا خیال ہے۔ سردار شکوہ بھی اسی تنظیم سے تعلق رکھتا ہے لیکن کیا میں نے اس سے بہت کچھ معلوم نہیں کر لیا تھا۔''

''لیکن وہ کسی اونچے مقام پر نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے اسے تنظیم کے متعلق اتنی معلومات بھی نہ ہوں جتنی مجھ کو ہیں۔ نہیں آپ اس آدمی کا مقابلہ سردار شکوہ سے نہیں کر سکتے۔ دونوں کی حیثیتوں میں بڑا فرق ہے۔''

''خیر دیکھا جائے گا......'' فریدی نے کہا اور ایک بار پھر ٹرانسمیٹر نکال کر پیغامات نشر کئے۔

حمید کافی تھک گیا تھا اور نیند کا خمار الگ جان پر آیا ہوا تھا۔ وہ پیال کے بستر پر نیم دراز ہو کر ٹھنے لگا۔ پھر دوسری صبح ہی کو اس کی آنکھ کھلی۔ فریدی بھی غار ہی میں موجود تھا۔ لیکن بارن کہیں نہ ھائی دیا۔ پھر اس کے استفسار پر فریدی نے بتایا کہ وہ اسکے آدمیوں کی نگرانی میں ہے۔

اسی دن ٹھیک دس بجے اُنہیں ایک غیر متوقع حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ دونوں غار کے نے کے قریب ہی بیٹھے آئندہ کے پروگرام پر غور کر رہے تھے کہ انہیں بے شمار گھوڑوں کی ٹاپوں کی وازیں سنائی دیں۔ آوازیں دور کی تھیں۔ فریدی بڑی تیزی سے اٹھا اور تھیلے سے دوربین نکال کر ید کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر نکل گیا لیکن واپسی میں دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔

''چلو...... جلدی کرو...... میرا خیال ہے کہ راز فاش ہو گیا ہے۔ یہ خان ضیغم کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں...... اس کی موت ہی انہیں ادھر لا رہی ہے۔''

''کتنی تعداد میں ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے ڈیڑھ سو سے زیادہ نہیں ہیں۔'' فریدی کے لہجے میں لاپرواہی تھی۔ حمید جھلا گیا۔

''اور ہم دو ہزار ہیں۔'' وہ دانت پیس کر بولا اور فریدی بے تحاشہ ہنسنے لگا۔ اس نے اپنی رائفل اٹھائی اور حمید کی رائفل اسے دی اور اپنا وزنی تھیلا اٹھا کر باہر نکل گیا۔

''جھکے ہوئے چلے آؤ۔'' اس نے پلٹ کر کہا۔ ''انہیں اوپر آنے میں پندرہ منٹ صرف ہوں گے ویسے وہ ابھی کافی دور ہیں۔''

حمید کو نہیں معلوم کہ اس نے کس طرح اس دوڑ میں فریدی کا ساتھ دیا۔ آخر فریدی ایک جگہ ک گیا۔ نیچے ایک تنگ سا میدان تھا اور اس کے چاروں طرف اونچی اونچی مگر قابل عبور چٹانیں تھیں ور اس میدان کی دوسری سمت بے شمار سوار دکھائی دے رہے تھے۔

''ہم تک پہنچنے کے لئے انہیں لازمی طور پر اس میدان سے گزرنا پڑے گا۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

اور پھر تھیلے سے ٹرانسمیٹر نکال کر اسے منہ کے قریب لاتا ہوا بولا۔ ''تم نے ان سواروں کو دیکھا...... ٹھیک...... آہستہ آہستہ پھیلتے ہوئے...... انہیں چاروں طرف سے گھیر لو...... جب وہ غار کے نیچے والے میدان میں آ جائیں...... لیکن میرے فائر کا انتظار کرنا...... اوور اینڈ آل۔''

اب حمید کو قدرے سکون ہوا۔ اس نے جلدی جلدی اپنی رائفل کی میگزین درست کی اور
کراغالیوں کا انتظار کرنے لگا۔ میدان میں داخل ہونے کا راستہ تنگ تھا۔ دو، دو کی ٹولیوں میں
میدان میں داخل ہونے لگے۔

"شروع ہو جاؤ......!" فریدی نے کہا اور دونوں نے ایک ساتھ فائر کئے۔ دوسرے ہی لمحے
میں نیچے سے بھی درجنوں فائر ہوئے اور پھر یہ لوگ بھی برابر فائر کرتے رہے۔ لیکن ان کی پیش قدمی
جاری ہی رہی۔ لیکن پھر اچانک ان میں سراسیمگی پھیل گئی۔ کیونکہ اب چاروں طرف سے فائر ہونے
لگے تھے۔ گھوڑوں کی زینیں تیزی سے خالی ہونے لگیں۔

"اوہو...... خان ضیغم خود آیا ہے...... کیوں نہ ہو۔ اسے خان عیسیٰ کو ختم کرنا ہے ورنہ خود اسے
ختم ہونا پڑے گا۔" حمید کے استفسار پر اس نے ایک کراغالی کی طرف اشارہ کیا جس کا لباس
دوسروں سے مختلف تھا۔

"اچھا تو خان ضیغم...... اب تم بھی جاؤ۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور حمید نے خان ضیغم کو
گھوڑے کی پشت سے گرتے دیکھا۔ گولی ٹھیک پیشانی پر پڑی تھی۔ اس کے گرتے ہی پوری طرح
کراغالیوں میں ابتری پھیل گئی اور انہوں نے رائفلیں پھینک کر اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔

جہنم کا شعلہ

وہ تعداد میں پچیس تھے اور ان کے چہروں پر سیاہ نقابیں تھیں۔ حمید انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا
اور سوچ رہا تھا کہ کاش وہ ان کے چہرے بھی دیکھ سکتا۔ یہ لازمی طور پر فریدی کی بلیک فورس ہی کے
آدمی تھے۔ وہ کراغالیوں کو اپنے نرغے میں لئے ہوئے شاہی محل کی طرف جا رہے تھے۔ آگے حمید
اور فریدی تھے۔ فریدی اس وقت بھی خان عیسیٰ کے میک اپ میں تھا۔ ایک گھوڑے پر خان ضیغم کی
لاش پڑی ہوئی تھی۔

پھاٹک کھل گیا۔ یہ خبر پہلے ہی پھیل چکی تھی کہ خان عیسیٰ واپس آ گیا ہے۔

اس حادثے کی وجوہات بعد میں معلوم ہوئیں۔ دراصل ان سرداروں میں سے ایک نے پھر
غداری کی تھی جنہیں فریدی نے اپنے یا دوسرے الفاظ میں خان عیسیٰ کی حمایت میں ہموار کر لیا تھا۔
اس نے ضیغم کو غار کا پتہ بتایا۔ لیکن ضیغم کراغال کی خانم کو پانے میں کامیاب نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ
سردار جو خانم کو اپنے ساتھ لے گئے تھے روپوش ہو گئے تھے۔ پھر جب خان ضیغم کی شکست کی خبر
سارے کراغال میں پھیل گئی تو وہ دونوں خانم سمیت حاضر ہوئے۔

حالات معمول پر آ گئے تھے۔ کراغال پر دوبارہ خانم کا اقتدار قائم ہو گیا تھا۔

"یہ تو قصہ خانم طائی ہو گیا جناب۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "چلے تھے شہزادی کا پانچواں
سوال پورا کرنے کہ راستے میں زار و قطار رونے والا شہزادہ مل گیا جس نے بتایا کہ اس کے پاس بھی
ساڑھے سات سوال پہلے سے موجود ہیں۔ اگر خانم مدد کرے تو بیڑا پار ہو جائے گا۔ ورنہ اس کی محبوبہ
کسی گزٹیڈ یا کمیشنڈ آفیسر سے شادی کر لے گی۔ لہٰذا وہی حال ہمارا ہوا ہے۔ چلے تھے طاقت کی تنظیم
کا خاتمہ کرنے راہ میں ایک ملک کی ملکہ مل گئی۔"

"بس کرو......!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اگر ہم یہاں نہ آتے تو بارن کبھی ہاتھ نہ لگتا۔ تم
اسے نہیں سمجھ سکتے۔ میں نے فی الحقیقت تنظیم کی کمر توڑ دی ہے۔ ان کی آخری پناہ گاہ کراغال بھی
ہاتھ سے جاتا رہا۔"

"مگر...... آپ بارن سے کچھ نہ معلوم کر سکیں گے۔ میرا دعویٰ ہے۔"

"بس دیکھتے جاؤ...... تم بھی کیا یاد کرو گے۔"

اسی شام کو وہ محل سے رخصت ہو گئے۔ خانم فریدی کو رخصت کرتے وقت بُری طرح رو رہی
تھی اور حمید دل ہی دل میں کباب ہو رہا تھا۔ آج تک کوئی عورت اس کیلئے اس طرح نہیں روئی تھی۔
راستے میں اس نے فریدی سے پوچھا۔ "وہ خان عیسیٰ کی موت کب تک چھپائے گی۔"

اب وہ چھپانا بھی نہیں چاہتی۔ لیکن فی الحال چھپانا ہی مناسب ہے۔ میں نے تمام سرداروں
کو سمجھا دیا ہے کہ میں فی الحال ایک مہم میں الجھا ہوا ہوں۔ اس لئے میں زیادہ دیر تک کراغال میں
نہیں ٹھہر سکوں گا۔ لیکن جب بھی کوئی فتنہ اٹھا میں اسی طرح ان کے سروں پر مسلط نظر آؤں گا اور
خانم کو سمجھا دیا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد وہ خان عیسیٰ کی موت کا اعلان کر کے کسی کے حق میں حکومت

سے دستبردار ہو جائے۔ اس طرح اس کی بزرگی اور عظمت بھی قائم رہے گی جس کے حق میں دستبردار ہوگی وہ بھی بہر حال اس کا احترام کرے گا۔

"آپ کو شیکسپیئر کے کسی ڈرامے کا ہیرو ہونا چاہئے تھا۔"

فریدی نے اس بے تکی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

پھر وہ کمین گاہ میں پہنچے، جہاں بلیک فورس کے آدمیوں کا قیام تھا۔ اب حمید کو ان کی صحیح تعداد کا علم ہوا۔ یہ تیس تھے۔ پچیس نے اس مہم میں حصہ لیا تھا اور پانچ بارن کی نگرانی کرتے رہے تھے۔ بارن کی حالت ابتر تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بحالت بیداری کوئی بہت ہی بھیانک خواب دیکھ رہا ہو۔ فریدی نے اس کے گال پر تھپڑ رسید کر کے کہا۔

"دیکھا تم نے...... تمہاری یہ اسکیم خاک میں مل گئی۔ ان پچیس دلیروں نے ضیغم کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ تم کراغال کو تنظیم کا پاکٹ بنانا چاہتے تھے سنو! جس طاقت کو تم غلط سمجھتے ہو وہ صرف خدا کی طاقت ہے جو ہمیں اور تمہیں طاقت عطا کر کے رحم کرنا سکھاتی ہے۔ طاقت کا صحیح مظاہرہ یہ نہیں ہے کہ تم کمزوروں کو مسل دو...... بلکہ طاقت کا صحیح مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں۔ اپنے اندر بپھرے ہوئے وحشی کو ابھرنے نہیں دیتے۔ جب تک افراد کی داخلی تنظیم اس نظریئے کے تحت نہ ہوگی بہتر سے بہتر نظام حیات بھی دیرپا نہ ثابت ہو سکے گا۔ تم آج ایک نظام سے اکتا کر دوسرے نظام کی بنیادیں رکھتے ہو مگر کل وہ بھی ڈھیر ہو جائے گا۔ کیونکہ بنیاد اسی پرانی زمین پر رکھ رہے ہو جس کے نیچے آتش فشاں پہاڑ ہوتے ہیں۔ پہلے اس آتش فشاں کو ٹھنڈا کرو۔"

"تم مجھ سے کچھ نہیں معلوم کر سکو گے...... کبھی نہیں۔" بارن ہذیانی انداز میں چیخا۔ "تم مجھے اخلاقیات کا سبق دے رہے ہو۔ مجھ پر رحم کیوں نہیں کرتے۔"

"انسانیت کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ کسی سردی کھائے ہوئے سانپ کو چھاتی سے لگا کر گرمی پہنچائی جائے۔ تم پر رحم کھانا لاتعداد آدمیوں پر ظلم ڈھانے کے مترادف ہوگا۔ سنو بارن کیا تمہیں اس معصوم لڑکی پر رحم آیا تھا جسے تم نے اس کی شادی کی رات کوئلے کے مجسمے میں تبدیل کر دیا تھا۔"

"میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

"تمہیں ان تہہ خانوں کا راستہ بتانا ہی پڑے گا۔ خواہ مجھے تمہارے جسم کی ایک ایک بوٹی ہی

کیوں نہ الگ کرنا پڑے۔"

بارن کچھ نہ بولا

"میں تمہیں صرف پندرہ منٹ کی مہلت دیتا ہوں اس کے بعد تم اتنے شدید عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے کہ تمہارا شیطان بھی پناہ مانگے گا۔"

بارن ویران آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ فریدی پھر بولا۔ "موت تو بڑی آسان چیز ہے لیکن وہ زندگی جو موت سے بدتر ہو جائے تم خود سوچ سکتے ہو۔ فرض کرو میں تمہارے دونوں ہاتھ کاٹ دوں اور ان پر ہر پانچ منٹ کے بعد نمک چھڑکا جائے؛ یا میں ہتھوڑے سے تمہارے دانت توڑ دوں۔"

"نہیں......!" بارن دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

فریدی خاموش رہا۔ لیکن بارن نے آہستہ سے کہا۔ "پھر میرا کیا حشر ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے کہ سلطانی گواہ بننے کے بعد تم پھانسی سے بھی بچ جاؤ...... یہ تو یقینی بات ہے کہ اب اس کالی تنظیم کے دن پورے ہو گئے۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ اگر تم راہ پر نہیں آؤ گے تو تمہارے لئے پھانسی کا پھندا ہے۔ ورنہ میں تو تہہ خانوں کے راستے کا سراغ بھی پا ہی لوں گا خواہ کچھ دیر ہی کیوں نہ لگے۔"

بارن تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"میں بتا دوں گا۔"

فریدی خاموش ہی رہا۔

بارن نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "راستہ...... ڈاکٹر...... سلمان کی کوٹھی سے ہے۔"

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا اور فریدی کچھ سوچتا ہوا سر ہلا کر بولا۔

"تم بکواس کر رہے ہو...... کیا تم رام گڈھ سے کراغال آئے تھے۔"

"میں نے یہ نہیں کہا کہ صرف ایک ہی راستہ ہے۔"

"تو تم نے اسی راستے کا تذکرہ کیوں کیا۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کیونکہ ساری مصیبتوں کی جڑ ڈاکٹر سلمان ہی ہے۔ کم از کم اپنے متعلق تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اس تنظیم کے متعلق مجھے اسی سے معلوم ہوا تھا اور اسی کی وساطت سے میں اس تنظیم میں شامل بھی

ہوا تھا۔"

"ڈاکٹر سلمان کی حیثیت کیا ہے۔"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔ ہمارے لئے یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ کس کے ذمے کون سا کام ہے۔"

"ڈاکٹر سلمان کے کام کے متعلق تو تم جانتے ہی ہو گے۔"

"جانتا ہوں...... وہ ادارہ روابط عامہ کا مینیجنگ ڈائریکٹر ہے۔ ادارہ روابط عامہ کا کام کیا ہے۔ یہ مجھے نہیں معلوم۔ اس پر میں روشنی نہیں ڈال سکوں گا۔"

"جس پر روشنی نہ ڈال سکو اسے یکسر بھول جاؤ۔ اچھا ملکہ کائنات کون ہو سکتی ہے۔"

"اس کا علم شاید ڈاکٹر سلمان کو بھی نہ ہو۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔"

"خیر...... اب مجھے دوسرے راستوں کے متعلق بتاؤ۔"

"دوسرے راستے۔" بارن نے کراہ کر ایک طویل سانس لی اور بولا۔ "دوسرا راستہ کراغال کے شاہی محل سے ہے۔"

"اور تیسرا راستہ......!"

"فی الحال تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"لیکن اگر میں نے کوئی تیسرا تلاش کر ہی لیا تو......!"

"میں خوشی سے پھانسی پر چڑھ جاؤں گا۔"

"نہیں...... میں ہی کیوں نہ تمہارا گلا گھونٹ دوں۔" حمید بول پڑا اور بارن صرف اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

حمید پھر بولا۔ "کیا مجھے ڈاکٹر سلمان ہی کی کوٹھی والے راستے سے لے جایا گیا تھا۔"

"میں نہیں جانتا کہ تمہیں کس راستے سے لے جایا گیا تھا۔ مجھے بس ملکہ کائنات کی طرف سے ایک پیغام ملا تھا ایک آدمی بھیجا جا رہا ہے اور بس اس سے زیادہ اور میں کچھ نہیں جانتا۔"

"اس کا دماغ بالکل ماؤف ہے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "اور یہ اچھی طرح جھوٹ بھی نہیں بول سکتا۔"

"تم مجھے مار ڈالو تب بھی سچ نہیں بولوں گا۔" بارن آہستہ سے بولا۔

"اچھی بات ہے۔" فریدی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ پھر ایک نقاب پوش سے بولا۔ "آگ جلاؤ...... اور دو تین چاقو کے پھل گرم کرو۔"

"یہ دیکھو......!" بارن مسکرایا۔ "یہ ہونٹ اب بالکل بند ہو رہے ہیں۔"

نقاب پوش نے آگ جلائی اور دو تین چاقوؤں کے پھل تپائے جانے لگے۔

لیکن دفعتاً ان کی محنتوں پر پانی پڑ گیا۔ جو کچھ بھی ہوا ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ہوا اور وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ جہاں بارن بیٹھا ہوا تھا اس سے چار پانچ فٹ کے فاصلے پر ایک کافی گہری کھڈ تھی۔ اس نے اسی میں چھلانگ لگا دی اور پھر قبل اسکے کہ وہ اس تک پہنچتے بارن ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

اس طرح وہ قافلہ کراغال سے بے نیل و مرام واپس ہوا۔ مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی کو اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہو۔

"اب کیا پروگرام ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"تھوڑی دیر ضرور لگے گی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ کامیابی حاصل ہو گی۔"

"دیکھئے...... میرا خیال ہے کہ راستہ وہیں کہیں ہو گا جہاں ان لوگوں نے ہمیں گھیرا تھا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں حمید...... مگر کیا تمہیں یقین ہے کہ بارن کے علاوہ اس راستے سے اور کوئی واقف نہیں ہے۔"

"ڈاکٹر زبیری...... اور ظلنی نے بھی بتایا تھا۔ ظاہر ہے جب انہوں نے میری مدد کی تھی تو پھر اس سلسلے میں وہ کیوں جھوٹ بولنے لگے۔ ڈاکٹر نے تو یہاں تک بتایا تھا کہ ایک بار تین دن سارے کے سارے آدمی نکاسی کا راستہ تلاش کرتے رہے تھے لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ ویسے یہ بات انہیں دونوں نے بتائی تھی کہ بارن ہی نکاسی کے راستے سے واقف تھا۔"

وہ چلتے رہے۔ اب فریدی جلدی سے جلدی اس غار تک پہنچ جانا چاہتا تھا جہاں سے ایک بار حمید نے زمین دوز دنیا کی سیر کی تھی اور فریدی نے کراغال کی۔ چونکہ اب یہ سفر پیدل ہی جاری رکھا گیا تھا اس لئے شکارگاہ تک پہنچنے کے لئے تقریباً چار گھنٹے صرف ہوئے۔ حمید اب بھی انہیں نقاب پوشوں کو گھورے جا رہا تھا۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات تو اس پر تھی کہ اس نے اس دوران میں انہیں بولتے نہیں سنا تھا۔ وہ آپس میں بھی نہیں بولتے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی تو کسی معاملے میں اپنی رائے ظاہر کی تھی اور نہ فریدی ہی نے کسی بحث پر حصہ لینے پر مجبور کیا تھا۔ بس ایسا معلوم ہوتا

تھا جیسے وہ مشینیں ہوں اور ان کے ہینڈل فریدی کے ہاتھ میں ہوں۔ کیوں کہ وہ اس کے ایک ہی اشارے پر حرکت میں آجاتے تھے۔ اب وہ معاملہ ہی ختم ہو چکا تھا جس کے لئے وہ وہاں مقیم تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ شروع سے اب تک ساری محنت برباد ہو گئی...... فریدی بھی کچھ خاموش سا ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔

وہ نہایت خاموشی کے ساتھ اس غار کے دہانے میں داخل ہوئے جس کے ذریعے وہ رام گڈھ کی حدود میں داخل ہو سکتے تھے۔

پہاڑی نالے کے قریب پہنچ کر فریدی رک گیا۔ بیک وقت تین عدد ٹارچوں کی روشنیاں چاروں طرف چکرانے لگیں۔

"آپ نے کراغال کے محل ہی میں راستہ تلاش کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" حمید نے اس سے پوچھا۔

"میں وہاں زیادہ دیر تک رکنا نہیں چاہتا تھا۔" فریدی نے جواب دیا۔

اس کے کئی راستے ہوں گے مجھے یقین ہے۔ بارن نے جن دو راستوں کا تذکرہ کیا تھا ہو سکتا ہے کہ ان کا وجود ہو۔ لیکن وہ یقیناً خطرناک ہوں گے۔ ورنہ وہ ان کے متعلق ہمیں نہ بتاتا کیونکہ یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ اس کی نیت میں فتور تھا اور وہ ہمیں کسی نئے معاملے میں الجھا دینا چاہتا تھا...... ورنہ اس نے خودکشی کیوں کر لی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ اس غار میں راستہ تلاش کرنے کی کوشش فضول ثابت ہو گی مگر اسے یقین تھا کہ اس غار ہی میں کوئی نہ کوئی راستہ ضرور موجود ہے۔ ورنہ وہ یک بیک یہاں پہنچ کیسے گئے تھے۔

تمہیں دو باتوں میں سے ایک تسلیم کرنی پڑے گی۔ فریدی بولا۔ "یا تو ڈاکٹر زبیری نے جھوٹ کہا تھا کہ بارن کے علاوہ وہ اور کوئی راستہ سے واقف نہیں ہے یا پھر یہاں راستہ موجود ہے۔"

"دونوں باتوں میں مجھے تعلق نظر نہیں آتا۔"

اگر وہ لوگ تہہ خانوں سے آئے تھے تو پھر وہ بھی راستے سے واقف ہوں گے اور اگر ان کا تعلق تہہ خانے سے نہیں تھا تو تمہیں ایک ہی آدمی اٹھا کر اندر لے گیا ہوگا کیونکہ قاسم کے لئے ایسا ممکن نہیں ہے۔ اسے دنیا کا کوئی آدمی تنہا نہیں اٹھا سکتا میرا دعویٰ ہے۔"

"پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ صرف بارن ہی راستے سے واقف نہیں تھا۔"

"اور یہاں اس غار میں کسی راستے کے وجود کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔"

"پھر ہم یہاں جھک مار رہے ہیں؟" حمید جھنجھلا گیا پھر بولا۔ "اس زمین دوز دنیا میں پہنچ کر کریں گے بھی کیا اور وہاں رہنے والے چوہوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر ایسے ہیں جنہوں نے بیس سال سے آسمان نہیں دیکھا۔ آپ کو تو ان کی فکر میں رہنا چاہئے جو ان ساری حرکتوں کے ذمہ دار ہیں؟"

"ہاں...... میں اسی کی فکر میں ہوں جو اس ننھی کائنات پر بھی حاکم ہے اور اگر کسی ایسے فرد یا افراد کا وجود نہیں ہے تو سربراہ کا انتخاب کون کرتا ہے؟"

"یک نہ شد دو شد...... سربراہ کے چکر میں یہ حال ہوا۔ اب یہ اس سے بھی بڑا کوئی اور نکل آیا ہے؟"

"شروع ہی سے میں اس کی تلاش میں ہوں۔ اس عورت سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں جس کی ...دار تم نے تہہ خانوں میں کی تھی؟"

"ہائیں تو کیا آپ کو دنیا کی کسی عورت سے دلچسپی نہیں؟"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چلتے رہے۔ اوپری چٹان پر پہنچ کر حمید پیچھے مڑا۔

"وہ لوگ کہاں رہ گئے؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"ان کی فکر مت کرو...... وہ میری دم سے نہیں بندھے پھرتے۔"

"انہوں نے اپنے چہرے کیوں چھپا رکھے تھے؟"

"اگر تم ان سے واقف ہو جاؤ تو وہ بلیک فورس کیوں کہلائے؟"

حمید کچھ نہ بولا۔ اب اس میں چلنے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ دراڑ سے باہر نکلنے کے بعد وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ رات ہو چکی تھی۔

"یقیناً تھک گئے ہو گے؟" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"دیکھئے...... مجھے اس پر بڑا ناز تھا کہ دنیا میں صرف میں ہی ایک آدمی ہوں جسے کرنل فریدی

کی خارجی اور داخلی زندگی کا پورا علم ہے لیکن کیا میں غلطی پر نہیں تھا۔"

"تھے اور بھی اور نہیں بھی تھے۔"

"نہیں میں غلطی پر تھا۔"

"تم غلطی پر نہیں تھے...... تم سے مجھے زیادہ کوئی نہیں جانتا تھا لیکن اس کی بھی حدود ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی بھی ایک چٹان سے ٹک کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے تھیلے سے مچھلی کے تین ڈبے نکالے لیکن انہیں کھولنے کی نوبت نہیں آئی۔ کیونکہ یک بیک انہیں ایک آنچ سی محسوس ہوئی جو بتدریج بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ دونوں بے تحاشہ اٹھے۔

"چلو......!" فریدی اسے ایک طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ ساتھ ہی انہوں نے بہت سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ فریدی حمید کا ہاتھ پکڑے ہوئے دوڑ رہا تھا۔ آنچ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جیتے جی جہنم میں پھینک دیا گیا ہو۔

وہ اپنی پوری قوت سے دوڑتے رہے۔ لیکن حمید ایک لمحے کے لئے بھی یہ نہیں بھولا کہ کچھ آدمی اس کے پیچھے بھی دوڑ رہے ہیں۔ غنیمت یہی تھا کہ وہ نشیب میں دوڑ رہے تھے اور راستہ ہموار نہیں تھا۔ ورنہ ہاتھ پیر سلامت نہ رہتے۔ فریدی ٹارچ روشن کرنا نہیں بھولا تھا...... رفتہ رفتہ انہیں پھر خنکی کا احساس ہونے لگا اور وہ ایک جگہ رک گئے۔ دفعتاً حمید کو بلیک فورس والے یاد آ گئے۔ ہو سکتا تھا کہ دوسرے دوڑنے والے وہی رہے ہوں۔ مگر اب ان کے قدموں کی آوازیں دور ہوتی جا رہی تھیں۔

"اوہ......" اچانک فریدی کی تحیر آمیز آواز نے اسے متوجہ کر لیا اور پھر اسے سامنے ایک عجیب منظر دکھائی دیا جہاں سے وہ بھاگ کر آئے تھے وہاں بڑی بڑی چٹانیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ پگھلی ہوئی آگ میں تبدیل ہو کر نشیب میں بہنے لگیں ایک بار پھر وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔

آخری معرکہ

وہ دوڑتے رہے۔ فریدی حمید کو چڑھائی کی طرف کھینچ رہا تھا۔ لیکن اب حمید میں بالکل دم نہیں رہ گیا تھا۔ فریدی اسے محسوس کر کے جھکا اور حمید کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا اب وہ کافی بلندی پر تھا اور وہاں سے وہ جگہ نیچی معلوم ہوتی تھی جہاں سے آگ کا بہاؤ شروع ہوا تھا۔ نشیب میں پگھلی ہوئی چٹانیں کسی آتش فشاں کے لاوے کی طرح بہتی رہیں۔ فریدی نے حمید کو ہاتھوں سے اتار دیا۔ حمید بری طرح کانپ رہا تھا۔

"وہاں اس غار میں یقیناً تہہ خانوں کا کوئی راستہ تھا جسے اس طرح بند کر دیا گیا۔" فریدی نے کہا۔ "اور اب شائد اس غار ہی کا سراغ نہ مل سکے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ شاید اس نے سنا ہی نہیں تھا کہ فریدی نے کیا کہا ہے۔

دفعتاً پشت سے بیک وقت کئی آدمیوں نے حملہ کر دیا۔ شاید وہ ان دونوں کی گھات ہی میں تھے۔ حملہ چونکہ بے خبری میں ہوا تھا اس لئے انہیں سنبھلنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ فریدی نے گرتے گرتے دو کو موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ وہ بلندی سے لڑھکتے ہوئے اسی لاوے میں جا گرے جو نشیب میں اب بھی بہہ رہا تھا۔ ان کی چیخیں بھی بڑی بھیانک تھیں۔

حمید نے ہاتھ پیر ہلانے کی کوشش کی لیکن ممکن نہ ہوا۔ کیونکہ وہ تھکن سے نڈھال ہو رہا تھا اور پھر شاید کئی آدمی اس پر سوار تھے۔ وہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ اس کے پیر باندھے جا رہے ہیں۔ کسی کا ہاتھ اتنی مضبوطی سے اس کے منہ پر جما ہوا تھا کہ اسے سانس لینے میں بھی دشواری محسوس ہو رہی تھی...... آہستہ آہستہ اس کے حواس جواب دیتے رہے اور پھر اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

دوبارہ ہوش میں آنے پر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک گھنٹے بعد ہوش میں آیا ہے۔ یا ایک دن بعد۔ اگر وہ بے ہوش نہ ہوتا تو تب بھی اس کے حواس بجا نہ رہتے۔ وہ احساس نہ کر پاتا کہ دن ہے یا رات۔ زمین اپنے محور پر قائم ہے یا قیامت آ گئی۔ کیونکہ اس کے سامنے ایک ہیبت ناک منظر تھا۔ چار جانے پہچانے چہرے...... لیکن ان کے ساتھ ان کے جسم نہیں تھے۔ جسم تھے تو لیکن چہروں سے کافی فاصلے پر تھے۔ وہ چار سر تھے جو جسموں سے الگ کر کے ایک طرف رکھ دیئے گئے

تھے۔

ایک سر تاریہ کا تھا دوسرا سردار شکوہ کا تیسرا ڈاکٹر زبیری کا اور چوتھا غنی کا۔ یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا اور یہاں تیز قسم کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

بہت دیر بعد حمید محسوس کر سکا کہ اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں اور پھر اسے فریدی کا خیال آیا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ لیکن جیسے ہی اس نے دوسری طرف گردن گھمائی اسے فریدی کی آواز سنائی دی۔ جو کہہ رہا تھا۔ "ادھر دیکھو۔"

حمید کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ بائیں طرف مڑ گئی۔ فریدی اس کے قریب ہی بندھا پڑا ہوا تھا۔

"ان دو کو میں نہیں پہچانتا......!" اس نے کہا۔ "مگر میرا خیال ہے کہ یہ ڈاکٹر زبیری اور غنی کے سر ہیں۔"

"ہاں......!" حمید کے حلق سے پھٹی پھٹی سی آواز نکلی۔

"تمہارا دم کیوں نکل رہا ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں نے سنا ہے کہ دوسری دنیا میں شادی بیاہ کا رواج نہیں ہے۔" حمید نے رو دینے والی آواز میں کہا پھر بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"دماغ ٹھنڈا رکھو۔"

"خود ہی ٹھنڈا ہو جائے گا تھوڑی دیر بعد۔ ان چار دماغوں کے متعلق کیا ہے۔" حمید نے کٹے ہوئے سروں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہاں ابھی چھ سر نظر آئیں گے۔" کسی نے قریب ہی سے کہا اور پھر بولنے والا انہیں نظر آ گیا۔ یہ ڈاکٹر سلیمان تھا۔

"کراغال کا خان عیسیٰ......!" ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔ "تھریسیا کا خادم الفانسے اور طاقت کی تنظیم کا ہمدرد کیپٹن حمید۔"

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔

"تم بہت دلیر ہو فریدی۔ مجھے اس کا اعتراف ہے۔ لیکن ڈاکٹر سلیمان کو سمجھنے میں تم نے غلطی کی تھی۔"

"میں نے ڈاکٹر سلیمان کو سمجھنے کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔" فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہاں دو سر قطعی بے جوڑ ہو جائیں گے۔ تاریہ اور الفانسے کے سر اور زبیری کے سر لیکن بھلا کیپٹن حمید اور سردار شکوہ کے سروں کا کیا جوڑ ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

ڈاکٹر سلیمان نے کہا۔ "مجھے علم ہے کہ پہلے بھی کئی مواقع پر تم لوگ بال بال بچے ہو۔ لیکن ضروری نہیں ہے کہ ہمیشہ بچتے ہی رہو۔ مگر میں سوچتا ہوں کہ کیوں نہ تم اس بار بھی بچ جاؤ۔"

فریدی پھر بھی خاموش رہا۔

"تم بہت خاموش ہو کرنل کیا بات ہے۔" ڈاکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں بہت کم بولتا ہوں......!" فریدی نے جواب دیا۔

"یہ بہت بری عادت ہے۔" ڈاکٹر سلیمان مسکرایا۔ "خیر یہ تو بتا ہی دو گے کہ تاریہ کے سات اور جواہرات کیا ہوئے۔"

"کیوں......؟"

"تنظیم کو ہمیشہ مالی امداد کی ضرورت درپیش رہتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے ڈاکٹر سلیمان۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس رقم کا مصرف اس کے علاوہ اور نہیں ہو سکتا کہ قاسم کا خسارہ پورا کیا جائے...... رہ گئے جواہرات تو...... وہ تھریسیا کے خادموں پر تباہ ہو گئے۔ جن کی تعداد رام گڈھ میں تین سو سے کسی طرح کم نہیں ہے۔"

"تب پھر تمہارا جنازہ بہت دھوم سے اٹھے گا۔" ڈاکٹر سلیمان ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ تمہاری خواہش ضرور پوری ہو گی۔" فریدی نے کہا۔

ڈاکٹر سلیمان چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرا دل نہیں چاہتا کہ تم دونوں کو ایک سیکنڈ کے لئے زندہ رہنے دوں۔ لیکن میں تمہیں دکھانا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔"

"مجھے بڑی خوشی ہو گی ڈاکٹر سلیمان...... اس کے بعد میں بڑے سکون سے مر سکوں گا۔"

"تمہاری لاپرواہی مجھے غصہ دلاتی ہے۔"

"تو پھر کیا تم فریدی سے اس کے متوقع ہو کہ وہ تم سے رحم کی بھیک مانگے گا۔"

ڈاکٹر سلمان اسے چند لمحے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا پھر آگے بڑھا اور حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس جگہ سمیت کھسک رہا ہے جہاں پڑا ہوا تھا۔ وہ دراصل ایک ٹرالی تھی جس پر انہیں باندھ کر ڈال دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر سلمان ٹرالی کو دھکیلتا ہوا ایک دوسرے کمرے میں لایا جس کے سرے پر مختلف قسم کی مشینیں نصب تھیں۔ پھر وہ اس ٹرالی کو وہیں چھوڑ کر دوسرے دروازے سے نکل گیا۔

"میں اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "ورنہ اس سے پہلے کہہ دیتا کہ ملکہ کائنات پر بھی حکمران ہے۔ طاقت کی تنظیم کی پشت پر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔"

"آپ اس کا دل نہیں توڑنا چاہتے لیکن وہ ابھی ہماری گردنیں توڑ کر رکھ دے گا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔

"جو شخص پہلے سے یہ جانتا ہو کہ طاقت کی تنظیم پر کون ہے اس کی گردن توڑ دینا آسان کام نہیں ہے۔"

"آپ کیا کرلیں گے۔"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" فریدی کا جواب تھا۔

دفعتاً اس کمرے میں ایک ٹرالی داخل ہوئی جس پر ساحرہ پڑی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ اس حال میں بڑی معصوم نظر آرہی تھی۔ حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

ڈاکٹر سلمان اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "تم اسے اچھی طرح پہچانتے ہو۔"

"ہاں اچھی طرح...... لیکن......!"

"لیکن کا جواب ابھی مل جائے گا۔ تم مجھ سے بار بار سوال کر چکے ہو کہ کیا ساحرہ تعلیم یافتہ ہے۔ اب میں اس کا جواب دوں گا۔ ساحرہ بلاشبہ تعلیم یافتہ ہے۔ اس نے فلسفے میں ایم۔اے کیا تھا۔ لیکن جب میں چاہتا ہوں وہ تعلیم یافتہ ہوجاتی ہے...... اور جب نہیں چاہتا تو کسی زبان کا ایک حرف بھی نہیں پہچان سکتی۔"

حمید تشریح کا انتظار کرتا رہا۔ ڈاکٹر سلمان چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "عمل تقویم کے ذریعے میں تمہارا دماغ بھی پلٹ سکتا ہوں۔"

"کوشش کر کے دیکھو......!" فریدی بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مضبوط قوت ارادی کے مالک ہو۔ میں نے یہ جملہ صرف کیپٹن حمید کے لئے کہا تھا۔"

"ڈاکٹر تم میرا دماغ ضرور پلٹ دو۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے کسی کام نہ آسکا۔ مجھے اب بھی تنظیم سے بڑی ہمدردی ہے۔"

"مکار ہو تم...... خاموش رہو...... ہاں تو یہ لڑکی ساحرہ عالم بیداری میں اپنی اصلی شخصیت بھلا دیتی ہے۔ وہ ایک لفظ بھی نہیں پڑھ سکتی۔ تم اگر اس سے یہ پوچھو کہ فلسفہ کسے کہتے ہیں تو وہ احمقوں کی طرح منہ کھول دے گی۔ لیکن خواب کی حالت میں اسے اپنی اصلی حیثیت کا پورا پورا احساس ہوتا ہے...... ٹھہرو...... میں تمہیں دکھاتا ہوں۔" ڈاکٹر سلمان بے ہوش لڑکی کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"ساحرہ......!" اس نے آواز دی۔

"جی......!" بے ہوش لڑکی نے جواب دیا۔

"تم نے کس سبجیکٹ میں ایم۔اے کیا تھا۔"

"فلسفہ میں۔" بے ہوش لڑکی کے ہونٹ ہلے اور اس کی آواز کمرے میں گونج اٹھی۔

"فرقہ کلبیہ کا پیش رو کون تھا۔"

"ڈایا جینز......!" بے ہوش لڑکی نے جواب دیا۔

"فلسفے کی تاریخ میں سب سے اہم اسکپٹک کون ہے۔"

"ڈیوڈ ہیوم......!" بے ہوش لڑکی کا جواب تھا۔

"فرقہ لذیتہ کے پیش رو کا نام بتاؤ۔"

"ایپکیورس......!"

"ڈیکارٹس اپنا وجود کیسے ثابت کرتا ہے۔"

"میں سوچتا ہوں...... اس لئے میرا وجود ہے۔" بے ہوش لڑکی نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر ایک منٹ......!" حمید جلدی سے بول پڑا۔

"کیوں...... کیا بات ہے۔" ڈاکٹر اس کی طرف مڑا۔

"یہ بھی پوچھئے کہ یہ فلسفے کو ہمبگ کیوں سمجھتی ہے۔"

"اوہ...... اچھا......!" ڈاکٹر سلمان نے مسکرا کر حمید کا سوال دہرایا۔

"میں فلسفے کو اس لئے ہمبگ سمجھتی ہوں کہ وہ محض الفاظ کا کھیل ہے۔ دنیا میں مختلف قسم کے فلسفوں نے بڑی تباہی پھیلائی ہے۔ فلسفہ ذہین آدمی کے احساس کمتری کی تخلیق ہے۔ جب وہ کسی خاص ماحول میں خود کو دوسروں سے کمتر محسوس کرتا ہے تو اس کا ذہن اس ماحول اور نظام کے خلاف ایک نیا فلسفہ ڈھالنا شروع کر دیتا ہے۔"

"میں اس لڑکی سے سو فیصدی متفق ہوں ڈاکٹر......!" فریدی نے کہا۔ "مگر یہ فلسفے کی کلاس نہیں ہے کام کی باتیں کرو...... میرے پاس وقت بہت کم ہے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم بچ جاؤ گے۔" ڈاکٹر جھلا کر اس کی طرف مڑا۔

"ہرگز نہیں...... تم غلط سمجھے۔" فریدی مسکرایا۔ "میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ مجھے مار ڈالنے میں جتنی جلدی کر سکو اتنا ہی اچھا ہے۔ مگر للہ اپنی وہ بلیش فائر ہرگز نہ استعمال کرنا۔ مجھے بڑی مایوسی ہوتی ہے۔"

"اوہ...... تم اسے اپنا بہت بڑا کارنامہ سمجھتے ہو۔" ڈاکٹر برا سا منہ بنا کر بولا۔ "حالانکہ ایک احمق بھی سیاہ مجسموں کو دیکھنے سے اسی نتیجے پر پہنچ سکتا ہے۔ بلیش فائر کی شعاع سیاہ رنگ کے چمڑے پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ تم اس رات سر سے پیر تک سیاہ چمڑے کے لباس میں تھے۔"

"لیکن پھر بھی ذاتی طور پر تجربہ کئے بغیر شاید ہی کوئی اس قسم کا خطرہ مول لے سکے۔" فریدی بولا۔

"ہاں...... مجھے اس کا اعتراف ہے کہ تم بہت دلیر ہو۔"

ڈاکٹر اس گوشے کی طرف چلا گیا جہاں مشینیں نصب تھیں۔ اس کے ہاتھ لگاتے ہی ان میں سے کئی حرکت میں آ گئیں اور ایک میں دھندلا سا اسکرین نظر آنے لگا۔ شاید اس دھندلے شیشے کے پیچھے کوئی بلب روشن ہو گیا تھا۔ دفعتاً اس شیشے پر کچھ رنگین سی متحرک تصویریں نظر آئیں۔ حمید نے غور سے دیکھا تو وہی دربار تھا جو اس نے زمین دوز دنیا میں دیکھا تھا۔

"کیوں ڈاکٹر۔" فریدی بیزاری سے بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم اس لڑکی کو ہپنوٹائز کر کے ملکہ کائنات بنا دیتے ہو اور اس سے جو کچھ کہلوانا چاہتے ہو یہ کہہ دیتی ہے اور اس کی آواز ان مشینوں کے ذریعے وہاں تک جا پہنچتی ہے۔ شاہی جلوس کی دھوم دھام کے لئے تم گراموفون اور ریکارڈ استعمال کرتے ہو گے۔ مجھے دراصل تنظیم کے ان کارکنوں سے دلچسپی ہے جو ان تہہ خانوں میں موجود ہیں۔ یعنی وہ مشین جو چٹانوں کو لاوا بنا دیتی ہیں جو چٹانوں کو موم کی طرح تراشتی ہیں ان سے اعلیٰ

پیمانے پر تعمیری کام لئے جا سکتے ہیں۔"

"کیا تنظیم ان سے تخریبی کام لے رہی ہے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔

"چھوڑو کیا رکھا ہے ان باتوں میں۔ آؤ...... اب ہمیں مار ڈالو۔"

حمید پاگل ہوا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ شاید بدحواسی نے فریدی کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ ورنہ وہ بھی اس کی طرح رسیوں میں جکڑا پڑا تھا۔

"یقیناً......!" ڈاکٹر سلمان دانت پیس کر بولا۔ "میں تمہیں اسی طرح ذبح کروں گا جیسے ان چار غداروں کو کر چکا ہوں۔"

دوسرے ہی لمحے میں حمید نے اسے ایک بڑا چاقو کھولتے دیکھا۔ حمید کا حلق خشک ہو گیا اور زبان تالو سے جا لگی۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور پیر بھی جکڑے ہوئے تھے۔ یہی حال فریدی کا تھا۔

ڈاکٹر سلمان چاقو لئے ان کی طرف بڑھا۔

پھر وہ فریدی پر جھکا ہی تھا کہ فریدی کا گھونسہ اس کی ناک پر پڑا اور وہ چاقو سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔ پھر فریدی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ حمید نے دیکھا کہ اس کے پیر اب بھی بندھے ہوئے ہیں۔ لیکن دونوں ہاتھ حیرت انگیز طور پر آزاد ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر سلمان اٹھ نہ سکا کیونکہ فریدی نے اس پر گرتے ہی اسے دونوں ہاتھوں سے جکڑ لیا تھا۔

چاقو دور پڑا چمک رہا تھا۔

حمید نے ایک طویل قہقہہ لگایا اور پھر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"ڈاکٹر معاف کرنا...... میرے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں ورنہ تمہاری مدد ضرور کرتا۔"

ڈاکٹر سلمان کچھ نہ بولا۔ وہ فریدی کی گرفت سے آزاد ہونے کے لئے انتہائی زور صرف کر رہا تھا۔

"اور میرے پیر بندھے ہوئے ہیں۔" فریدی بولا۔ "ورنہ اس سے زیادہ خدمت کرتا۔ مگر ڈاکٹر یقین نہیں آتا کہ تم طاقت کی تنظیم کے سربراہ ہو۔ کیونکہ تم میں اتنی طاقت بھی نہیں ہے کہ خود کو میری گرفت سے آزاد کرا سکو۔ تمہاری بہن نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ فلسفہ ہمبگ ہے کیونکہ وہ ذہین آدمیوں کے احساس کمتری کی پیداوار ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

دفعتاً ڈاکٹر سلمان کے حلق سے بے ساختہ قسم کی کراہیں نکلنے لگیں اور اس نے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہوتی گئیں اور پھر شاید وہ بیہوش ہی ہوگیا۔ فریدی اس پر سے اٹھ آیا اور بیٹھ کر اپنے پیروں کی رسی کھولنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ میں اس نے حمید کی چیخ سنی اور پھر اسے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر سلمان نے اس پر چھلانگ لگائی تھی۔ فریدی نے اسے ہاتھوں پر روکا۔ اس کے پیروں کی رسی کی گرہ تو کھل گئی تھی لیکن رسی ابھی لپٹی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر سلمان کا یہ حملہ بڑا شدید تھا۔ فریدی نے اٹھنا چاہا لیکن پیروں کی رسی میں الجھ کر ڈھیر ہوگیا۔ اب ڈاکٹر سلمان اس پر سوار تھا...... وہ حقیقتاً بے ہوش نہیں ہوا تھا بلکہ فریدی کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوگیا تھا۔

اچانک ساحرہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی تو یہی نیند اچٹ گئی تھی وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے ان دونوں کو گھورتی رہی۔

''ساحرہ تم ادھر آؤ...... میں سہیل ہوں۔'' حمید نے اسے آواز دی۔

ساحرہ آواز پہچان کر اس کی طرف جھپٹی۔

''ساحرہ...... خبردار......!'' ڈاکٹر سلمان چیخا۔

''انہیں بکنے دو......!'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''وہ نشے میں ہے۔ اس بدمعاش نے مجھے باندھ کر ڈال دیا ہے اور انہیں قتل کرنا چاہتا ہے۔ وہ دیکھو، چاقو...... وہاں پڑا ہے...... تم جلدی سے میری رسیاں کاٹ دو...... پھر میں اس بدمعاش سے سمجھ لوں گا۔''

ساحرہ نے دوڑ کر چاقو اٹھالیا۔

''ساحرہ......!'' ڈاکٹر سلمان پھر دہاڑا۔

''اوہ...... جلدی کرو...... وہ اتنی پی گئے ہیں کہ انہیں دوست دشمن کی تمیز نہیں رہ گئی۔ وہ بدمعاش انہیں مار ڈالے گا۔'' حمید نے آہستہ سے کہا اور ساحرہ اس کی رسیاں کاٹنے لگی۔ ادھر ڈاکٹر سلمان نے فریدی کو چھوڑ کر ہٹنا چاہا لیکن فریدی نے اسے اس کا موقع ہی نہ دیا۔

حمید آزاد ہوچکا تھا۔ اس نے ساحرہ کے ہاتھ سے چاقو لے کر اس کی نوک ڈاکٹر سلمان کی گردن سے لگادی۔

''چپ چاپ اٹھ آؤ پیارے ڈاکٹر...... ورنہ تمہاری گردن میں سوراخ ہوجائے گا۔''

''یہ کیا کر رہے ہو تم......'' ساحرہ چیخی۔ لیکن حمید نے کوئی جواب نہ دیا، ڈاکٹر سلمان دونوں اوپر اٹھائے ہوئے فریدی پر سے اٹھ آیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اسے رسیوں سے جکڑ رہے تھے اور ساحرہ حلق پھاڑ کر چیخ رہی تھی۔

''تم دھوکے باز ہو سہیل، کمینے، کتے ہو...... تم نے بھائی جان سے دغا کیا...... خدا تمہیں ت کردے۔''

دوسری صبح رام گڈھ والوں کے لئے بڑی تہلکہ خیز خبر تھی۔ فریدی نے زمین دوز تہہ خانوں کا بھی لگالیا تھا۔ اس کا راستہ ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی کے اسی تہہ خانے سے شروع ہوتا تھا جہاں انہوں چار لاشیں دیکھی تھیں۔ زمین دوز تہہ خانوں سے تقریباً ساڑھے سات سو افراد برآمد ہوئے جن بچے بوڑھے اور جوان سبھی طرح کے لوگ تھے۔ عورتیں بھی تھیں پولیس نے مختلف اقسام کی ینیں برآمد کیں۔

پھر گرفتاریاں شروع ہوئیں۔ جتنے لوگوں کو حمید تاریہ کے یہاں ایک مخصوص میٹنگ میں دیکھ ا تھا حراست میں لے لئے گئے۔ پھر تقریباً ساڑھے تین سو افراد ایسے بھی گرفتار کئے گئے جنہیں کسی مین دوز دنیا کا علم نہیں تھا اور وہ تنظیم کے لئے مختلف قسم کا کام انجام دیتے تھے۔

اس طرح فریدی اس تنظیم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں کامیاب ہوا جس کی داغ بیل حقیقتاً ڈاکٹر لمان ہی نے ڈالی تھی۔

شام تک فریدی کے محکمے کے اعلیٰ آفیسر فضائی راستے سے رام گڈھ پہنچ گئے اور فریدی انہیں ارے حالات بتاتا ہوا بولا۔ ''میں نے دو مجسمے دیکھے تھے اور دونوں میں یہ بات محسوس کی تھی کہ جسم کے وہ حصے جو سیاہ رنگ کے چمڑے کے نیچے تھے کوئلے میں نہیں تبدیل ہوئے تھے لیکن چونکہ وہ کاربن میں دبے ہوئے تھے اس لئے سڑے بھی نہیں تھے۔ یعنی جسم کے ان حصوں کے درمیان تھے جو کوئلے میں تبدیل ہوچکے تھے۔ بہرحال میں نے اسی بناء پر ایک خطرہ مول لیا۔ مگر میرا خیال غلط نہیں ثابت ہوا۔ میرے چمڑے کے لباس پر پش فائر کی خطرناک شعاع کا اثر نہیں ہوا۔''

پھر اس نے انہیں بتایا کہ اس نے کس طرح تنظیم کے مقابلے پر تھریسیا بمبل بی کی ایک تنظیم کھڑی کردی تھی اور خود الفانسے کے روپ میں تاریہ کے یہاں جا گھسا تھا۔

پھر اس سے یہ سوال کیا گیا کہ اس نے براہ راست محکمے کو اطلاع کیوں نہیں دی تھی اس پر

فریدی نے کہا کہ وہ اپنا اطمینان کر لینے سے پہلے معاملے کو آگے نہیں بڑھانا چاہتا تھا مگر اسے کیا جائے کہ وہ اسی اسٹیج میں نپٹ گیا۔ پھر اس نے تھریسیا بمبل بی کا تعارف کرایا جو رشیدہ کے علاوہ کون ہو سکتی تھی۔ انور بھی ان آفیسروں کے سامنے پیش کیا گیا لیکن فریدی کی بلیک فورس کا ذکر نہیں آنے پایا۔ ویسے اس نے یہ ضرور کہا کہ اس نے تھریسیا کے لئے کچھ آدمی کرائے پر رکھے تھے اور ان سے بھی کام لیتا رہا تھا۔

"مگر تم نے یہ نہیں بتایا کہ یک بیک تمہارے ہاتھ کیسے آزاد ہو گئے تھے۔" ڈی آئی جی نے پوچھا۔

"میں حمید کی طرح بے ہوش نہیں ہوا تھا جناب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "جب وہ مجھے بے بس کر کے میرے ہاتھ باندھ رہے تھے میں نے کلائیاں ایک دوسرے سے فاصلے پر رکھی تھیں لیکن بوکھلائے ہوئے دشمنوں کو اس کا احساس نہیں ہو سکا تھا۔ بہرحال کلائیوں میں فاصلہ ہونے کی بنا پر بندش ڈھیلی رہ گئی تھی۔ جس سے ہاتھ نکال لینا مشکل نہیں تھا۔"

پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر اس نے کہا۔ "کچھ بھی ہو مجھے اس لڑکی ساحرہ سے ہمدردی ہے۔ ڈاکٹر سلمان نے ہپناٹیزم کے ذریعہ اس کا دماغ الٹ دیا ہے اور وہ اپنی اصلی شخصیت کھو بیٹھی ہے۔ اب کوئی اعلیٰ قسم کا ماہر نفسیات ہی اس کی زندگی سدھار سکے گا۔"

پھر انہوں نے روحی کے معاملے پر بحث شروع کی۔ کیونکہ واقعات کی ابتداء اس سے ہوئی تھی۔ فریدی نے کہا۔ "اس کا باڈی گارڈ شاہد دل کشا ہوٹل کے مالک کے دوسرے ہوٹل نشاط سے برآمد کر لیا گیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اسے سردار شکوہ نے بے بس کر کے نشاط ہوٹل تک پہنچایا تھا۔ روحی کا تعلق اس واقعہ سے صرف اتنا ہی ہے کہ ادارہ روابط عامہ اس سے لمبی لمبی رقمیں وصول کرتا تھا۔ شاہد کو اس لئے اغواء کیا گیا تھا کہ روحی اس پر شک کرے اور اسے تلاش کرانے کے سلسلے میں ادارہ کو مزید رقومات دیتی رہے۔"

ختم شد